کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب کا تحقیقی جائزہ

عالم اسلام پر مستشرقین کی

فکری یلغار

- مغرب میں نفرت کی پرورش
- عہد جدید اور مستشرقین
- کیرن آرمسٹرانگ کا حقیقی چہرہ
- بائبل میں توہین انبیاء کی سزا
- عقیدہ و ناموس رسالت
- سلمان رشدی کی حمایت
- مسلم حکمران اور مغرب کے حملے
- امت مسلمہ کا زوال و عروج
- گستاخان انبیاء کا انجام
- قرآن اور بائبل کے قانون طلاق و زکوٰۃ کا تقابلی جائزہ
- قرآن اور بائبل میں جہاد کا تقابلی جائزہ
- پیغمبر اسلام اور امن عالم
- بنو قریظہ کا انجام از قانون توریت

محمد اسمٰعیل بدایونی

اسلامک ریسرچ سوسائٹی کراچی

شرف انتساب

بنام والدین

والد گرامی۔۔۔

پروفیسر حافظ قاری ریاض احمد بدایونی دامت برکاتہم العالیہ

والدہ محترمہ۔۔۔

محترمہ عفت النساء

کے نام

- جنہوں نے پرورش ہی نہیں تربیت بھی کی
- جنہوں نے زندگی کی دھوپ چھاؤں میں
- خوشی و غم کے بدلتے موسموں میں، ہمیشہ اپنی آغوش میں چھپائے رکھا
- جنہوں نے دنیا ہی نہیں دنیا برتنے کیلئے دین کی تعلیم بھی دی
- جنہوں نے زندگی کے کسی بھی لمحے دعاؤں کی رسد میں کمی نہ آنے دی
- جن کی شفقت، محبت، عنایات، قربانیوں کا میں ہمیشہ مقروض رہوں گا
- جنہوں نے اپنی ضروریات کو ترک کر کے میری خواہشات کو ہمیشہ پورا کیا

اللہ تعالیٰ میرے والدین کا سایہ صحت و تندرستی کے ساتھ تا دیر ہم بہن بھائیوں کے سر پر سلامت رکھے اور ہمیں ان کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اعتراف

تمام خوبیاں پروردگار عالم کیلئے جس نے لفظ کن سے کونین کی تخلیق فرمائی۔ درودوسلام کے مہکتے گلدستے پیش ہیں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس بارگاہ میں جہاں سے آج بھی کائنات کی بقا کیلئے رحمت ورضوان کی بارشیں ہورہی ہیں۔

یہ کرم ہے ان کا کہ انہوں نے مجھ عاصی کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ میں دفاعِ سیرتِ رسول پر ناقدین کے قلم کی عیاری ومکاری کا نقاب نوچ پھینکوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عصمت وعفت اور عظمت کے جاوداں اور تابندہ سیرت کے سنہری نقوش کی کرنوں کو عام کرسکوں۔

میرا علم ناقص اور میری عقل محدود ہے میرا بھروسہ صرف خالق کائنات پر ہے جس نے اپنے حبیب کی عفت وعصمت کی خدمت کا اعزاز مجھے عطا فرمایا۔

یکے از خدام ناموس رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد اسمٰعیل بدایونی عفی عنہ

دیباچہ

عیاری جب فکر کا لبادہ اوڑھ لے۔۔۔ مکاری جب علم کا بہروپ بھر لے۔۔۔ جب دستار علم مارہائے آستینوں کے سروں پر سجنے لگے۔۔۔ جب متعصبین کے سینوں پر غیر جانبداری کے امتیازی و غیر امتیازی تمغے سجنے لگیں۔۔۔ جب علم کے علم پر جہل کا پنجہ اقوام عالم کی گلیوں میں غیر جانبداری کا خراج وصول کر رہا ہو۔۔۔ نادانوں کے کلمات تحسین سے جب 'ہوہا' کا شور ہو رہا ہو۔۔۔ تب بنی نوع انسان کی حالت زار بلکہ خستہ حالی پر اشک بھی ماتم گریہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔

استشراق کی فکری وحشتیں بنی نوع انسان کے تعاقب میں کیوں سرگرداں ہیں؟

یہ تحریک استشراق کیا ہے؟

یہ تحریک کیوں چل رہی ہے؟

کون اس تحریک کی پشت پناہی کر رہا ہے؟

کس کی ایما پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے؟

کس کس محاذ پر۔۔۔ کس کس مقام پر۔۔۔

کن مقصد کے تحت۔۔۔ کون سی حکمت عملی کو اپنا کر۔۔۔

کن لوگوں کے اذہان کو فکری اور نظریاتی وائرس سے آلودہ کرنے کی سازش رچائی جارہی ہے۔

تحریک استشراق

تحریک استشراق کیا ہے؟ ۔۔۔ اور مستشرقین کسے کہتے ہیں؟

پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں، اہل مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص، جو مشرق اقوام خصوصاً ملتِ اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب و تمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر اُن پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور اس پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں، ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ لوگ منسلک ہیں وہ تحریک استشراق کہلاتی ہے۔ (ضیاء النبی از پیر کرم شاہ الازہری جلد ششم صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

تحریک استشراق کا آغاز

تحریک استشراق کا آغاز کب ہوا؟ اس فکری بے راہ روی کی داستان کے بارے میں ڈاکٹر یحییٰ الجبوری لکھتے ہیں، استشراق کی یہ کہانی بڑی طویل ہے ہم اس کی ساری داستان سنانے میں تو نہیں الجھیں گے مگر ایک سرسری نظر ضرور ڈالیں گے یورپ کا اتصال شرقِ اسلامی سے پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جب مسلمان اپنے شباب پر تھے اور عنفوانِ قوت میں تھے ان کا مجد و شرف اندلس میں اپنی بلند چوٹی پر تھا وہاں رابطہ پیدا ہوا جہاں یونیورسٹیاں تھیں، درسگاہیں تھیں جو بیش بہا علمی کتابوں سے بھری پڑی تھیں یہ زمانہ وہ ہے کہ یورپ ابھی اونگھ رہا تھا اور مشرق اپنی طویل بیداری اور علم و مدنیت کی راہ میں اپنے مشقت گیر جہاد کو منزل اتمام تک پہنچا چکا تھا یا پہنچانے والا تھا کہ یورپ نے آنکھیں کھولیں اور ایک اجنبی شعب و قوم کو اپنے براعظم میں پایا جس نے اس کے ایک حصے کو آباد کر رکھا تھا اور نہایت سرسبز و شاداب بنا رکھا تھا اور لمبے لمبے گیسوؤں والی ایسی جنت میں اس کو تبدیل کر دیا تھا جہاں علوم و فنون اور آداب و انداز پھل پھول رہے تھے اور زندگی فروغ پا رہی تھی اس وقت اہل یورپ کی نظر اندلس کی جانب اٹھی وہ اس سے آگاہ ہوئے اور دوسری مرتبہ یورپ کو مشرق کا قرب صلیبی جنگوں کے دوران حاصل ہوا یہ آگ متعصبوں نے اس وقت بھڑکائی تھی جب انھوں نے مسلمانوں میں تفرقہ پسندوں اور کمزوریوں کے آثار محسوس کئے یہ صلیبی جنگیں تقریباً دو سو سال تک جاری رہیں اور صلیبی یلغاریں اسلامی سرزمینوں پر مسلسل ہوتی رہیں یہاں تک کہ اللہ سبحانہٗ نے اس امت کیلئے ایسے صاحبانِ ایمان اور زبردست مردانِ کار مہیا کر دیے۔ جیسے صلاح الدین ایوبی اور اس کے اعوان و انصار اور اس کی فوجیں جنھوں نے دستِ تعدی دراز کرنے والوں کو ہولناک سبق سکھائے اور اس قدر خونریزیاں ہوئیں کہ آخر اہل صلیب شکست کھا کے راہِ فرار

اختیار کر گئے بہر حال اس اتصال طویل نے اہل یورپ پر دوررس اثرات چھوڑے وہ حیرت زدہ تھے کہ مسلمانوں نے خود ان کے ملکوں کے اند تہذیب و تمدن کا گلزار سجادیا ان لوگوں نے وہاں ایسی ایسی چیزیں دیکھیں جو کبھی ان کے خواب وخیال میں بھی نہ آئی تھیں انھوں نے اندلس میں ایک ایسی مہذب مثقف اور متمدن قوم کو دیکھا جس میں سب علماء ہی علماء تھے 'ڈوزی' جیسا مستشرقین جو تمدن اندلس کا ماہر خصوصی ہے یہ لکھنے پر مجبور ہوا کہ 'پورے اندلس میں ایک شخص بھی اَن پڑھ نہ تھا، جبکہ دوسری طرف یورپ میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو پڑھنا اور لکھنا جانتا ہو بجز اس اعلیٰ طبقے کے جو پادریوں پر مشتمل تھا' اہل یورپ نے مسلمانوں سے انواع اقسام کے علوم وفنون اور آداب وانداز حاصل کئے۔ طلیطلہ (Toledo) کی جامعہ بارہویں صدی میں یورپ کے تمام علاقوں سے آنے والوں کا قبلہ تھی حالانکہ یہ وقت وہ تھا جب اندلس کے بڑے بڑے شہر وبلاد پر سے اسلامی اقتدار کا سایہ سمٹنے لگا تھا۔ (جریدہ ۳۴ صفحہ ۲۳۰،۲۲۹ مطبوعہ شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی)

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین کے کام کا آغاز دسویں صدی عیسوی سے بہت پہلے ہو گیا تھا۔ گو اہل کتاب کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ کاروائیاں تو اس وقت سے شروع ہو گئی تھیں جب اس دنیا پر اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تھا اسی وقت سے وہ اسلام اور مسلمانوں پر مختلف جہتوں سے حملوں کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

ہلال وصلیب کا یہ معرکہ اسی وقت سے جاری ہے اور اس کی شدت میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہا ہے لیکن استشراق مسلمانوں کے خلاف یہودی ونصاریٰ کی قلمی جنگ کا نام ہے اور یہ ذرا بعد میں شروع ہوئی۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ ۱۲۶)

تحریک استشراق کے مقاصد

اس فکری ہولناک کے پیچھے کیا مقصد کار فرما ہیں۔ یہ تحریک کیوں شروع ہوئی۔

اس بارے میں ہم اپنی کتاب استشراقی فریب میں اجمالی طور پر لکھ چکے ہیں یہاں بھی ہم سرسری طور پر اس کا ذکر کرتے چلیں۔

عالم اسلام پر صلیبی یلغار

عداوتِ اسلام کے جنوں نے اہل صلیب کو انتہا پسندی کے تاریک غار کے بند سرے کی جانب دھکیل دیا انہوں نے عالم اسلام پر پوری شدت سے حملے کئے اور یہ حملے دو سو سال تک جاری رہے۔

لیکن ان جنگوں کے نتائج اہل صلیب کی مرضی کے مطابق نہ نکل سکے ان کا گمان تھا کہ وہ طاقت کے نشے میں چور ہو کر اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے اور مسیحیت کو کرہ زمین پر بروز طاقت نافذ کر ڈالیں گے اہل صلیب کا یہ طبل جنگ جب بجنا شروع ہوا تو عالم اسلام کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا کہ یہ عالم اسلام پر وار ہے بیداری کی تحریک چل پڑی اور انجام کار اہل صلیب کو خائب و خاسر ہو کر لوٹنا پڑا۔

اہل صلیب کی یہ شکست انہیں اتنا تو آگاہ کر گئی کہ مسلمانوں کی قوت کا راز فرد، خاندان، طاقت اور قبیلہ نہیں ہے بلکہ وہ راز عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے وہ سرچشمہ جہاں سے یہ سیراب ہوتے ہیں محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ ان کے سینوں میں جو حُبِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سمندر موجزن ہے وہی ان کی قوت کا راز ہے وہی ان کی قوت کا سرچشمہ ہے وہی ان کی کامیابی و کامرانی کا راز ہے وہی ان کے عروج کا ضامن ہے۔

لہٰذا اہل صلیب کے تعصب زدہ دماغوں نے اہل اسلام کو قوت کے اس سرچشمے سے دور کرنے کیلئے ہتھکنڈے اپنائے اور تحریک استشراق کی صورت میں باقاعدہ اہل صلیب کا فکری دستہ تشکیل دیا۔

پھر اہل صلیب کے ان فکری (Kinghts) نے اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن کو اپنی نوک قلم پر ترجیحی بنیادوں پر رکھ لیا۔ تاکہ عروج اسلام کا ضامن سرچشمہ، عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خشک ہو جائے جب محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نہ رہے گی تو پھر ان کا ایمان، ان کا نظریہ، ان کا مقصد، ان کی تعلیمات سب خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے گا۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، اہل مغرب سمجھ گئے کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں پر ان کے عقیدے کی گرفت ختم ہو جائے یا کمزور پڑ جائے تو یہ قوم پارہ پارہ ہو سکتی ہے انہوں نے اسلامی عقیدے پر حملے شروع کر دیئے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو ہر مسلمان کے عقیدے کا مرکز ہیں اہل مغرب نے ان کی ذات بابرکت پر ایسی الزام تراشیاں کیں کہ شرافت ندامت کی وجہ سے منہ چھپانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ ۲۸۳)

استعمار، تحریک استشراق کا پشت پناہ

اسلام پیغمبر اسلام، قرآن پر خود ساختہ اعتراضات کا انبار تخلیات کی فکری توپوں سے عالم اسلام کی نئی نسل کے اذہان کی تباہی۔ ایک مکمل فکری محاذ ایسی تعلیم کو فروغ دیا گیا جو مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دے۔

فکری محاذ سے جدیدیت کی گولہ باری کہ اسلام چودہ سو سال قبل تو قابل عمل تھا مگر اب نہیں لہٰذا اسلام کو مسجد اور مدرسہ تک محدود رکھا جائے۔

عروج کیلئے اپنے اسلاف کے بجائے اہل مغرب کی طرف نگاہ کی جائے اور مغرب کے تجربات سے فائدہ (اٹھاتے ہوئے استعمار کے تخلیق کردہ سرمایہ دارانہ نظام کو فائدہ پہنچایا جائے) اٹھایا جائے۔

ملتِ اسلامیہ میں فحاشی و عریانیت کا آرٹ۔ مغرب کی ننگی تہذیب و ثقافت کا پیوند لگایا گیا۔ اسلامی قوانین کو وحشیانہ اور ظالمانہ قوانین قرار دینے کیلئے نام نہاد اسکالروں کی خوشنما روشن خیال نظریات کو فروغ دیا جانے لگا۔ جہاد کو دہشت گردی قرار دے دیا گیا۔ غرض یہ کہ مسلمانوں کیلئے مغرب کو آئیڈیل قرار دیا جانے لگا اور ان کے علمی، تہذیبی ورثہ سے بے گانہ کر کے مغربی تہذیب و تمدن کی طرف دعوت دی گئی۔

اور ان تمام کاموں کیلئے استعمار کی خدمت کیلئے مستشرقین کی سیاہ خدمات حاضر خدمت تھی جیسا کہ پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، یہ سارے کام مغرب کے اہل سیاست نے مستشرقین اور مبشرین سے کرائے۔ مقصد یہ تھا کہ جب مستشرقین کے پھیلائے ہوئے خیالات و نظریات امت مسلمہ پر اثرانداز ہوں گے تو اس کا نتیجہ دو صورتوں میں ظاہر ہو سکتا ہے ایک صورت تو یہ ہے کہ ملت مسلمہ مجموعی طور پر ان پر کشش نظریات کو قبول کر لے گی اس صورت میں دین کا عظیم الشان محل منہدم ہو جائے گا بنائے وحدت ختم ہونے سے ملت انتشار کا شکار ہو جائے گی اور اس طرح یہ قوم کسی قسم کی مزاحمت کے قابل نہیں رہے گی۔ دوسری صورت یہ ممکن تھی کہ ملت کا ایک طبقہ مغربی خیالات و نظریات کو تسلیم کر لے گا اور دوسرا طبقہ ان نظریات کو اسلامی اقدار پر حملہ تصور کر کے ان کی مخالفت کرے گا اور اس صورت میں بھی ملت کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے استعماری طاقتوں نے مستشرقین اور مبشرین پر پانی کی طرح روپیہ بہایا ان تنظیموں نے اس دولت کے بل بوتے پر تعلیمی اداروں، ہسپتالوں، فلاحی اداروں، غریبوں، محتاجوں کیلئے امدادی منصوبوں، اخبارات و رسائل، کتابوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کی۔

مستشرقین اور مبشرین کو اپنی کوششوں کو آگے بڑھانے کیلئے خود امت مسلمہ میں سے بھی کئی بے ضمیر لوگ مل گئے جنھوں نے ان اسلام دشمن کارروائیوں کو آگے بڑھانے کیلئے زبردست کام کیا۔

مستشرقین نے مسلمانوں کو فرقہ واریت کے جہنم میں پھینکنا چاہا تو اس مشن کی تکمیل کیلئے انہیں مسلمانوں کی صفوں میں سے کارکن میسر آگئے انہوں نے اسلام کے بارے میں یہ فتویٰ صادر کیا کہ اس کی تعلیمات زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتیں تو اس فکر کی ترویج کیلئے کئی مسلمانوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں جہاد جو قصر ملت کے محافظ کی حیثیت رکھتا ہے مستشرقین نے اسے ملت مسلمہ کی زندگی سے خارج کرنے کا ارادہ کیا تو اس ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے انہیں ایسے کارکن میسر آگئے جن کے نام مسلمانوں والے تھے۔

خلافت عثمانیہ بھی اہل مغرب کے استعماری عزائم کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ تھی یہ خلافت اگرچہ اپنی گزشتہ سطوت و شوکت سے محروم ہو چکی تھی لیکن اس کی صورت میں ملت اسلامیہ کے پاس ایک مرکز تھا اس مرکز کے گرد وہ کسی بھی وقت اکٹھے ہو سکتے تھے اہل مغرب ممالک اسلامیہ پر مغربی اور صلیبی پرچم لہرانے کی خاطر اس خلافت کا خاتمہ ضروری سمجھتے تھے اس کام کیلئے بھی انہیں مسلمانوں کی صفوں سے کارندے مل گئے جنھوں نے اپنے ذاتی اقتدار کی لالچ میں مسلمانوں کے اس آخری سہارے کو بھی ختم کر دیا۔

مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والوں نے ایک طرف دین سے ان کا تعلق منقطع کرنے کی تدبیریں کیں تو دوسری طرف انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ مسلمان بعد میں ہیں اور پہلے وہ عرب، ترک، ایرانی اور افغان وغیرہ ہیں اس طرح نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات کو بھڑکا کر مسلمانوں کو منتشر کرنے کی کوشش کی گئی۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ ۲۸۵،۲۸۴)

پروفیسر محمد فاروق النبہان لکھتے ہیں، علم کے نام سے اور ثقافت کے نام سے ہمارے ممالک کے اندر کو مشنری مراکز قائم کئے جاتے ہیں وہ اسلام کے دشمن، استعمار پرست ملکوں کے مفادات و مصالح کو آگے برھانے کی خدمات انجام دیتے ہیں یہ انھیں مملکتوں کے خدمت گزار ہیں جنھوں نے صلیبی جنگوں کی قیادت و سیاست ایک زمانے میں کی تھی کہ اسلام کا خاتمہ اس کی سرزمین ہی پر کر دیا جائے اور اب یہ وہی لشکر ہے جو میدان جنگ سے ہٹ کر ہماری تعلیمی درسگاہوں اور نظام علمی میں آگیا ہے اور ان پر مسلط ہے یہ وہی لشکر ہے جو اپنا زہر خود ہمارے بیٹوں کے دل و دماغ میں، اپنے پسندیدہ و منتخب گروہ کے ذریعے انڈیلتا ہے جو وہاں تعلیم پاتے ہیں وہ ایسی تعلیم ان کو دیتا ہے جو مضرت رساں زیادہ ہے

اور نفع بخش کم ہی تعلیم پاکر ہمارے بچے ان تعلیم درسگاہوں سے جب نکلتے ہیں تو اپنے دین اور عقیدے کے بارے میں بدترین خیالات کے حامل ہو کر نکلتے ہیں۔

مشنریز کی یہ تحریکیں عالم اسلامی میں جس بڑے مقصد اور بنیادی ہدف تک پہنچنے کی خاطر اپنی مساعی میں مشغول ہیں وہ یہ ہیں کہ مسلمانوں کے اندر ایسے افراد پیدا کئے جائیں جو مخالف اسلام افکار میں رنگے ہوئے ہوں کیونکہ ایسے افراد کے مطعون و مشکوک ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ (جریدہ ۳۴ صفحہ ۱۹۹)

ڈاکٹر یحییٰ الجبوری رقم طراز ہیں:۔

مستشرقین (Orientalists) اور مبشرین (Missionaries) نے جو منصوبہ بندیاں عالم اسلام کے سلسلے میں کر رکھی ہیں ان کا نقشہ آپ کو اس کتاب میں دکھائی دے گا جس کا نام 'الیٰ این یتجہ الاسلام' (Whither Islam) ہے اس کتاب کی تالیف میں مختلف نسلوں اور جنسوں کے مستشرقین کا ایک مجموعہ (گروہ) شریک ہے اور ان سب کے مضامین و مقالات کو جمع کرنے ان بحثوں کو یکجا کرنے اور اس کی پیشکش اور تعبیر کی خدمت انجام دینے والے بزرگ مشہور انگریز مستشرق جناب 'گب' ہیں یہ برطانوی وزارت خارجہ کے مشیر رہ چکے ہیں اور قاہرہ کی انجمن 'مجمع اللغۃ العربیہ' کے بھی مدت دراز تک رکن رہے ہیں۔

یہ کتاب منصوبہ پیش کرتی ہے عالم اسلامی کو یورپ کے سانچے میں ڈھالنے کا اور فرنگی بنانے کا۔ یہ کتاب ترکیبیں اور تدبیریں بتاتی ہے دین کو زندگی سے جدا کرنے کی اور اس کا جامعات کے اندر اور ان بڈھوں اور بڈھیوں کے دل و دماغ میں محصور کرنے کی جو ایک یا دو نسلوں کے بعد مرجانے والے ہیں اس کتاب نے اس سیاست کاری کے نتائج بھی پیش کئے ہیں جن کو یورپی ہاتھوں نے تیار کیا اور اس سے مردانِ کار نے اس کو نافذ کیا اور متفغین مسلمین کے ایک گروہ نے جو یورپ اور یورپی ثقافت سے موالات رکھنے والے مغرب زدہ حضرات پر مشتمل ہے اس کا اتباع کیا اور اور یہ ظاہر ہے کہ یورپی ثقافت سے مراد کسی حال میں بھی علم حضارت نہیں ہے۔ بلاد اسلامیہ میں اس یورپی عمل کا ایک وقفہ اور ایک دور گزر جانے کے بعد گب یہ سوال کرتا ہے کہ کس حد تک عالم اسلامی یورپی ہوا؟ اور پھر عالم اسلامی ملک بہ ملک اور شہر بہ شہر یورپی ثقافت کے اثر و نفوذ کا نقشہ پیش کرنے کے بعد خود ہی جواب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ 'ترکی یورپی ملک میں ڈھل گیا کس قدر دشوار تھا یہ انقلاب! مگر یہ احسان ہے عربی رسم الخط کی تبدیلی کا لیکن جزیرہ نمائے عرب میں یورپی اثر و نفوذ اس قابل نہیں ہوا کہ اپنے قدم جما سکے شمالی افریقہ میں تغریب (یورپ زدگی) کی تحریک شروع ہو گئی ہے اور وہ اس راہ پر چل پڑا ہے اگر چہ اس کا اثر تونس میں زیادہ نمایاں ہے مصر میں اس کی رفتار (تطور تحویل) دھیمی ہے مگر پر سکون و ملامت

وعار کی شدت وقساوت سے دور لیکن اس کے قدم واضح طور سے اس راہ پر آگے بڑھ رہے ہیں عراق اور سوریہ (شام) دونوں مصر کے نقشِ قدم پر ہیں ایران بھی ترکی کے قدم بہ قدم جارہاہے اگرچہ اس کی رفتار نسبتاً معتدل اور درمیانہ ہے افغانستان بھی کنگ امان اللہ خان کے اس تجربے کے بعد جس میں انہوں نے اپنا تخت کھو دیا اس راہ پر لوٹ آیا ہے مؤلف اسی انداز سے اس اتباع واقتدار کا حال بیان کرتا چلاجاتا ہے جو یورپی ثقافت کے زیر اثر مسلمانوں پر ہوا ہے روس میں بھی ہندوستان میں بھی انڈونیشیا میں بھی اور افریقہ میں بھی اور خلاصۂ کلام کے طور پر یہ کہتاہے کہ تطور وتحول کی کامیابی بڑی حد تک موقوف ہے ان قائدین پر اور زعماء پر جو عالم اسلام میں ہیں اور خاص کر ان کے نوجوانوں پر اس کے بعد مؤلف اپنے کلام کو اس نتیجے پر پہنچاتاہے کہ اور یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں صورتِ حال کی رفتار کے پیش نظر کہ عالم اسلامی ایک مختصر وقفے کے دوران عنقریب اپنے تمام مظاہر حیات میں لادینی ہوجائے گا بشرطیکہ ان امور پر اچانک ایسے عوامل اثر انداز نہ ہوجائیں جو نازک تر تدابیر کے حساب میں نہیں ہیں اور وہ اس سیل رواں کا رُخ بدل دیں۔ (جریدہ ۳۴ صفحہ ۲۳۴،۲۳۳)

پروفیسر انوار الجندی لکھتے ہیں، آپ کو مغرب کے رنگ میں رنگنے اور اپنی روش پر چلانے کیلئے استعمار کی قوتوں نے ان کے مال وثروت اور تجارت کے ماہرین وغیرہ نے جو نقشہ بنایا ہے اور یورپی نفوذ جس انداز سے آپ کے اندر ہوا ہے اس پر ایک نظر ڈالئے تو اس کی تصدیق ہوجائے گی۔ مستشرقین کے جو اسباق تعلیم گاہوں میں ہیں صحافت کے اداروں میں اور ثقافت کی تالیفات میں پھیلا رہے ہیں ان کا ہدف ہے کہ ایسی عقل عامہ پیدا کی جائے جو حیاتِ اسلامیہ کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے دین سے متنفر ہوجائے اور ان تمام عناصر سے بدکنے لگے جو اسلامی ثقافت کے ترجمان ہیں اور اس کا رخ متعین کرنے میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ (جریدہ ۳۴ صفحہ ۳۳۰)

مزید آگے لکھتے ہیں، مستشرقین کی تحریک کا ہدف بالکل واضح تھا اور جیسا کہ خود ارباب استشراق نے بتایا ہے اور جس کا خلاصہ خود ان کے اس بیان قاطع میں موجود ہے کہ 'علم کو سیاست واستعمار کی ضرورت گزاری پر رکھا گیا ہے' اور اس کے دور رس مقاصد میں اہم ترین یہ ہیں کہ

- ❖ اسلام کی شخصیت وانفرادیت کو تحلیل کیا جائے اس کی خصوصیت ذاتی اور انفرادی مزاج کا خاتمہ کرکے اس پر غلبہ حاصل کیا جائے۔
- ❖ عصر حاضر کے مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے کاٹا جائے اور ایسی تدبیریں کی جائیں کہ ان کا تعلق ماضی بعید کی بت پرستانہ تہذیب سے جوڑ دیا جائے۔

❖ تنقیص، تحقیر اور تلبیس کی فضاء پیدا کرنے کی نیت سے شکوک وشبہات پھیلائے جائیں اور کم سے کم میراثِ اسلامی کی توہین کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

❖ استشراق ہی وہ کارخانہ ہے جو عیسائی مشنریوں اور سیکولر مدارس کو طرح طرح کا زہر مہیا کر تا رہا ہے کہ وہ اپنے ان مناآج وطرز تعلیم اور نصاب تدریس میں ان کو داخل کریں جو مدارس وطنیہ میں منتقل کئے جائیں۔

❖ اس کارروائی کا مقصد یہ ہے کہ عالم اسلام کی وحدت فکر کو پارہ پارہ کیا جائے کبھی اس کو عربی اسلام، فارسی اسلام اور ترکہ اسلام وغیرہ کے نام سے منقسم کیا جاتا ہے اور مختلف ٹکڑوں میں بانٹا جاتا ہے اور کبھی قومیت ونسلیت کے تصورات پیش کئے جائیں اور ان کی آواز بلند کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ (ایضاً)

مغرب میں نفرت کی پرورش

اسلام کے خلاف مغرب میں نفرت کی پرورش ہر جگہ ہر مقام پر ہوتی رہی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے۔

قبیلہ آدم کے درمیان نفرتوں کو کون پروان چڑھا رہا ہے؟

قابیل کی تقلید میں نفرتوں کا بیوپار کون کر رہا ہے؟

عداوتِ اسلام کی آتش میں کون جل رہا ہے؟

نفرتوں کی پرورش کس نے اور کیوں کی؟

شیخ محمد اسمعیل پانی پتی عبرت نامہ اندلس کے مقدمے میں لکھتے ہیں:۔

آخر اس تعصب کا باعث کیا ہے؟ اور کیوں یورپین مصنفین اور مستشرقین کو مسلمانوں سے اس درجہ عناد اور بغض ہے؟ اس دشمنی کا سبب جہاں تک میں نے غور کیا ہے پادری ہیں جنھوں نے شروع سے لے کر ہر زمانہ میں اور بالخصوص صلیبی لڑائیوں کے دوران میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وحقارت پھیلانے میں کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور صدیوں اس ناپاک پراپیگنڈہ میں مصروف رہے یہاں تک کہ ہر عیسائی بچے، جوان اور بوڑھے کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اسلام وحشیوں کا مذہب ہے اور مسلمان لٹیرے، قزاق، عیاش اور عیش پسند ہوتے ہیں اور یہ بات اس قدر شدت کیساتھ انکے ذہن نشین کی گئی کہ گویا ان کا ایک مذہبی اعتقاد بن گئی ماؤں نے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو یہی تعلیم دی جب وہ بڑے ہوئے تو انہیں کتابوں میں یہی پڑھایا گیا اور جب پڑھ لکھ کر مورخ اور مصنف بنے تو پھر اسی بغض وعناد اور دشمنی وتعصب کو انہوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ ملک میں پھیلانا شروع کیا جس کی تعلیم

انہیں بچپن سے دی گئی تھی اسلامی تاریخ وتمدن پر تمام یورپین اعتراضات کی جڑ یہی تعصب ہے جو ان کی گھٹی میں ملادیا گیا ہے۔ (عبرت نامہ اندلس صفحہ ۴۴)

سابق رکن امریکی کانگریس Poul Findley اپنی کتاب Silent No More میں لکھتے ہیں:۔

False stereotypes can hide the truth from people of any age.At the age of six, my introduction to Islam got off to a bad start, whill attending presbyterian Sunday school in Jacksonville,Illinois I was misled about Muslims and their religion and I harbored the misinformation untill middle age.

Our teacher a kindly volunteer who served faithfully for years told us that uneducated primitive, violent people lived in desert areas of the holy land and worshiped a 'strange GOD' in one of my earlist childhood re collections, I remember that she called them Muhammadans and kept repeating, 'they aren't like us' As she talked, we played in a large sandbox, moving into diffrent positions miniature likenesses of plam tress, camles, tent and nomadic people.

Her comments stuck in my memory. For most of my life I held a vision of muhammadans as alien, ignorant, threatning people. Like many Americans today, my teacher innocently repeated misinformation she had acquired from other poorly informed people. She recited to our class what she belived to be the truth in cluding the misnomer muhammadans'. I do not believe she intended to instill misinformation or defame Islam. She simply lacked the facts.

Silent No More: Confronting America's False Images of Islam by Paul Findley printed by Amna publications Maryland U.S.A 2003

جھوٹے یک رخے تصورات ہر عمر کے لوگوں سے سچائی چھپالیتے ہیں۔ چھ برس کی عمر میں میرا اسلام سے تعارف ایک برا آغاز تھا۔ جیکسن وائل الی نائے میں پریسبائٹیرین سنڈے سکول میں مجھے مسلمانوں اور ان کے مذہب کے بارے میں گمراہ کیا گیا اور میں ادھیڑ عمری تک غلط معلومات کا حامل رہا۔

ہماری استانی نے جو کہ رضا کارانہ طور پر برسوں خدمات انجام دیتی رہیں ہمیں بتایا کہ غیر تعلیم یافتہ 'غیر تہذیب یافتہ' تشدد پسند لوگ 'ارض مقدس' کے صحرائی علاقوں میں رہتے اور ایک 'اجنبی خدا' کی عبادت کرتے ہیں۔ میں بچپن کی یادیں تازہ کرتا ہوں تو ایک بات یاد آتی ہے کہ وہ انہیں محمڈنز (Muhammadans) کہتی تھیں اور بار بار کہا کرتی تھیں کہ وہ 'ہمارے جیسے نہیں ہیں'۔

ان کے تبصرے میرے ذہن سے چپک کررہ گئے۔ مَیں اپنی بیشتر زندگی محمڈنز کو اجنبی، جاہل اور خطرناک لوگ تصور کرتا رہا آج کے بہت سے امریکیوں کی طرح میری استانی بھی غلط معلومات رکھنے والے دوسرے لوگوں سے سن کر وہی غلط معلومات معصومیت کے ساتھ دہرادیتیں۔ وہ جس بات کو سچ سمجھتی تھیں اسی کو ہماری جماعت کے سامنے بیان کردیتیں بشمول غلط نام ’محمڈنز‘ کے۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ انکی نیت اسلام کو بدنام کرنے یا غلط معلومات پھیلانے کی ہو بات صرف اتنی سی تھی کہ انہیں حقائق کا علم ہی نہیں تھا۔ (امریکہ کی اسلام دشمنی ازپال فنڈلے مترجم محمد احسن صفحہ ۲۸۔ مطبوعہ نگارشات لاہور ۲۰۰۸)

پال فنڈلے کا یہ اقتباس پوری ملت صلیب کے حقائق کو آشکارا کررہا ہے یہی وہ محرک ہے جس نے اہل مغرب کے اذہان کو خواہ مخواہ عداوت اسلام کی آتش سے بھردیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام صرف مغرب ومشرق کا نہیں بلکہ یہ تو تمام بنی نوع انسان کیلئے ہے اس کی تعلیمات اس کے افکار اس کے نظریات اس کے عقائد اس کے احکام میں اقوام عالم کیلئے خیر اور بھلائی ہی پوشیدہ ہے۔

کیرن آرمسٹرانگ نے بھی ایک ایسے ہی معاشرے میں پرورش پائی جہاں ان کے ذہن میں منفی اثرات جمع ہوگئے اور پھر انہوں نے طویل عرصہ خاص مذہبی زمانے میں گزارا یعنی بحیثیت راہبہ بھی ان کی زندگی کے کئی سال چرچ میں گزرے اور اس عرصہ میں اسلام سے متعلق نہ جانے کتنی منفی تعلیم اور پروپیگنڈہ نے ان کے لاشعور میں جگہ بنالی اور پھر وہ وہی کہنے لگیں جو وہاں کا خاص ماحول ہے۔ عداوتِ اسلام کا بیج تو ان کے سینے میں پادری صاحبان نے پہلے ہی راسخ کردیا تھا نتیجۃً انہوں نے بھی منٹگمری واٹ، جارج سیل کی طرح طرز عمل اپالیا۔

عزیزانِ گرامی! حسب معمول اردو بازار میں کتابوں کی خریداری کرتے ہوئے کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب Muhammad A Biography of the Prophet کے اُردو ترجمے ’پیغمبر اسلام کی سوانح حیات‘ پر پڑی۔ گو کہ کتاب کہ اسلوب Muhammad Prophet For Our Time (جس کا جواب ہم ’استشراقی فریب‘ کے نام سے دے چکے ہیں) سے کافی دھیما لیکن انتہاہی مہلک تھا۔

کیرن صاحبہ نے اس کتاب میں سلمان رشدی کی خاموش حمایت کی ناموس رسالت کے عقیدے پر اپنی عقل ناقص سے تخیلات کو بھی جنم دیا۔ سب سے زیادہ مہلک حملہ انہوں نے قاری کی نفسیات پر یہ کیا کہ کتاب کے پہلے باب کا نام Muhammad The Enemy رکھا۔

اور اُس میں اسلام دشمن مستشرقین کے نظریات ان کے مکروفریب کے بخئیے ادھیڑ دیئے مگر اپنی اس کتاب اور دوسری کتاب Muhammad Prophet for our Time میں وہی طرز عمل اپنایا جوان اسلام دشمن مستشرقین کا تھا ہم نے اس کتاب کے پہلے باب میں ان کے اسی رخ کو دلائل سے مزین کیا ہے۔

کتاب کے دوسرے باب میں عقیدہ ناموس رسالت کے بارے میں دلائل قرآن کریم کے علاوہ بائبل سے بھی ہم نے دلائل پیش کئے ہیں کہ توہین انبیائؑ کی سزا 'قتل' بائبل میں بھی موجود ہے۔ ایک الزام قرآن پر یہ بھی عائد کیا گیا کہ قرآن کی تعلیمات قصص، بائبل سے ماخوذ ہیں ہم نے خوفِ طوالت کے سبب صرف دواحکام طلاق اور زکوٰۃ پر سیر حاصل بحث کی اور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ قرآن اور بائبل کے احکامات میں کس کتاب کا اسلوب بنی نوع انسان کیلئے بہتر ہے۔

اور کتاب کے آخری باب میں ہم نے جہاد کے حوالے سے بالخصوص بنو قریظہ کے مسئلہ پر بھی استدلات قائم کئے قرآن اور بائبل میں جہاد کا قابلی جائزہ بھی پیش کیا اور بنو قریظہ کے انجام پر بھی توریت کی روشنی میں روشنی ڈالی۔ اور اس کتاب میں ہم نے کیرن صاحبہ کی طرح تخیلات کی فضا میں پرواز نہیں کی بلکہ دلائل کے میدان میں حقیقتِ حال رقم کی ہے۔

اس کتاب کے اعتراضات اور کیرن صاحبہ کی دوسری کتاب Time Muhammad Prophet For Our میں اعتراضات تقریباً یکساں ہی تھے لہذا ہم نے جب اعتراضات کا جواب اپنی کتاب 'استشراقی فریب' میں دے دیا تھا ان کو دوبارہ یہاں نقل نہیں کیا ہے ان اعتراضات کے جوابات کیلئے ہماری کتاب استشراقی فرب کا مطالعہ کیجئے۔

آخر میں۔۔۔ مَیں اُن تمام احباب کا مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب میں ہمارے ساتھ تعاون کیا بلخصوص ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب، ڈائریکٹر شیخ زیر اسلامک سینٹر جامعہ کراچی، پروفیسر دلاور صاحب پرنسپل گورنمنٹ جامعہ ملیہ ایلیمنٹری کالج کا جنہوں نے نہایت شفقت فرماتے ہوئے اپنی قیمتی تقاریظ بھی رقم فرمائی۔

اور میں انتہائی ممنون ہوں زبیر قادری صاحب (مدیر سہ ماہی افکار رضا ممبئی انڈیا) کا بھی جنہوں نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور اس ضمن میں اپنے دیگر مشوروں سے بھی نوازا۔

اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جنہوں نے کتاب کی اشاعت میں، تحریک میں تعاون فرمایا بہترین جزاعطا فرمائے اور اس کتاب میں جہاں کہیں بھی مجھ سے کوئی خطا، لغزش ہوگئی ہو اُسے معاف فرمائے اور کتاب کو اُمت مسلمہ کیلئے باعثِ خیروبرکت بنائے۔ آمین

عصبیت کے دیوتاؤں کی صفوں میں ابتدائے اسلام ہی سے کھلبلی مچی ہوئی تھی۔۔۔ بغض و حسد کے مندروں میں تعصب کے بتوں پر عقل و دانش کا بلیدان ہر عہد میں جاری و ساری رہا۔۔۔

اور اُن بتوں کے پجاریوں نے مکر و فریب کی تلواروں سے، عقیدت و محبت، پیار و اُلفت کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ انہوں نے عقل کے کارخانوں میں شکوک و شبہات کے دھوئیں کو جنم دیا۔۔۔ ذہن کے میدانوں میں بدگمان تخیلات کی دھول اُڑائی۔۔۔ اور بنی نوع انسان کی نئی نسل کے اذہان کو جھوٹ اور عیاری کی گرد سے اَٹانے کی کوششیں کرنے لگے۔

احبابِ من! عصبیت کے یہ دیوتا اور اُن کے پجاری عہدِ جدید میں مستشرقین ہی کا دوسرا نام ہے۔ انہوں نے برسوں بنی نوع انسان کو شکوک و شبہات کے کھنڈرات میں بھٹکنے کیلئے چھوڑ دیا۔۔۔ انہوں نے بدگمان تخیلات کو جنم دیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر وہ رکیک حملے کئے جو ایک بُرے سے بُرے آدمی کے متعلق بھی کوئی شریف آدمی اپنی زبان پر نہیں لاسکتا۔ انہوں نے بہتانات و الزامات کو تحقیق کے کور میں لپیٹ کر پیش کیا، اُن بدگمان تخیلات کی خوب تشہیر کی اور استعمار نے ان عصبیت زدہ پنڈتوں کو علم و فکر کا امام بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا اور پھر اس کے نتائج اُن کے من پسند ہی بر آمد ہوئے۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں اسلام کا وہی تصور اذہان میں اُبھرنے لگا جو مستشرقین چاہتے تھے۔

لیکن زمانے کے ساتھ بدلتی ہواؤں نے عقل و خرد پر جمی ہوئی برسوں کی گرد صاف کرنا شروع کر دی، نئی نسل توہمات اور فرضی افسانوں کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگی۔ گلوبل ولیج کے زمانے میں جب ذہنی بیداری کا سلسلہ شروع ہوا تو عصبیت کے یہ پنڈت اور بغض و حسد کے ان پجاریوں نے فوراََ ہی یہ خطرہ محسوس کر لیا کہ عن قریب ان کے علمی و فکری مندروں میں اُن کے آباؤ اجداد کے بنائے ہوئے مکر و فریب کے افسانوی بت زمین بوس ہو جائیں گے اور بہت جلد دنیا پر منکشف ہو جائیگا کہ ان کے آباؤ اجداد اسلام کے خلاف زہریلا و بے بنیاد پروپیگنڈہ محض عصبیت کی بنیاد پر کرتے رہے تھے۔

اور اس صورت حال میں تحریکِ استشراق کا اصلی اور مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے آجائے گا اور استشراق کی تحریک کو اور مستشرقین کے علمی وقار کو دھچکا لگے گا۔ جب دبستان کھلے گا تو لوگ خواہ امریکہ کے ہوں یا یورپ کے۔۔۔ عرب کے ہوں یا ہندستان کے۔۔۔ کسی مذہب، کسی قبیلے، کسی خاندان، کسی بھی سماج سے تعلق رکھتے ہوں یہ جان لیں گے کہ اسلام ہی دینِ فطرت ہے اور اسلام ہی کے پاس اُن کے معاشی، سیاسی، سماجی مسائل کا حل ہے کیونکہ سابقہ آسمانی کتب تحریفات کے سبب اپنے اندر دوام نہیں رکھتیں تو لوگ جوق در جوق اسلام کی جانب بڑھنے لگیں گے۔ اس متوقع خطرے کے

پیشِ نظر انہوں نے اپنی خود ساختہ علمی ساخت بچانے کیلئے اور اسلام دشمن اس تحریک کو زندہ رکھنے کیلئے اپنے اسلاف کے مردہ افکار کی بَلّی دے دی اور انہوں نے کھل کر اپنے پیش رؤوں کے فکری تخیلات و نظریات کی تردید کی۔ انہوں نے اسلام کے خلاف اپنے آباواجداد کے الزامات و بہتانات کو بے بنیاد قرار دیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا طرزِ تحریر، طرزِ سخن تبدیل کر ڈالا۔ یہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے گن گاتے، اُن کی عظمتوں کا اعتراف کرتے اور پھر جلد ہی ایک ایسا ہولناک وار اسلام کی جڑوں پر کرتے کہ گزشتہ بیان کردہ خوبیاں اور اسلام کے اوصاف بھی ختم ہو جاتے اور اس طرح جذبۂ عداوتِ اسلام کی بھی تسکین ہو جاتی ہے اور من پسند انصاف پسندی کا شملہ بھی اونچا رہتا ہے۔

عام مسلمان اس طرح کی تحریروں کو پڑھ کر ان کی انصاف پسندی کے قائل ہو جاتے ہیں اور اس خوشنما علمی و فکری زہر کو خوشی خوشی اپنے قلب و جگر میں انڈیل لیتے ہیں اور ایمان و یقین کی موت کا سامان کر ڈالتے ہیں۔

اپنے آباواجداد کے کارناموں کی مذمت کے پیچھے استشراق کے مقاصد پوشیدہ ہیں جیسا کہ ہم اسی باب کے آخر میں کیرن آرمسٹرانگ کا حقیقی چہرہ دکھائیں گے۔ کیرن صاحبہ نے بھی دیگر مستشرقین کی طرح اسی اسلوب کو اپنایا اور اپنے اسلاف کی اسلام دشمنی کو عیاں کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

مغربی اسکالروں نے اسلام کے خلاف الزام تراشیاں کرتے ہوئے اسے ایک الحاد پرست دین اور اس کے پیغمبر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ...... مترجم) ایک جھوٹا نبی کہنا شروع کر دیا جنہوں نے دنیا کو فتح کرنے کیلئے تلوار کے پُر تشدد دین کی بنیاد رکھی تھی۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یورپ کے باشندوں کیلئے ہوّا بن گئے اور مائیں اپنے نافرمان بچوں کو ڈرانے کیلئے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نام استعمال کرنے لگیں۔ **Mummer** کے ڈراموں میں آپ کو مغربی تہذیب کے دشمن کے طور پر پیش کیا گیا جنہوں نے ہمارے بہادر سینٹ جارج کے خلاف جنگ لڑی تھی۔

(پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، از کیرن آرم اسٹرانگ، مترجم نعیم اللہ ملک صفحہ ۲۹۔ مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۹ء)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

TO explain Muhammad's success, the legends claimed that he had been a magician who had concocted false 'miracles' to take in the credulous Arabs and destroy the church in Africa and the Middle East. One tale spoke of a white bull had terrorized the population and which finally appeared with the Qu'ran, the scripture which Muhammad had to the Arab, floating miraculously between its horns. Muhammad was also said to have trained a dove to peck peas from his ears so that it looked as thought the Holy Spirit were whispering into them. His mystical experiences were explained away by the claim that he was an epileptic ,which at that time was tantamount to saying that he was possessed by demons. His sexual life was dwelt on in prurient detail: he was credited with every perversion known to men and was said to have attracted people into his religion by encouraging them to indulge their basest instincts. There was nothing genuine in Muhammad's claims: he had been a cold-blooded impostor who had taken in nearly all his own people. Those of his followers who had seen through his preposterous ideas had kept quiet because of their own base ambition. The one way that western Christians could explain Muhammad's compelling and successful religious vision was to deny its independent inspiration: Islam was a breakaway form of Christians, the heresy of all heresies. It was said that one Sergius, an heretical monk, had been rightly force to flee Christen dom and had met Muhammad Arabia, where he had coached him in his distorted version of Christianity .Without the sword, 'Muhammadanism' would never have flourished: Muslims we still forbidden discussing religion freely in the Islamic empire. But Muhammad had come to a fitting end: during one of his demonic convulsions he had been torn apart by herd of pigs.

Some details of this fantasy reflect Christian anxieties about their own emergent identity. (Muhammad A Biography of the Prophet by Karen Armstrong Page:26/27 Published in 2001 by Phoenix press London)

نبی کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نصرت اور کامیابی کا تذکرہ کرتے وقت روایتی افسانوں میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ آپ ایک جادوگر تھے جنہوں نے بھولے بھالے خوش اعتقاد عربوں کو دھوکا دینے اور افریقا اور مشرقِ وسطیٰ میں کلیسا کو تباہ کرنے کیلئے جھوٹے 'معجزے' اور فرضی کہانیاں گڑھی تھیں۔ ایک کہانی میں ایک سفید بیل کا ذکر کیا گیا ہے جس نے لوگوں میں خوف اور دہشت پھیلادی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن، جو حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عربوں کیلئے لائے تھے، اس کے دونوں سینگوں کے درمیان معجزانہ طور پر تیر تا تھا۔ نیز آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ایک فاختہ کو سدھایا ہوا تھا جو آپ کے کانوں میں ٹھونگیں مار کر مٹر کے دانے کھاتی تھی۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ روحِ مقدس آپ کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی ہے۔ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے روحانی مشاہدات کی تشریح کرتے وقت

یہ دعویٰ کیا گیا کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مرگی کے مرض میں بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے اور آسیب زدہ ہونے کے باعث جنوں اور بھوتوں کا آپ پر غلبہ ہو جاتا تھا۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی من گھڑت قصے بیان کئے گئے اور اس سلسلے میں گمراہ کن الزامات لگائے گئے۔ یہ الزام بھی لگایا گیا کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے سفلی جبلتوں کی حوصلہ افزائی کر کے لوگوں کو اپنے دین میں داخل ہونے کی ترغیب دی تھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دعووں میں کوئی صداقت نہیں تھی۔ وہ ایک سنگ دل بہروپیے تھے جنہوں نے اپنے لوگوں کو دھوکا دیا تھا۔ جو پیروکار آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ابتدائی خیالات سے آگاہ تھے، وہ محض اپنے مذموم عزائم کی وجہ سے خاموش رہے۔ مغرب کے عیسائی حضور کی کامیابی مذہبی بصیرت اور وجدان کا اعتراف کرنے کے بجائے اسلام کی خود مختار الہامی حیثیت سے انکار کرتے رہے۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ اسلام، عیسائیت ہی کی مسخ شدہ صورت اور سب سے بڑا کفر اور بدعت ہے۔ کہا گیا کہ سر جیس (Sergius) نامی بدعتی راہب نے جسے مسیحی دنیا سے جبراً نکال دیا گیا تھا عرب میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے ملاقات کر کے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو عیسائیت کی تعلیم دی تھی۔ نیز یہ کہ تلوار کے بغیر اسلام کبھی پھل پھول نہیں سکتا۔ یہ الزام بھی لگایا گیا کہ اسلامی سلطنت میں مسلمانوں کو اپنے دین اسلام پر تبادلۂ خیال کی ممانعت کی گئی ہے اور یہ کہ جن کی وجہ سے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر کپکپی طاری ہو گئی تھی اور سوّروں کے ایک غول نے آپ کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔

فرضی قیاس آرائیوں اور قوتِ واہمہ کی بنیاد پر بنائے جانے والے اس خیالی پیکر کی بعض تصریحات سے عیسائیت کی خود اپنے تشخص کے بارے میں اس کے داخلی اضطراب اور گہری تشویش کی غمازی ہوتی ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ ۴۲ مترجم نعیم اللہ ملک۔ مطبوعہ ابوذر پبلی کیشنز لاہور)

آگے یورپ کے خوف کو یوں آشکارا کرتی ہیں:۔

The period of the Crusades When the fictional Mahound was established, also a time of great strain and in Europe. This is graphically expressed in the phobia about Islam. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page. 27)

صلیبی جنگوں کا دور، جب حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بارے میں فرضی داستانیں گڑھی گئیں یورپ کیلئے سخت تناؤ اور منفی ردّعمل کا زمانہ تھا جس کا اندازہ اسلام کے متعلق یورپ میں پائے جانے والے خوف، خدشات اور ہیجان سے لگایا جاسکتا ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۴۴)

دانتے کے حوالے سے لکھتی ہیں:۔

Dante still cannot allow Muhammad an independent religious vision. He is a mere schismatic, who had broken away from the parent faith. The scatological imagery reveals the disgust that Islam inspired in the Christian breast, but it also depicts the split in the western ,psyche, which sees 'Islam' as an image of everything in itself which it cannot digest. The fear and hatred, which is a complete denial of the loving message of Jesus, also represent a deep wound in the integrity of Western Christianity. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 29)

دانتے اب بھی حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ایک آزاد اور خود مختار دین کا بانی نہیں سمجھتا تھا اور آپ کو محض ایک تفرقہ باز اور اپنے آبائی مذہب سے منحرف ہونے والی شخصیت قرار دیتا ہے۔ یہ تصوراتی نقوش اسلام کے متعلق اس نفرت اور تعصب کے آئینہ دار ہیں جو عیسائیت کے سینے میں پرورش پا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مغربی نفسیات میں موجود ان اختلافات کی بھی عکاسی ہوتی ہے جن کی رو سے اسلام کو ہر اُس چیز کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے جسے مغرب ہضم نہیں کر سکتا۔ اسلام کا خوف اور اس سے نفرت یسوع کے پیغام محبت سے مکمل انحراف کے مترادف ہے اور اس سے مغربی عیسائیت کی دیانت اور راست بازی میں موجود ایک گہرے ناسور کا پتہ چلتا ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۴۶)

محبت یا انتقام کی آگ عیسائی سینوں میں کس طرح جلتی رہی، لکھتی ہیں:۔

Peter had written his own treatise, which addressed the Muslim world gently and with affection: I approach you, as men often do with arms but with words; not with force but with reason, not in hatred but in love __ I love you ,loving you, I write to you, writing to you I invite you to salvation.' but the title of this treatise was summary of the Whole Heresy of the Diabolic sect of the Saracen. Few real Muslim, even if they were able to read the Abbot of Cluny's Latin text, find such an approach Sympathetic. Even the kindly Abbot ,who demonstrated his opposition to the fanaticism of his time on other occasion ,showed sings of the schizophrenic mentality of Europe vis-224-vis Islam. When King Louis VII of France led the second Crusade to the Middle East in 1147, peter wrote to him saying that he hoped he would kill as many Muslims as Moses) sic) and Joshua had killed Amorites and Canaanites. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 30/31)

پیٹر Peter نے ایک رسالہ لکھا جس میں محبت اور نرمی کے ساتھ عالم اسلام سے اس طرح خطاب کیا گیا: 'میں دوسرے لوگوں کے برعکس ہتھیاروں کے ذریعے نہیں، الفاظ کی وساطت سے اور طاقت کے بجائے منطق اور استدلال سے، نفرت کے بجائے محبت سے تمہارے قریب آتا ہوں.... میں تم سے پیار کرتا ہوں اور محبت آمیز جذبات کے ساتھ تمہیں اس خط کے ذریعے کفارۂ مسیح کے عقیدے کی طرف دعوت دیتا ہوں'۔

اس رسالے کا عنوان تھا Summary of the Whole Heresy of the Diabolic of the Saracens جو مسلمان لاطینی زبان میں لکھے گئے اس رسالے کے متن کو پڑھ سکتے تھے، ان میں سے صرف چند لوگ ہی اس ہمدردانہ نقطۂ نظر سے متاثر ہوئے۔ لیکن اس ہمدرد راہب نے بھی جس نے کئی موقعوں پر اپنے عہد میں پائے جانے والے مذہبی جنون کی مخالفت کی تھی، اسلام کے متعلق یورپ کی متعصبانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا اور جب فرانس کے بادشاہ لوئیس ہفتم نے مشرق وسطیٰ میں ۱۱۴۷ء میں دوسری صلیبی جنگ کی قیادت کی تو اسی پیٹر نے بادشاہ کے نام ایک خط میں یہ اُمید ظاہر کی کہ وہ اتنے ہی مسلمانوں کو تہ تیغ کرے گا جس قدر حموراہیوں اور کنعانیوں کو موسیٰ اور یوشع نے قتل کیا تھا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۴۹-۴۸)

سابقہ مستشرقین کی عیاری و مکاری کے نقاب الٹتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

At the end of the thirteenth century, the Dominican scholar Riccoldo da Mont Croce traveled in Muslim countries was impressed by the quality of the piety he saw: Muslims put Christian to shame, he wrote. But when he returned home to write the Disputatio contra saracenos ET Alchoranum, he simply repeated the old myths. (Muhammad A Biography of the Prophet, Page 32)

تیرہویں صدی کے آخر میں ڈومی نیکن اسکالر Riccoldo da Monte Croce نے اسلامی ملکوں کی سیاحت کی تو وہ مسلمانوں کے تقوے اور پرہیز گاری کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے لکھا کہ مسلمانوں کا تقدس اور پاکیزگی عیسائیوں کیلئے باعثِ شرم ہے لیکن جب اس نے وطن واپس آکر Disputatio Contra Saracenos et Alchoranum کے نام سے کتاب لکھی تو اس میں اسلام کے متعلق انہی فرضی قصوں کو دہرا دیا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۵۰)

مزید آگے مستشرقین کے طریقۂ کار، انتقامی جذبے اور علمی خدمات کے بارے میں بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

Islam to the threshold of Europe, john of Segovia pointed out that a new way of coping with the Islamic menace had to be found. It would never be defeated by war or conventional missionary activity. He began work on a new translation of the Qu'ran, collaborating with a Muslim jurist from Salamanca. He also proposed the idea of an international conference, at which there could be an informed exchange of views between Muslims and Christians. John died in 1458, before either of his projects had been brought to fruition, but his friend Nicholas of Cusa had been enthusiastic about this new approach. In 1460 he written the cribratio Alchoran (This Sieve of the Qu'ran), which was not conducted on the usual polemical lines but attempted the systematic literary, historical and philological examination of the text that John of Segovia had considered essential. During the Renaissance, Arabic studies were and this cosmopolitan and encyclopedic approach led some scholars to a more realistic assessment of the Muslim world and to an abandonment of cruder Crusading attitudes. But as in the Middle Ages, the growing appreciation of the facts was not enough to neutralise the old image of hatered, which had such a powerful hold on the Westen imagination.
(Muhammad a Biography of the Prophet by Karen Armstrong Page 35 Published in 2001 by Phoenix press London)

اسلام یورپ کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ جان آف سیگوویا نے اس جانب اشارہ کیا کہ اسلام کے خطرے سے نمٹنے کیلئے عیسائیوں کو ایک نیا طریقہ دریافت کرنا ہوگا کیونکہ جنگ یا روایتی مشنری سرگرمیوں سے اسلام کو کبھی شکست نہیں دی جاسکتی۔ چنانچہ اس نے سلامانکا **Salamanca** کے ایک مسلمان ماہر قانون کے ساتھ مل کر قرآن کریم کے نئے ترجمے کا کام شروع کردیا۔ اس نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تبادلۂ خیالات کیلئے ایک بین الاقوامی کانفرنس بلانے کی بھی تجویز پیش کی۔ لیکن ۱۴۵۸ء میں اس کا انتقال ہوگیا اور اس کا کوئی منصوبہ بارآور نہ ہوسکا البتہ اس کے دوست کیوسا کے نکولس نے اس نئے اندازِ فکر کے بارے میں جوش وخروش کا مظاہرہ کیا اس نے ۱۴۶۰ء میں **Cribation Alchoran** کا اجمالی جائزہ لکھی۔ یہ کتاب معمول کے مطابق مناظرانہ خطوط پر لکھی گئی لیکن اس کا اسلوب ادبی، تاریخی اور فلسفیانہ تھا اور اس میں قرآن حکیم کی ان آیات کا تجزیہ کیا گیا جنہیں جان آف سیگوویا اہم سمجھتا تھا۔ علوم وفنون کے احیا کے زمانے میں عربی زبان کے مطالعے کو فروغ حاصل ہوگیا اور اس آفاقی مذہب اور علوم وفنون کے متعلق جامع معلومات اکٹھی کرنے کے رجحان کی بدولت بعض اسکالروں نے عالم اسلام کے بارے میں زیادہ حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر اختیار کرکے صلیبی جنگوں کے خام رویے کو ترک کردیا۔ لیکن قرونِ وسطیٰ کی طرح حقائق کی قدر دانی کا

فروغ پذیر رجحان اس پرانی نفرت کے اثرات کو پوری طرح زائل نہیں کر سکا جو صدیوں پرانے مغربی تصور پر چھایا ہوا تھا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۵۴)

مغرب میں 'محمڈن' کے بارے میں لکھتی ہیں:۔

Even thought d' Herbelot was aware of the proper name of the religion, he continued to call it 'Mohammadan' because that was the name that 'we' use; similarly the Christian world could still see the prophet only in its own distorted way as an inferior version of 'us'. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 36)

اگر چہ D.Herbelot دینِ اسلام کے صحیح نام سے آگاہ تھا لیکن اس نے اسلام کیلئے محمڈن لکھا جس کی وجہ یہ ہے کہ 'ہم' اسلام کیلئے یہی نام استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح مسیحی دنیا پیغمبرِ اسلام کو ابھی تک اپنے مسخ شدہ انداز میں دیکھتی ہے اور 'ہمارا' یہ طرزِ عمل نہایت عامیانہ اور گھٹیا ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۵۵)

مستشرقین کے تعصب اور بلاوجہ حملوں کے بارے میں لکھتی ہیں:۔

But so entrenched was the old prejudice that many of these writers could not resist giving the prophet a gratuitous swipe occasionally, demonstrating that the traditional image was not dead. Thus Simon Ockley described Muhammad as 'a very subtle and crafty man, who put on the appearance only of those good qualities ,while the principles of his soul were ambition and lust.' George Sale agreed in the introduction to his translation that 'It is certainly one the most convincing proofs that mohammadanism was no other then a human invention, that it owes its progress and establishment almost entirely to the sword. (Muhammad A Biography of the Prophet, Page: 37)

لیکن یورپ میں حضور کے بارے میں تعصب کی جڑیں اس قدر مضبوط ہو چکی تھیں کہ ان میں سے بیشتر مصنف اس کی مزاحمت نہ کر سکے اور وہ خود بھی اکثر و بیشتر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ذات پر بلاوجہ حملے کرتے رہتے تھے جس سے اس بات کی غمازی ہوتی کہ پرانی روایات ابھی مردہ نہیں ہوئیں۔ چناچہ سائمن اوکلے Simon Okley نے نبی کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ایک چالاک اور عیار شخص قرار دے دیا جنھوں نے اچھے اوصاف کو ظاہر کیا لیکن اصل میں وہ جاہ و حشمت کے جویا نفس پرست انسان تھے۔

جارج سیل George Sale نے قرآن کریم کے ترجمے کے دیباچہ میں لکھا: 'یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ دین محض ایک انسانی اختراع ہے اور اس کی ترقی اور استحکام کا دارومدار صرف تلوار پر ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۵۶،۵۷)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

In 1741 in his drama Mahomet or fanaticism, Voltaire had been able to take advantage of the current prejudice to use Muhammad as an example of all the charlatans who have enslaved their people to religion by means of trickery and line: finding some of the old legends insufficiently scurrilous, he had blithely made some of his own. Even Gibbon had little time for Muhammad himself, arguing that he had lured the Arabs to follow him bait of loot and sex. As for the Muslim belief in the inspiration of the Qu'ran. Gibbon loftily declared it an impossible position for the truly civilized men. **(Muhammad A Biography of the Prophet, Page 37)**

وولٹیئر نے ۱۷۴۱ اعیسوی میں اپنے ڈرامے **Mahomet or Fanaticim** میں حضور کے بارے میں تعصب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نبی کریم کو نبوت کے ان جھوٹے مدعیوں کی مثال قرار دیا جنھوں نے مکرو فریب کی چالوں اور دروغ گوئی کے ذریعے اپنے لوگوں کو مذہب کا غلام بنالیا تھا۔ اس نے بعض پرانی روایات کو تو بدکلامی قرار دیا لیکن خود نہایت دیدہ دلیری سے کام لیتے ہوئے فحش گوئی کی۔ خود گبن **Gibbon** کا یہ حال تھا کہ اس نے حضرت محمد کیلئے زیادہ وقت نہ نکالا اور یہ استدلال پیش کیا کہ آپ نے عربوں کو لوٹ مار اور جنس کی ترغیب دے کر اپنا پیروکار بنالیا تھا جہاں تک قرآن حکیم کے وحی کے ذریعے نازل ہونے کے متعلق مسلمانوں کے عقیدے کا تعلق ہے گبن نے نہایت متکبرانہ انداز میں یہ اعلان کیا کہ کوئی بھی مہذب شخص قرآن کے بارے میں مسلمانوں کے اس عقیدے کو ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۵۷)

تبشیری، عیسائی مشنریز در حقیقت صلیبی جنگوں ہی کا تسلسل ہیں اور اس بات کا اعتراف کیرن کو بھی ہے، لکھتی ہیں:۔

Today the Muslim world associates Western imperialism and Christian missionary work with the Crusades. They are not wrong to do so. **(Muhammad Biography of the Prophet, Page: 40)**

آج عالم اسلام مغربی سامراجیت اور عیسائیوں کے مشنری کام کو صلیبی جنگوں سے منسلک کرتا ہے اور اس کا یہ موقف غلط نہیں ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۶۰)

حیرانگی، عجوبہ حیرت ہو جاتی ہے۔۔۔ شرم و حیا اس ڈھٹائی پر ماتم کناں نظر آتی ہے کہ تمام حقیقتوں کے پیش نظر پھر یہ ہٹ دھرمی پھر یہ تعصب!

کیرن آرمسٹرانگ کا حقیقی چہرہ

ہمارے یہاں سادہ لوگ اس طرح کی عبارتیں پڑھ کر ان شکاریوں کے فریب کا شکار ہو جاتے ہیں، اُن کی غیر جانب داری کے گُن گانے لگتے ہیں، اُن کی انصاف پسندی کی داد دینے لگتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کا چہرہ اس سے بھی زیادہ گھناؤنا ہوتا ہے جتنا ان کے پیش روؤں کا تھا۔

اس کی مثال کیرن صاحبہ ہی کی لے لیجیے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں مستشرقین کے پیش روؤں کی کتنی مذمت کی بلکہ اپنی کتاب میں اس باب کا نام ہی Muhammad The Enemy رکھا مگر خود کیا وہ اس اسلام دشمنی میں اُن سے پیچھے ہیں؟

نہیں بلکہ انہوں نے اس معرکہ میں اپنے پیش روؤں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ وہ نہ تو غیر جانب دار رہی ہیں اور نہ ہی انصاف پسند مستشرقہ جیسا کہ وہ اپنی کتاب کے ابتدا ہی میں لکھتی ہیں:۔

میں اسلام کے بے عیب ہونے کا دعویٰ نہیں کر رہی۔ تمام مذاہب انسانی ادارے ہیں اور ان میں سنگین غلطیوں کا ارتکاب ہوا ہے۔ بعض اوقات تمام مذاہب نے ناکافی اور گھناؤنے طریقوں سے اپنے نظریات کا پرچار کیا ہے۔

(پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۳۱)

قرآن کریم کے حوالے سے لکھتی ہیں:۔

It has no apparent structure, no sustained argument or organizing. (Muhammad a Prophet for our time by Karen Armstrong Page: 58 Print by Harper Press London, 2006)

قرآن کا کوئی بدیہی ڈھانچہ اور ترتیب نہیں۔ اس میں متواتر مدلل یا منظم انداز میں کسی موضوع پر بات نہیں کی گئی۔ (پیغمبر امن (اردو ٹائیٹل) از کیرن آرمسٹرانگ مترجم یاسر جواد صفحہ ۳۹۔ مطبوعہ نگارشات پبلشرز لاہور ۲۰۰۷ء)

اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن دشمنی نے انتا ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا کہ اپنی بات کی خود ہی تردید بھی کرتے ہیں۔

خود ہی اپنے قول کی نفی کرتے ہوئے آگے لکھتی ہیں:۔

They linked passages that initially seemed separates and integrated the different strands of the text, as one verse delicately qualified and supplemented others. (Muhammad Prophet for our time Page: 59)

بظاہر جدا جدا نظر آنے والی آیات آپس میں منسلک اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۳۹)

واقعہ غرانیق سے متعلق اپنی کتاب Muhammad Prophet for our Time میں لکھتی ہیں:۔

One day, Tabari continues, Muhammad was sitting beside the kabah with some of elders, reciting a new Surah, in which Allah tried to reassure his critics: Muhammad had not intended to cause all this trouble, the divine voice insisted; he was not deluded inspired by a jinni; he had experienced a true vision of the divine and of the divine and was simply telling his people what he had seen and heard. But then, to his surprise, Muhammad found himself chanting some verses about the three 'daughters of God': 'Have you, and then ever considered what you are worshipping in Al-lat and Al-uzza, as well as Manat, the third, the other?

Immediately the Quraysh sat up and listened intently. The loved goddesses who mediated with Allah on their behalf. 'These are the exalted gharaniq. 'Muhammad continued, 'whose intercession is approved.

Tabari claims that these words were put his lips by the shaytan ('tempter'). This is very alarming notion to Christian, who regard Satan as a figure of monstrous evil .The Quran is certainly familiar with the story of the fallen angel who defied God: it calls him Iblis (a contraction of the Greek diabolos: 'devil'). But the shaytan who inspired this gracious compliment to the goddesses was far less threatening creature. Shaytan were simply a species of jinni; they were' tempters' who suggested the empty, facile, and self-indulgent yearnings that deflected humans from the right path. Like all jinn, the shaytan were ubiquitous, mischievous, but not on a par with the devil. Muhammad had been longing for a peace with the Quraysh; he knew how devoted they were to goddesses and many have thought that if he could find a way of incorporating the gharaniq into his eligion, they might look more kindly on his message. When he recited the rogue, verses, it was his own desire talking-not Allah-and the endorsement of the goddesses proved to be a mistake. Like any other Arab, he naturally attributed his error to a shaytan.
(Muhammad Prophet For our time Page: 69, 70, 71)

ایک روز آنحضرت کعبہ کے قریب کچھ بزرگوں کے ساتھ بیٹھے ایک نئی سورۃ پڑھ رہے تھے جس میں اللہ نے آپ پر تنقید کرنے والوں کو یقین دہانی کروائی تھی۔ حضرت محمد کا ارادہ انتشار پیدا کرنے کا نہیں تھا۔ الوہی آواز نے اصرار کیا آپ خدانخواستہ کسی سودا میں مبتلا یا جن کے زیر اثر نہیں تھے۔ آپ نے الوہی ہستی کا ایک سچا تجربہ کیا تھا اور لوگوں کو اپنی دیکھی یا سنی ہوئی بات ہی بتا رہے تھے لیکن تب حیرت انگیز طور پر آپ کے منہ سے خدا کی تین بیٹیوں کے متعلق آیات جاری ہو گئیں۔ بھلا تم دیکھو تو لات و عزیٰ کو اور منات تیسرے پچھلے کو؟ قریش فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور غور سے سننے لگے وہ اپنے ایما پر اللہ کے آگے سفارش کرنے والی دیویوں سے محبت کرتے تھے۔ آنحضرت کی آواز دوبارہ آئی یہ رفیع الشان غرانیق ہیں جن کی ثالثی منظور شدہ ہے۔

طبری کہتا ہے کہ شیطان نے آپ کے منہ سے یہ الفاظ ادا کروائے۔ عیسائیوں کے ہاں یہ خیال بہت تشویش انگیز ہے جو شیطان کو مجسم شر مانتے ہیں۔ بلاشبہ قرآن تنزل یافتہ فرشتے کی کہانی سے واقف ہے جس نے خدا کی حکم عدولی کی اس فرشتے کو ابلیس کہا گیا (یونانی زبان کے diabolos یعنی devil / شیطان سے ماخوذ لفظ) لیکن دیویوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا کروانے والا شیطان عیسائیوں کے شیطان کی نسبت کہیں کم خطرناک تھا۔ شیطان محض جنات کی ہی ایک قسم تھے۔ وہ محض تحریص دلانے والے تھے جو انسانوں کو بہلا پھسلا کر درست راہ سے منحرف کر دیتے۔ جنات کی طرح شیطان بھی ہر جگہ موجود، بدخواہ اور خطرناک تھے لیکن عیسائیوں کے devil کے ہم سر نہیں۔ حضرت محمد قریش کے ساتھ اچھے تعلقات کے خواہاں تھے آپ کو معلوم تھا کہ وہ ان دیویوں سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے چنانچہ (مصنفہ کی رائے میں) آپ نے غرانیق کو بھی اپنے مذہب میں شامل کرنے کا سوچا ہو گا تاکہ قریش آپ کی بات کو غور سے سنا کریں۔ یہ آیات خدا کا کلام نہیں بلکہ آپ کی اپنی خواہش تھی۔ بہر حال دیویوں کی مدح سرائی ایک خطا ثابت ہوئی۔ آپ نے اور بہت سے عربوں نے بھی اس خطا کو شیطان کی کارستانی قرار دیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۴۸،۴۹)

مس کیرن تخیل کی بنیاد پر یہ جملہ کہتی ہیں کہ

'These are the exalted gharaniq'. Muhammad continued, 'whose intercession is approved. (Muhammad Prophet for our Time Page: 70)

آنحضرت کی آواز دوبارہ آئی۔ یہ رفیع الشان غرانیق ہیں جن کی ثالثی منظور شدہ ہے۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۴۸)

اور آگے اپنے تخیل کو یوں بیان کرتی ہیں:۔

Muhammad had been longing for a peace with the Quraysh; he knew how devoted they were to goddesses and many have thought that if he could find a way of incorporating the gharaniq into his religion, they might look more kindly on his message. (Muhammad Prophet for our Time Page: 70)

حضرت محمد قریش کے ساتھ اچھے تعلقات کے خواہ تھے آپ کو معلوم تھا کہ وہ ان دیویوں سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے غرانیق کو بھی اپنے مذہب میں شامل کرنے کا سوچا ہو گا تاکہ قریش آپ کی بات کو غور سے سنا کریں۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۴۹)

حالانکہ کیرن صاحبہ اپنی گزشتہ کتاب جس کا ہم تحقیقی جائزہ آپکی خدمت میں پیش کر رہے ہیں میں اس واقعہ کا رد کر چکی ہیں مگر اُس کتاب میں انہوں نے اس واقعہ کے وضعی اور غیر مستند ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

آخر کیوں؟

صرف اس لئے کہ پہلے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بناؤ پھر حملے کرو۔ واقعۂ غرانیق کارڈ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

In the West, some scholar have assumed that this refers to the now notorious incident of the so __ called 'satanic verses' when they say, Muhammad had made a temporary concession to polytheism. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 110)

مغرب میں بعض اسکالروں (مستشرقین) نے یہ مفروضہ قائم کرلیا ہے کہ ان قرآنی آیات میں، جن میں اب نام نہاد 'شیطانی آیات' کے قصے کا ذکر کیا گیا ہے، ان اسکالروں کے بقول حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے عارضی طور پر کئی خداؤں کو ماننے کی رعایت دے دی تھی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۱۵۴)

معلوم ہوا کہ عارضی طور پر خدا ماننے کا مفروضہ مستشرقین نے خود ہی گھڑلیا۔

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

We have to be clear here that many Muslims believe this story to be apocryphal. They point out that there is no clear reference to it in the Qu'ran that it is not mentioned by Ibn Ishaq in the earliest and most reliable account of Muhammad's life or in the great collection of tradition (ahadith) about Muhammad which was compiled in the ninth century by Bukhari and Muslim. Muslim does not reject tradition simply because they could be interpreted critically, but because they are insufficiently attested. Western enemies of Islam', however ,seized upon it to illustrate Muhammad's manifest insincerity: how could men who change the divine Word to suit himself be a true prophet? Surely any genuine prophet would be able to distinguish between a divine a satanic inspiration ?Would a man of God tamper with his revelation merely to attract more converts? (Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 111)

یہاں پر ہمیں واضح کردینا چاہئے کہ بیشتر مسلمان اس قصے کو وضعی اور غیر مستند سمجھتے ہیں۔ وہ اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ قرآن میں ایسے کسی واقعے کا واضح انداز میں کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی احادیث کے ان عظیم مجموعوں میں ایسا کوئی بیان موجود ہے جو نویں صدی میں بخاری اور مسلم نے مرتب کئے تھے۔ مسلمان ان روایات کو اس لئے مسترد نہیں کرتے کہ ان میں تنقید کا پہلو نکلتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان روایات کی کوئی معتبر سند موجود نہیں ہے۔ لیکن مغرب کے اسلام دشمنوں نے اس فرضی قصے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور کی ہرزہ سرائی کی ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۵۵)

مزید آگے اس روایت کے کذب کو یوں آشکارا کرتی ہیں:۔

But this story is in conflict with other tradition and with the Qu'ran itself.
(Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 113)

لیکن یہ کہانی (قصہ غرانیق) دوسری روایات اور خود قرآن مجید سے متصادم ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۵۷)

اپنی گزشتہ کتاب میں اس نام نہاد قصے کے پرخچے اڑاتے ہوئے خود ہی تحریر کرتی ہیں:۔

Later we shall see the Quraysh asking Muhammad to make a monolatrous compromise: he could worship al-LIah alone and they would worship their ancestral deities as well as High God. But Muhammad always refused.
(Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 115)

آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ قریش نے رسول کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ساتھ مفاہمت کیلئے حضور سے کہا کہ وہ دوسرے دیوتاؤں کے وجود سے انکار کئے بغیر ایک خدا کی پرستش کرنے کو تیار ہیں۔ قریش نے آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے یہ بھی کہا کہ آپ صرف اللہ کی پوجا کریں اور وہ خدا کیساتھ اپنے آبائی معبودوں کی بھی پرستش کریں گے لیکن حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ایسا کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۶۰)

ہم کیرن کی ان عبارات کے بعد کیرن آرمسٹرانگ سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا وجہ کہ ۱۹۹۰ء میں آپ نے جو کتاب تحریر کی اس میں جس بات کی نفی کی۔ آٹھ دس سال کے بعد انہی واقعات کو بنیاد بنا کر آپ نے پیغمبر اسلام کی شان میں ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کیرن صاحبہ! کہ آپ کے من میں چھپا ہوا تعصب و نفرت زیادہ دیر تک اندر نہ رہ سکا اور اپنے پیش روؤں کی طرح زبان و قلم سے ہذیان اگلنے لگا۔

'Overnight Muhammad had become the enemy.' (Muhammad Prophet for our Time Page: 75)

حضرت محمد راتوں رات اُن کے دشمن بن گئے۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۵۲)

آگے لکھتی ہیں:۔

It must have been vary difficult indeed for the Muslims, brought up in the jahili spirit, to practice hilm and turm the other cheek. Even Muhammad sometime had to struggle to maintain his composure. (Muhammad Prophet for our Time Page: 81)

جاہلی روایات کے مطابق پرورش یافتہ مسلمانوں کیلئے حلم سے کام لینا اور طمانچے کیلئے دوسرا گال آگے کر دینا یقیناً بہت مشکل رہا ہو گا حتیٰ کہ حضرت محمد کو بھی کبھی صبر کا دامن تھامے رکھنے میں مشکل پیش آئی۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۵۷)

مزید آگے ایک اور جھوٹ بہانگ دہل اس طرح بولتی ہیں:۔

Quran shows that some of the Emigrants found the very idea of fighting distasteful But Muhammad was not discouraged. (Muhammad Prophet for our Time Page: 127)

قرآن دکھاتا ہے کہ کچھ مہاجرین نے لڑائی کے خیال کو ناپسند کیا لیکن آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمت نہیں ہاری۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۹۲)

یعنی کئی مسلمان یہ چاہتے تھے کہ لڑائی نہ ہو مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لڑائی کرنے کیلئے بے تاب تھے۔

آگے یہی متعصب مستشرقہ لکھتی ہیں:۔

But Muhammad had embarked upon a dangerous course. He was living in a chronically violent society and he saw these raids not simply as a means of bringing in much- needed income, but as a way of resolving his quarrel with the Qurayshh. (Muhammad Prophet for our Time Page: 129)

لیکن حضرت محمد ایک خطرناک راہ پر نکل کھڑے ہوئے تھے وہ ایک نہایت متشدد معاشرے میں رہتے تھے اور آپ کی نظر میں یہ حملے محض حصولِ آمدنی کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ قریش کے ساتھ جھگڑا چکانے کا طریقہ بھی تھے۔

(پیغمبر امن، صفحہ ۹۳)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

'Muhammad was not a pacifist.' (Muhammad Prophet For Our Time Page: 137)

حضرت محمد امن کا پرچار نہیں کر رہے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۹۹)

آگے لکھتی ہیں:۔

'He had wanted to cut the cycle of violence and dispossession, not continue it.' (Muhammad Prophet For Our Time Page: 151)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشدد اور بے دخلی کا سلسلہ جاری رکھنے کے بجائے ختم کرنا چاہتے تھے۔

(پیغمبر امن، صفحہ ۱۱۰)

یعنی تشدد اور بے دخلی کا سلسلہ جاری تھا۔ کیرن صاحبہ یہ تو بتائیے کہ بنو نضیر اور بنو قینقاع کے علاوہ کس کو مدینہ سے بے دخل کیا گیا۔ وہ بھی ان دونوں کی اسلام دشمنی اور عہد شکنی کے سبب ایسا کیا گیا جس کے یہ دونوں قبیلے خود ذمے دار ہیں۔ اور یہ اعتراف تو مس کیرن آپ بھی کرتی ہیں جیسا کہ آپ نے خود لکھا:۔

Even in Muhammad's own time ,smaller Jewish groups remained in Medina after 627 and were allowed to live in peace with no further reprisals. (Muhammad A Biography of the Prophet, Page: 209)

خود رسول اللہ کے زمانے میں یہودیوں کے چھوٹے گروپ ۶۲۷ عیسوی کے بعد مدینہ میں بدستور موجود رہے، انہیں امن وسکون کے ساتھ رہنے کی اجازت تھی اور انکے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہ کی گئی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۲۸۱)

کیرن آرم اسٹر انگ پیغمبر اسلام کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

It was nearly time to make good on Abu Sufiya's parting shot after Uhud:' 'Next year at Badar!' but Muhammad was playing a very dangerous game. He had to make a show of strength. (Muhammad Prophet for our Time Page: 151)

اب جنگِ اُحد کے بعد ابو سفیان کی لگائی ہوئی پکار کا جواب دینے کا وقت آگیا تھا۔ اگلے سال بدر میں لیکن محمد نہایت خطرناک کھیل کھیل رہے تھے۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۱۱۱)

بنو قریظہ کے حوالے سے جس کا جواب ہم گذشتہ صفحے پر دے چکے ہیں' کے بارے میں لکھتی ہیں:۔

He had staged a defiant show of strength, which, it was hoped, would bring the conflict to an end .Change was coming to this desperate, primitive society, but for the time being ,violence and killing on this scale were the norm. (Muhammad Prophet For Our Time Page: 162)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طاقتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا جو (امید تھی کہ) جھگڑے کو ختم کر دے گا۔ اس بے چین قدیمی معاشرے میں تبدیلی آرہی تھی لیکن فی الحال اس وسیع پیمانے پر قتل غارت گری مقبولِ عام دستور تھی۔

(پیغمبر امن، صفحہ ۱۱۹)

اب پیغمبر اسلام کی امن پسندی کے گیت بھی گارہی ہیں کیونکہ یہ تمام باتیں تو نہ مسلمان برداشت کرسکتے ہیں اور نہ ہی انصاف پسند غیر مسلم تو پینترا کس طرح بدلتی ہیں:۔

'Muhammad issued a general amnesty.' (Muhammad Prophet For Our Time Page: 201)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۱۴۸)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

During the last five years, many Muslims had died for their religion; others had risked everything and given up family and friends. Yet now Muhammad had calmly handed the advantage back to the Quraysh, and the pilgrims must agree to go home meekly, without even forcing the pilgrimage issue the treaty assaulted every single jahili instinct. (Muhammad Page: 184)

گذشتہ پانچ برس کے دوران مسلمانوں نے اپنے مذہب کی خاطر جان دی تھی۔ دیگر نے اپنا سب کچھ اور اہل خانہ کو بھی داؤ پر لگایا تھا۔ اس کے باوجود آنحضرت نے بڑے تحمل کے ساتھ قریش کی بالا دستی دوبارہ قائم کردی اور کہا کہ زائرین خاموشی سے گھر واپس چلے جائیں۔ یہ معاہدہ ہر لحاظ سے جاہلی جبلّت کے خلاف تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۱۳۵)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

Muslims were not supposed to be ment of war; they were characterized by the spirit of hilm. (Muhammad Page: 189)

مسلمانوں سے توقع نہیں کی جاتی تھی کہ وہ جنگ جوئی کا رویہ اختیار کریں گے۔ وہ حلم، امن اور برداشت کے جذبے سے متصف تھے۔ (پیغمبر امن صفحہ ۱۳۹)

مزید آگے رقم طراز ہیں:۔

It was not violence and self-assertion ,but the spirit of mercy courtesy and tranquility that would cause the ummah to grow. (Muhammad Page: 190)

تشدد اور دھونس نے نہیں بلکہ رحم، خوش اخلاقی اور تحمل کے جذبے نے اُمت کو فروغ دیا۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۱۴۰)

مس کیرن مسلمانوں کی مکّہ سے واپسی کے منظر کے بارے میں قریش کی حیرت کو اس طرح بیان کرتی ہیں:۔

On the astonishment of the quraysh, the entire pilgrim throng left the city that night in good order. There were no loud protests, no attempt to repossess their old homes. (Muhammad Page: 194)

قریش یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ زائرین کا سارا جلوس اسی رات منظم انداز میں شہر سے چلا گیا، کوئی احتجاج نہ ہوا اور نہ ہی پرانے دشمنوں پر دوبارہ غلبہ پانے کی کوئی کوشش کی گئی۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۱۴۳)

جن کے اخلاق و کردار کی گواہی قریش جیسے مخالفین دے رہے ہوں کیرن صاحبہ ان کی تصدیق بھی کر رہی ہیں اور دوسری جانب اپنے قلبی بغض کا اظہار بھی کر رہی ہیں، صرف اس لئے کہ انہیں ایک غیر جانب دار محقق کا اعزاز مل جائے۔ مگر نہ تو یہ طریقۂ تحقیق ہے اور نہ ہی اس طرح اہلِ انصاف و اہلِ قلم کے نزدیک وہ لائق عزت ٹھہریں گی۔

آخر کیرن صاحبہ نے اپنے پیشروؤں کی تردید کیوں کی؟

جبکہ آگے ان کے خیالات بھی اپنے پیش روؤں سے مختلف نہیں عصبیت اور آتش حسد کی تپش میں ایک جیسی حدت کے باوجود یہ اسلوب کیوں اپنایا؟

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، مستشرقین نے صدیوں اسلام کا تصور مسخ کرنے کی کوشش کی اسلام کو بت پرستی کا مذہب قرار دیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک پر ایسے الزامات عائد کئے جو کوئی شریف آدمی کسی برے سے برے آدمی کے متعلق بھی زبان پر لانا گوارا نہیں کر سکتا انہوں نے اپنے ان الزامات کی خوب تشہیر کی۔ ان کوششوں سے قرون وسطیٰ میں یورپ میں اسلام کے متعلق وہی تصور قائم ہو گیا جو مستشرقین چاہتے تھے۔

لیکن جب زمانے نے کروٹ لی۔ توھمات اور فرضی افسانوں کو عقل کے معیار پر پرکھنے اور ذہنی بیداری کا زمانہ شروع ہوا تو مستشرقین نے فوراً یہ خطرہ محسوس کر لیا کہ ان کے آباء واجداد صدیوں سے اسلام کے متعلق جو بے بنیاد زہر اگلتے رہے ہیں اس کا بھانڈا بہت جلد پھوٹ جائے گا۔ جب دنیا پر یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ مستشرقین اسلام کے متعلق جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں تو اس سے تحریک استشراق کے اعتماد اور علمی وقار کو سخت دھچکا لگے گا۔ ان متوقع خطرات کے پیش نظر مستشرقین نے فوراً پینترا بدل لیا ان میں بے شمار لوگ ایسے منظر عام پر آئے جنہوں نے کھل کر اپنے پیشروؤں کی تردید کی۔ انہوں نے اسلام کے خلاف اپنے اسلاف کے الزامات کو بے بنیاد قرار دیا۔ ان لوگوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی چند خوبیوں کا کھل کر اعتراف بھی کیا۔

مستشرقین کے رویے میں اس تبدیلی کا سبب یہ نہیں تھا کہ ان نئے مستشرقین کے دلوں میں اپنے پیشروؤں کی نسبت اسلام دشمنی کا جذبہ ماند پڑ گیا تھا اور وہ اسلام کے بارے میں منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کے قائل ہو گئے تھے بلکہ ان کے انداز میں اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ بدلتے ہوئے حالات میں مستشرقین کا قدیم انداز اسلام کی نسبت خود ان کی تحریک کیلئے زیادہ تباہ کن تھا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ قرون وسطیٰ میں مستشرقین نے اسلام پر جو کیچڑ اچھالا اس کے خلاف سب سے پہلے آواز بھی انہی لوگوں نے اٹھائی جو خود بھی مستشرق تھے ان لوگوں نے ایک طرف اپنے پیشرووں کی اسلام دشمنی کی مذمت کی اور دوسری طرف خود بھی اسلام پر ایسے وار کئے جوان کے پیش رووں کے حملوں کی نسبت بھی زیادہ تباہ کن تھے ان کا انداز یہ تھا کہ وہ اسلام کی دس پندرہ خوبیوں کا ذکر کرتے اور ان خوبیوں کے درمیان اسلام کے شجرہ طیبہ کی جڑوں پر ایسا وار کرتے جس کی وجہ سے مذکورہ خوبیوں کے اثرات بھی غائب ہو جاتے۔اس طرح وہ اپنے اسلام دشمنی کے جذبے کی بھی تسکین کر لیتے اور ان کی انصاف پسندی پر بھی کوئی حرف نہیں آتا زمانہ بیداری کے بعد کے مستشرقین کا انداز یہی ہے۔ مسلمان ان کی تحریروں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق چند اچھے کلمات پڑھ کر ان کی غیر جانبداری اور انصاف پسندی کے قائل ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد وہ علمی زہر کی جو گولیاں ان مسلمانوں کو بڑے تپاک سے پیش کرتے ہیں، سادہ لوح مسلمان انہیں بھی شکریے کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔ (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ ۳۱۱۔از پیر کرم شاہ الازہری مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت ایمان کی اساس ہی نہیں روحِ ایمان بھی ہے۔ اگر اس عقیدت و محبت کے خوب صورت تعلق میں کہیں کمی آجائے یا کہیں خامی رہ جائے تو مقصدِ حیات بے مصرف ہو کر رہ جاتا ہے۔

بقول شخصے ۔

محمد کی محبت دینِ حق کی شرط اوّل ہے
اگر اسی میں ہو خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

یہ وہ تعلق ہے جس کی بنیاد پر تعلقات قائم کئے جاتے ہیں۔ یہ وہ اساس ہے جس پر اسلام کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ یہ وہ رشتہ ہے جس پر ہر رشتہ قربان کیا جاسکتا ہے۔ ناموسِ رسالت عقائدِ اسلام کی روح ہے۔

احبابِ من! دشمنانِ اسلام نے کلام الٰہی پر وار کیا۔ سیرتِ رسول کو اپنے بدگمان تخیلات کی بنیاد پر الزامات و اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ ایسے لوگوں سے اِس بات کی امید کب ہے کہ وہ عقیدۂ ناموسِ رسالت کو نشانہ بنانے سے باز رہیں گے۔

عہدِ حاضر کے مستشرقین اور اُن سے فیض یافتہ متجددین۔۔۔ جدیدیت کے نام پر ابلیسی مہم کے روحِ رواں۔۔۔ افکار کی بزم میں شورشوں کے نقیب اسلامی عقائد و نظریات کو ڈھانے کیلئے بے چین و بے قرار نظر آرہے ہیں۔ انہی مستشرقین میں ایک نام مس کیرن آرمسٹرانگ کا بھی ہے۔ انہوں نے اور اُن کے ہم نوا دنیائے استشراق نے عقیدت و محبت کا ایسا جام جو غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نصیب ہوا کہیں نہیں دیکھا۔ انہوں نے دنیائے عیسائیت ویہودیت میں لوگوں کا ہجوم تو دیکھا مگر عقیدت و محبت کی چنگاری کو کہیں نہیں پایا۔ انہوں نے حسنِ یوسف پر مصر کی عورتوں کو اُنگلیاں کٹاتے تو دیکھا مگر کہیں بھی مردانِ عرب کو سر کٹاتے نہ پایا۔ انہوں نے دنیائے اسلام کا آج سے نہیں عہدِ رسالت سے جائزہ لیا۔ انہوں نے عقیدت و محبت کے ایسے عجوبے دیکھے کہ اُن کی آنکھیں حیرت کا سمندر بن گئیں اور اُن کی عقلیں حیرت کے اس سمندر میں تعجب کی موجوں کا شکار ہو گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ

عرب کی تپتی ہوئی ریتیلی زمین پر حضرت بلال کا ننگا بدن۔۔۔ حضرت سمیعہ کی شہادت، حضرت خباب کی انگاروں سے دہکتی ہوئی پیٹھ۔۔۔ ہجرت سے شعب ابی طالب میں محصوری تک کوئی بھی لمحہ تو اُن عاشقوں کے پائے استقامت کو متزلزل نہیں کر سکا۔ ابو عبیدہ ابن جرح نے اپنے گستاخ باپ کو جہنم رسید کر کے رہتی دنیا تک اُمتِ مسلمہ کو یہ پیغام دے دیا کہ گستاخِ رسول سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں۔

ہر دور میں گستاخِ رسول کو انہی کے کئے کی سزا اُن کو دی جاتی رہی۔ دنیائے استشراق جس کی اسلام دشمنی کسی سے پوشیدہ نہیں، جس نے اسلامی عقائد و نظریات کے تمام ستونوں پر حملے کئے۔ قرآن، اسلام، پیغمبر اسلام اور اسلام کا کوئی بھی عقیدہ تو اُن کی قلمی جارحیت سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ وہ عقیدۂ ناموسِ رسالت کے خلاف اس لئے بھی ہیں کہ اُن کے قلم جو تحقیق کا لبادہ اوڑھ کر تنقیص کا بارود اُگلتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلام کے خلاف زہر افشانی کرنے کیلئے کھلی چھٹی اور لائسنس مل جائے اور ابھی جس خوف نے اُن کے قلم کو ننگا نہیں ہونے دیا اِس لائسنس کے بعد بزمِ قلم و ادب میں قلمی فحاشی و عریانیت کی انتہائیں برپا کرنے لگیں۔

عقیدۂ ناموسِ رسالت پر تنقید

عقیدۂ ناموس رسالت مسلمانوں کا ایسا بنیادی عقیدہ ہے جس پر دشمنانِ اسلام چیں بہ جبیں ہوتے رہتے ہیں۔

اور محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو وہ مقام ہے جہاں نفس اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے، خود کو مٹا دیتا ہے اور اپنے محبوب کے ہاتھوں میں ایک آلۂ بے روح بن کر رہ جاتا ہے۔ اور پھر اس محب کا عجب عالم ہوتا ہے، یہ اپنی عقل و خرد سے نہیں سوچتا بلکہ اپنے محبوب کی رضا کو سوچتا ہے۔ پھر اِس کی آنکھیں وہی دیکھتی ہیں جو اِس کا محبوب چاہتا ہے۔ اِس کے کانوں کی سماعت وہی سنتی ہیں جو اِس کا محبوب چاہتا ہے۔ خود اِس کی کوئی تمنا یا خواہش باقی نہیں رہتی۔ محبوب کی خواہش اِس کی خواہش، محبوب کی مرضی اِس کی مرضی بن جاتی ہے اور اِس محبتِ حقیقی کا طلب گار الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔

محبتِ رسول اور اِس کے حسین نتائج، بنیادِ ایمان کو کمزور نہیں پڑنے دیتے۔ اور فکر و نظریئے میں نقب لگانے والے اِس عقیدے پر پیچ و تاب کھاتے رہتے ہیں اور اس تگ و دو میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح اس عقیدے کو۔۔۔ اس نظریئے کو۔۔۔ اس اساس کو۔۔۔ اس بنیاد کو۔۔۔ ایمان کی اِس روح کو مسلمانوں کے دلوں سے نکال کر پھینک دے۔ اِس کیلئے وہ مسلمانوں کے عقائد و نظریات، اسلام اور پیغمبر اسلام کی مدح سرائی بھی کرتے ہیں اور موقع ملتے ہی اُن نظریات میں نقب بھی لگا ڈالتے ہیں۔ کیرن آرمسٹرانگ نے بھی سلمان رشدی کی حمایت کرتے ہوئے صلیبی گل کھلائے ہیں۔

سلمان رشدی کی حمایت

ملعون سلمان رشدی وہ ناپاک شخص ہے جس نے پیغمبر اسلام کو سبّ و شتم کا نشانہ بنایا۔ اور اس کی حمایت کرتے ہوئے عیسائی ریاست نے نہ صرف اُس کو پناہ دی بلکہ ماضی کی طرح اپنے اس نمک خوار پالتو کو 'سر' کا خطاب بھی دیا۔ اس تھرڈ کلاس رائٹر کو ادبی ایوارڈ بھی دیئے گئے، جس نے اس حقیقت کو اور بھی روزِ روشن کی طرح عیاں کر کے رکھ دیا کہ دنیائے عیسائیت میں ہر وہ شخص لائقِ عزت و مرتبت ہے جو پیغمبر اسلام کی اہانت کا مقدس صلیبی فریضہ انجام دے رہا ہو۔

کیرن آرمسٹرانگ بھی اپنے اس مشن شریک بھائی و ہم نوا کیلئے لکھتی ہیں:۔

سلمان رشدی کے بحران نے برطانوی معاشرے کو ایک ہیجانی کیفیت سے دوچار کر دیا تھا۔ بریڈ فورڈ میں مسلمانوں نے The Satanic Verses (سلمان رشدی کی کتاب) کی جلدوں کو نظر آتش کر دیا تھا اور بعض لوگوں نے آیت اللہ خمینی کے بدنام فتوے کی بھرپور حمایت کر دی۔ (محمد، صفحہ ۲۲)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

It has been difficult for Western people to understand the violent Muslim reaction to Salman Rushdie's fictional portrait of Muhammad in The Satanic Verses. It seemed incredible that a novel could inspire such murderous hatred, a reaction which was regarded as proof of the incurable intolerance of Islam. It was particularly disturbing for people in Britain to learn that the Muslim communities in their own cities lived according to different, apparently alien values and were ready to defend them to the death.
(Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 21)

یورپ کے باشندوں کیلئے مسلمانوں کے اس تشدد آمیز ردِّ عمل کا ادراک کرنا بہت مشکل ہے جس کا اظہار انہوں نے سلمان رشدی کی کتاب The Satanic Verses میں حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی افسانوی تصویر کشی پر کیا ہے۔ یہ بات قابل یقین دکھائی دے رہی تھی کہ ایک ناول کی اشاعت کے نتیجے میں اس قدر ہلاکت خیز نفرت پیدا ہو جائیگی۔ اِس تشدد آمیز ردِ عمل کو اسلام کی ناقابل علاج عدم رواداری کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جانے لگا اور برطانیہ کے لوگوں کو یہ جان کر خاص طور پر سخت پریشانی اور حیرت ہوئی کہ اُن کے شہروں میں مختلف اور منفرد اقدار کے تحت زندگی بسر کرنے والے مسلمان اپنے دین کا دفاع کرنے میں جان تک کی بازی لگانے کو تیار ہیں۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۳۵)

مزید اکتوبر ۲۰۰۱ء کے ایڈیشن کے تعارف میں اپنے قلم سے حقائق کا گلا اس طرح گھونٹتی ہیں:۔

When Ayatollah Khomeini issued his infamous fatwa against Rushdie and his publisher, this western prejudice became even more blatant.

In 1990, when I was writing this book, nobody in Britain wanted to hear that almost exactly a month after the fatwa, at a meeting of the Islamic Congress, forty-four out of the forty-five member states condemned the Ayatollah's ruling as unIslamic - leaving Iran out in the cold. Very few Western people were interested to hear that the Sheikhs of Saudi Arabia, the Holy Land of Islam, and the prestigious al-Azhar madrasah in Cairo had also declared that the fatwa contravened Islamic law. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 11)

جب آیت اللہ خمینی نے رشدی اور اس کے پبلشر کے خلاف اپنا بدنام فتویٰ جاری کیا تو مغرب میں اسلام کے بارے میں تعصب نے مزید شدت اختیار کرلی۔

۱۹۹۰ء میں جب میں یہ کتاب لکھ رہی تھی برطانیہ میں کوئی شخص یہ فتویٰ سننے کا روادار نہیں تھا اور فتویٰ جاری ہونے کے ٹھیک ایک ماہ بعد منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنس میں 45 رکن ریاستوں میں سے 44 ملکوں نے آیت اللہ خمینی کے فیصلے کی مذمت کرتے ہوئے اسے غیر اسلامی قرار دے دیا، جس کے نتیجے میں ایران یکاو تنہا رہ گیا۔ اسلام کی مقدس سرزمین سعودی عرب کے شیوخ اور قاہرہ کی عالمی شہرت یافتہ الازہر یونیورسٹی نے بھی آیت اللہ خمینی کے فتوے کو اسلامی قانون سے متصادم قرار دے دیا۔ (محمد، صفحہ ۱۵)

کیرن صاحبہ کی ان بے سروپا باتوں سے یہ چند نکات معلوم ہوتے ہیں:۔

- سلمان رشدی کے خلاف فتویٰ اسلامی قانون سے متصادم ہے۔
- اسلامی کانفرنس کے 45 رکن ممالک میں سے 44 رکن نے سلمان رشدی کے خلاف فتوے کی مذمت کی اور اسے غیر اسلامی قرار دیا۔
- اسلام کی مقدس سرزمین سعودی عرب کے شیوخ نے بھی سلمان رشدی کے قتل کے فتوے کی مذمت کی۔

احبابِ من! کیرن آرمسٹرانگ کے پہلے نکتے پر ہم اس باب کے اختتام پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

کیرن صاحبہ کا یہ کہنا کہ 44 رکن ممالک نے اس فتوے کی مخالفت کی۔۔۔۔

مس کیرن آرمسٹرانگ! آج اہلِ صلیب کے دستر خوان پر جہاں عالم اسلام اُن کی مرغوب غذا بن چکا ہے مسلم ممالک کے حکمران اپنے اقتدار کی طوالت کیلئے اپنے ان صلیبی آقاؤں کی غلامی کے طوق کو تمغۂ اعزاز قرار دے رہے ہیں۔۔۔ ان کے جوتے کی نوک کو اپنا عروج قرار دے رہے ہیں اور زوال پذیر قوموں کے حکمران اگر اتنے ہی غیرت مند ہوتے تو مس کیرن! اُن کا زوال عروج میں تبدیل ہو چکا ہوتا۔ خوگر غلامی اور ہوسِ اقتدار کا نشہ عزت و غیرت کے مقام سے ناآشنا کر دیتا ہے۔

اسلامی عقائد و قانون اور ناموسِ رسالت پر ہمیں مغرب نواز اس لولی لنگڑی اسلامک کانفرنس سے اس کے علاوہ کچھ بعید بھی نہیں اور اہلِ صلیب کیلئے یہ اتنا مشکل بھی نہیں کہ وہ اپنے ان غلاموں سے ناموسِ رسالت کے قانون میں ترمیم نہ کرا سکیں۔

مسلم حکمران اور اہلِ مغرب کے ہتھکنڈے

مسلم حکمرانوں کے ساتھ اہلِ صلیب نے کیا معاملات کئے یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ مسلم حکمران اپنے اقتدار کی طوالت کیلئے اہلِ صلیب کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ مگر اہلِ صلیب ان سے کس طرح اپنا کام نکالتے ہیں۔ سابق ڈائریکٹر سی آئی اے George Tenet کی کتاب At The Center of the Storm سے ہم چند اقتباسات اپنے قارئین کی نظر کرتے ہیں۔

یاسر عرفات کے متعلق جارج ٹینٹ لکھتے ہیں:۔

Albright asked me to visit the chairman and try to persuade him to come back to the table.

I went to Arafat's cabin and told him that the Israelis would never again extend an olive branch like this of I reminded him of how much the president had done to move the peace process forward 'Now;' I said: 'you have to come back to the table.' I asked him directly if he was willing to negotiate. If not; it was time for everyone to go home. To my surprise, the chairman immediately agreed. **(At The Center of the Storm by George Tenet Page: 75 76 & published by Harper collins. Newyork 2007)**

البرائٹ نے مجھ سے کہا کہ میں یاسر عرفات سے ملوں اور اسے مذاکرات کی میز پر واپس آنے کیلئے آمادہ کروں۔ میں یاسر عرفات کے کیبن میں گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ اسرائیلی اس کے بعد پھر کبھی زیتون کی شاخ اس طرح پیش نہیں کریں گے۔ میں نے اسے یاد دلایا کہ صدر کلنٹن نے امن کے عمل کو آگے بڑھانے کیلئے کتنا کچھ کیا ہے۔ میں نے کہا: 'اب تمہیں میز پر واپس آنا ہوگا'۔ میں نے اس سے سیدھا سیدھا پوچھا کہ وہ مذاکرات پر تیار ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر سب واپس چلے جائیں گے۔ میں اُس وقت حیران رہ گیا جب یاسر عرفات فوراً آمادہ ہو گیا۔ **(CIA اور دہشت گردی، صفحہ ۱۱۰)**

مزید آگے 9/11 کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

All of these people knew how much 9/11 had struck at the core of each of us CIA. They'd been there they'd shared our same fears; they knew that each of the thousands of dead of was a personal defeat for us. And I'm sure they would have understood as well as anyone outside CIA the reaction so many of us ------ at the leadership level and in the ranks ------ had in the hours and days immediately after the attack .We're going to run these bastards down no matter where they are, we told ourselves. We're going to lead, and everybody else is going to follow. And that's what we set out to do. (At the Center of the Storm by George Tenet, Page: 174)

یہ سب لوگ جانتے تھے کہ 9/11 نے سی آئی اے والوں کو کتنا صدمہ پہنچایا ہے۔ وہ وہاں موجود تھے انہوں نے بھی ہم جیسا خوف برداشت کیا۔ وہ جانتے تھے کہ مرنے والا ہر شخص ہمارے لئے ذاتی شکست تھی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اور سی آئی اے کے باہر والے سارے لوگ سمجھ چکے ہوں گے کہ ہمارا اور اعلیٰ قیادت کا ردِ عمل حملے کے بعد والے گھنٹوں اور دنوں میں کیا ہوگا۔ ہم نے خود سے کہا ہم ان باسٹرڈز (Bastards) کو نہیں چھوڑیں گے خواہ وہ کہیں بھی ہوں ہم قیادت کریں گے اور سب کو ہمارے پیچھے چلنا ہوگا۔ (CIA اور دہشت گردی، صفحہ ۲۳۲)

سب کو ہمارے پیچھے چلنا ہوگا کے الفاظ اپنے اندر کتنی فرعونیت کو سموئے ہوئے ہیں۔

مزید آگے اس وقت کی پاکستانی سفیر ملیحہ لودھی اور پاکستانی انٹیلی جینس کے چیف جنرل محمود سے امریکی محکمہ خارجہ نے کس انداز میں گفتگو کی، جارج ٹینٹ لکھتے ہیں:۔

On September 13, Rich Armitage invited Pakistani ambassador Maleeha Lodhi and Mahmood Ahmed, the Pakistan intelligence chief, who was still in Washington, over to the state Department and dropped the hammer on them. The time for fence-sitting was over. There would be no more games. George Bush had said in his 9/11 address to nation that the United States would make no distinction between terrorists and the nations that protected them. Pakistan was either with us or against us. Specifically, Armitage demanded that Pakistan begin stopping al-Qa'ida agents at its border, grant the United states blanket over flight and landing rights for all necessary military and intelligence operation, provide territorial access to American and allied intelligence agencies, and cut off all fuel shipments to the Taliban. Armitage is a bull of man. Mahmood must have felt like had been run over by stampede by the time he left Rich's office. (At the Center of the Storm by George Tenet, Page: 179/180)

۱۳ / ستمبر کو رچ آرمٹیج نے پاکستانی سفیر ملیحہ لودھی اور پاکستانی انٹیلی جینس چیف جنرل محمود احمد کو محکمۂ خارجہ مدعو کیا اور اُن پر ہتھوڑا گرایا۔ پردہ داری کا وقت گزر چکا تھا اب مزید کھیل نہیں ہونے تھے۔ جارج بش اپنے 9/11 والے قوم سے خطاب میں کہہ چکے تھے کہ امریکہ دہشت گردوں اور انہیں تحفظ دینے والے ملکوں میں کوئی فرق نہیں کرے گا۔

پاکستان یا ہمارے ساتھ تھا یا ہمارے خلاف۔ آرمٹیج نے پاکستان سے خاص طور پر مطالبہ کیا کہ وہ القاعدہ کے ایجنٹوں کو اپنی سرحدوں پر روکنا شروع کرے، امریکہ کو اپنی فضاؤں میں پرواز کی اجازت دے اور تمام ضروری فوجی اور انٹیلی جینس آپریشنز کیلئے لینڈنگ رائٹس (Landing Rights) دے امریکہ اور اتحادی انٹیلی جینس ایجنسیوں کو علاقائی رسائی مہیا کرے اور طالبان کو ایندھن کی فراہمی مکمل طور پر بند کردے۔ آرمٹیج انتہائی جارح شخص ہے۔ جب جنرل محمود رچ کے دفتر سے روانہ ہوئے ہوں گے تو ضرور انہیں یوں محسوس ہورہا ہوگا جیسے بھگدڑ کے دوران ہجوم اس کے اوپر سے گزر گیا ہو۔ (CIA اور دہشت گردی، صفحہ ۲۳۸)

9/11 کے واقعہ پر پاکستان کے اس وقت کے صدر جنرل پرویز مشرف اپنی کتاب 'سب سے پہلے پاکستان' میں لکھتے ہیں:۔

اگلی صبح جب میں گورنر ہاؤس میں ایک اہم میٹنگ کی صدارت کررہا تھا تو میرے ملٹری سیکرٹری نے آکر کہا کہ امریکی وزیر خارجہ جنرل کولن پاؤل (Powell Colin) ٹیلی فون پر ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میں انہیں بعد میں ٹیلی فون کرلوں گا لیکن ملٹری سیکریٹری نے اصرار کیا کہ میں میٹنگ چھوڑ کر باہر آؤں اور ٹیلی فون پر بات کروں۔ پاؤل نے صاف صاف کہا کہ 'یا تو آپ ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے خلاف'۔ (سب سے پہلے پاکستان، صفحہ ۲۵۳)

مزید آگے امریکی دھمکی کو یوں بیان کرتے ہیں:۔

اگلے دن جب میں اسلام آباد میں تھا تو ڈی جی آئی ایس آئی (DGISI) کا، جو اس وقت واشنگٹن میں تھے فون آیا اور انہوں نے مجھے امریکن ڈپٹی سیکرٹری آف اسٹیٹ رچرڈ آرمٹیج (Richard Armitage) کے ساتھ ملاقات کے بارے میں بتایا۔ آرمٹیج نے انتہائی غیر سفارتی الفاظ میں جو میرے خیال میں پہلے کبھی اسطرح نہیں بولے گئے ہونگے کولن پاؤل کے الفاظ دہرائے اور ڈی جی سے کہا کہ 'نہ صرف ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم امریکہ کے ساتھ ہیں یا دہشت گردوں کے، بلکہ ہم نے اگر دہشت گردوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو بم باری کرکے ہمیں پتھر کے دور

(Stone Age) میں واپس بھیج دیں گے'۔ یہ انتہائی واضح دھمکی تھی اور یہ بھی ظاہر تھا کہ امریکہ نے جواب دینے کا اور بہت سخت جواب دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ (ایضاً صفحہ ۲۵۴،۲۵۳)

سابق صدر پرویز مشرف کے اس بیان پر مس کیرن آر مسٹرانگ اور اُن کے ہم خیال لوگ جارج ٹینٹ کا یہ حوالہ بھی دے سکتے ہیں کہ جارج ٹینٹ لکھتا ہے:۔

I seriously doubt, however, that Rich actually threatened to 'bomb Pakistan back to the stone age. (At the Center of the Storm by George Tenet Page: 179/180)

تاہم مجھے سنجیدگی سے اِس امر کا یقین نہیں ہے کہ رچ نے بمباری کر کے پاکستان کو پتھر کے زمانے میں دھکیلنے جیسی کوئی دھمکی دی ہوگی جیسا کہ جنرل محمود نے مبینہ طور پر بعد میں صدر مشرف کو بتایا تھا۔ (CIA اور دہشت گردی، صفحہ ۲۳۸)

عزیزانِ گرامی! ان عبارات سے اتنا تو واضح ہو گیا کہ مسلم دنیا کے حکمرانوں کو دھونس اور دھمکی کے ذریعے سے اپنے مطلب اور مقاصد پورے کئے جاتے ہیں اور اگر نہیں تو بھی یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ مسلم دنیا کے حکمران شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ہیں۔

اگر ان لوگوں نے عقیدۂ ناموسِ رسالت کو اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف قرار دے بھی دیا تو ہمیں اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اس سے ہمارے دین پر کوئی آنچ آتی ہے۔ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک ہمارے اسلاف نے اپنا خونِ جگر جلا کر تاریخ کے صفحات پر عقیدتوں کے ایسے چراغ روشن کئے ہیں جو تا قیامت اُمتِ مسلمہ کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

جارج ٹینٹ پاکستانی صدر پرویز مشرف کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

Assuming we could win Musharrafs cooperation. (At the Center of the Storm by George Tenet Page: 265)

ہم نے فرض کر لیا تھا کہ صدر مشرف ہم سے تعاون پر تیار ہو جائیں گے۔ (CIA اور دہشت گردی، صفحہ ۳۲۵)

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

After a few pleasantries, I explained to President Musharraf that I had been dispatched by the U.S president to deliver some very serious information to him. I launched into a description of the campfire meeting between Usama bin Ladin al-Zawahiri and the U.T.N leaders. 'Mr. President, 'I said, "you can not imagine the outrage there would be in my country if it were learned that Pakistan is coddling scientists who are helping Bin Ladin acquire a nuclear weapon. Should such a device ever be used, the full fury of the American people would be focused on whoever helped al-Qa'ida in its cause. **(At the Center of the Storm by George Tenet Page: 266)**

چند خوش گوار باتوں کے بعد میں نے صدر مشرف پر واضح کیا کہ مجھے امریکہ کے صدر نے بعض بہت سنجیدہ اطلاعات ان تک پہنچانے کیلئے بھیجا ہے۔ میں نے یوٹی این کے لیڈروں اور اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کے درمیان ہونے والی ملاقات کے بیان سے آغاز کیا۔ میں نے کہا: "مسٹر پریذیڈنٹ! اگر یہ پتا چل جائے کہ پاکستانی بن لادن کو نیوکلیئر ہتھیار حاصل کرنے میں مدد دینے والے سائنس دانوں کے ساتھ نرم برتاؤ کر رہے ہیں تو میرے ملک میں اتنا غصہ پھیلے گا کہ آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اگر ایسا کوئی ہتھیار استعمال کیا گیا تو امریکہ عوام کا پورا غضب القاعدہ کے اس کاز میں حمایت کرنے والوں پر مرکوز ہوگا۔ (CIA اور دہشت گردی، صفحہ ۳۲۶)

یہی جارج ٹینٹ آگے سابق پاکستانی صدر پرویز مشرف کو احکامات یا اقدامات دینے کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:۔

'Let me tell you, sir, 'I said,' what steps we need to take. 'I laid out a series of steps that required immediate action. I counseled him to look at certain elements in the Pakistani military and intelligence establishment. In addition to asking for a more vigorous investigation of UTN, I suggested it might be a good time for Pakistan to perform a thorough inventory of its nuclear material. If any had gone mising, both and I needed to know. 'Can I report to President Bush that we can count on you?' I asked. 'Yes, of course,' he replied. **(At the Center of the Storm by George Tenet Page: 267)**

میں نے کہا: "سر میں آپ کی اجازت سے آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ کون کون سے اقدامات اٹھائے جانے ضروری ہیں"۔ میں نے فوری ایکشن کیلئے ضروری اقدامات سے انہیں آگاہ کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ یوٹی این کی مزید کڑی تفتیش کروائیں۔ میں نے کہا یہ اچھا موقع ہے کہ پاکستان اپنے نیوکلیئر مواد کا مکمل جائزہ لے۔ میں نے پوچھا کیا میں صدر بش کو رپورٹ دوں کہ ہمیں آپ کا تعاون حاصل ہوسکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں! یقیناً۔ (CIA اور دہشت گردی، صفحہ ۳۲۷)

9/11 کے بعد مجبور پاکستانی صدر کے بارے میں لکھتے ہیں: ۔

Pakistan's president Musharraf had heroically stepped up in the aftermath of 9/11 and helped us fight al-Qa'ida and the Taliban. Now I was about ask him to help take on a man who had, almost single-handedly, turned Pakistan into a nuclear power and was viewed as a national hero in his country. (At the Center of the Storm by George Tenet Page: 285)

9/11 کے بعد پاکستان کے صدر مشرف نے ہماری مدد کرنے کا ہیروانہ اقدام اُٹھایا تھا۔ انہوں نے القاعدہ اور طالبان سے لڑنے میں ہماری مدد کی۔ اب میں اُن سے ایک ایسے شخص کے متعلق مدد مانگنے جارہا تھا جس نے تقریباً یکاوتنہا پاکستان کو ایک ایٹمی طاقت بنا دیا تھا اور جسے اپنے ملک میں ایک قومی ہیرو مانا جاتا تھا۔ (CIA اور دہشت گردی، صفحہ ۳۴۶)

ڈاکٹر عبدالقدیر خان جو اہلِ صلیب کی آنکھوں میں ہمیشہ خار بن کر کھٹکتے رہے کہ انہوں نے ایک اسلامی ملک کو کیونکر ایٹمی طاقت بنادیا اُن کے خلاف کاروائی نہ کرنے پر خاموش دھمکی کس طرح دی، لکھتے ہیں:۔

'Mr. President,' I said, 'if a country like Libya or Iran or, God forbid, an organization like al Qa'ida, gets a working nuclear device and the world learns that it come from your country I'm afraid the consequences would be devastating'.

I suggested a few steps we could take jointly to find out the full extent of Khan's corruption and to it once and for all.

President Musharraf asked a few questions and then simply said, 'Thank you, George; I will take care of this. (At the Center of the Storm by George Tenet Page: 286)

میں نے کہا مسٹر پریذیڈنٹ! اگر لیبیا یا ایران جیسا کوئی ملک یا خدانخواستہ القاعدہ جیسی کوئی تنظیم ایک کارآمد نیوکلیئر ڈیوائس حاصل کرلے اور دنیا کو پتا چلے کہ یہ اسے آپ کے ملک سے حاصل ہوا ہے تو مجھے خدشہ ہے کہ نتائج تباہ کن ہوں گے۔

میں نے چند اقدامات تجویز کئے جنہیں خان کی کرپشن کو پوری طرح بے نقاب کرنے اور اس کو ہمیشہ کیلئے روکنے کیلئے ہم مل کر قدم اُٹھاسکتے تھے۔

صدر مشرف نے چند سوالات پوچھے اور پھر کہا تھینک یو جارج! میں اس معاملے کو دیکھوں گا۔ (CIA اور دہشت گردی صفحہ ۳۴۸)

احبابِ من! جارج ٹینٹ کے اقتباسات آپ نے ملاحظہ کئے Perkins John جو Economic Hitmen معاشی غارت گر کہلاتے ہیں اور عرصۂ دراز تک استعماری قوتوں کیلئے کام کرتے رہے، اپنی کتاب The Secret History of the Americon Empire میں کئی اہم انکشافات کئے ہیں۔ کتاب کے مترجم محمد یحییٰ خان اس کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:۔

جان پرکنز نے اس یک قطبی دنیا میں امریکی استعمار کے دو خاص حربوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک حربہ وہ گروہ ہے جنہیں اس نے 'Economic Hitmen' (EHMs) کا نام دیا ہے اور وہ خود بھی ان میں رہ چکا ہے اور دوسرا حربہ وہ ہے جسے 'گیدڑوں' (Jackals) کے ذریعے بروئے کار لایا جاتا ہے۔

اوّل الذکر وہ کارندے ہیں جو ان ممالک کے اندر جاکر حکومت کے ایوانوں، صنعت کاروں، منصوبہ سازوں اور عوامی نمائندہ اداروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ انہیں سبز باغ دکھاتے ہیں، انہیں رشوتیں پیش کرتے ہیں، جن میں خوب صورت عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اگر یہ گروپ کامیاب ہوجائے تو مقصد 'دوستی دوستی' میں ہی پورا ہوجاتا ہے اور سادہ لوح شکار آسانی سے دام تزویر میں پھنس جاتا ہے۔

یہ حربہ ناکام ہوجائے تو کام گیدڑوں کی فوج سنبھال لیتی ہے جو ہنگامے کراتی اور راہ کی رکاوٹیں 'ہٹاتی' ہے خواہ کسی کو پُراسرار موت کی نیند سلانا ہو یا حادثہ کروانا پڑے اور اگر یہ بھی ناکام ہوجائے تو زمینی فوجی اڈوں اور ساحلوں کے قریب منڈلانے والے ائرکرافٹ کیریئر سے فوجیں اندر داخل ہوجاتی ہیں۔ جس کی تازہ مثالیں عراق اور افغانستان ہیں۔

(امریکی مکاریوں کی تاریخ، صفحہ ۱۲)

جان پرکنز ایسے ہی ایک گیدڑ بریٹ کے اعتراف کو یوں نقل کرتے ہیں:۔

میں ایک صدر کے دفتر میں گیا جو دو روز پہلے منتخب ہوا تھا اور اسے مبارک باد دی۔ وہ ایک بڑے سائز کے ڈیسک کے پیچھے بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر چوڑے دہانے والی چیشائر کی بلی کی طرح دانت نکوستے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔

میں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنی جیکٹ کی میں پاکٹ میں ڈالا اور کہا مسٹر پریذیڈنٹ میرے پاس آپ کے اور آپ کی فیملی کیلئے تقریباً ایک کروڑ ڈالر ہیں بشرطیکہ آپ یہ گیم کھیلنے کیلئے ۔۔۔ آپ جانتے ہی ہیں ہمارے دوستوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کریں۔ وہ تیل کمپنیاں چلا رہے ہیں۔ اپنے انکل سام کی اچھی طرح خاطر مدارات کیجئے گا۔ پھر میں چند قدم اور قریب ہوا اپنا دایاں ہاتھ دوسری پاکٹ میں ڈالا۔ ذرا جھک کر اُس کے چہرے سے بالکل قریب ہوکر سرگوشی کی۔

ادھر میرے پاس ایک گن اور گولی ہے جس کے اوپر آپ کا نام لکھا ہوا ہے۔۔۔اگر آپ نے اپنے انتخابی وعدے پورے کرنے کا فیصلہ کر لیا تو۔۔۔

پھر میں پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا اور اس کے سامنے اُن صدور کی فہرست پڑھنا شروع کر دی جو قتل کر دیئے گئے تھے یا اُن کا تختہ اُلٹ دیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنے انکل سام کی حکم عدولی کی اور اکڑ دکھانے لگے تھے۔ ان میں ڈائیم سے لے کر ٹوریجو تک شامل ہیں۔۔۔ آپ کو اس روٹین کا تو پتا ہے ہی۔ اور وہ پیغام کو سمجھ گیا۔ (ایضاً صفحہ ۱۹۷)

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

کوئی صاحب شعور شخص کسی سربراہ مملکت کو اس وقت تک قتل نہیں کرتا جب تک وہ اُس سے اپنی بات منوانے کیلئے کوششیں کر کے عاجز نہ آ چکا ہو۔ کوئی سیاستدان یا سی آئی اے ایجنٹ آسانی سے اس کام پر آمادہ نہیں ہوتا حتی کہ مافیا کا بے ضمیر اور بے حس کارندہ بھی ایسا نہیں کرتا۔ یہ بے حد خطرناک اور غلیظ حرکت ہوتی ہے۔ اس میں غلطی کے امکانات بھی بہت ہوتے ہیں۔ اس کام پر معمور شخص پہلے اپنے قاصد یا ایلچی بھیجتا ہے۔ وہ بھاری رشوت پیش کر کے دیکھتا ہے۔ اگر اس سے کام نہ نکلے تو بغاوت سے ڈرایا جاتا ہے، پھر بھی بات نہ مانی جائے تو قتل کرا دیا جاتا ہے۔ جب مجھے ایسے مسـ ـشنوں پر بھیجا جاتا تو میں بریٹ کی بہ نسبت زیادہ محتاط ہوا کرتا تھا۔ میں ہمیشہ یہ مفروضہ قائم کر لیتا کہ سرکاری دفاتر میں خفیہ ٹیپ ریکارڈرز نصب ہوتے ہیں اور وہ ہر قسم کی گفتگوؤں کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ تاہم دیئے جانے والے پیغام کے معنی وہی ہوتے۔ صدر کیلئے شک کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی جاتی، اُسے بتا دیا جاتا کہ اگر وہ ہمارے ساتھ تعاون کرے گا تو برسر اقتدار رہے گا اور دولت مند ہوتا چلا جائے گا، ورنہ اُسے اتار کر پھینک دیا جائے گا۔ خواہ زندہ رہے یا مارا جائے۔ (ایضاً صفحہ ۲۰۰،۱۹۹)

ان ہوش رُبا انکشافات کے بعد قارئین پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی ہوگی کہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں نے سلمان رشدی کے خلاف فتوے کو کیوں اسلامی تعلیم سے متصادم قرار دیا ہوگا۔

دوسری بات جو کیرن آرمسٹرانگ نے لکھی وہ یہ کہ سعودی عرب کے شیوخ نے بھی سلمان رشدی کے قتل کے فتوے کے خلاف فیصلہ دیا۔ مس کیرن! سعودی عرب یقیناً مسلمانوں کیلئے مقدس مقام ہے مگر وہاں کی حکومت کوئی مقدس گائے نہیں جس کے ہر حکم کو درست مان لیا جائے۔ دوسرا یہ کہ امریکی دباؤ سے سعودی عرب بھی علیحدہ نہیں ہے۔

ایم اے سلومی لکھتے ہیں:۔

سعودی حکام امریکی دباؤ بڑھنے پر بات مان گئے۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ انہوں نے ۲۰۰۳ء کے اوائل میں الحرمین سے متعلق غیر رسمی نوعیت کے پیپرز شائع کر دیئے۔ (Innoent victims in the Global war on Terror صفحہ ۱۴۳۔ از ڈاکٹر ایم اے سلومی مترجم محمد یحیٰ خان)

سعودی حکومت آلِ سعود کی ہی اولاد میں سے ہے جسے برطانیہ نے خلافتِ عثمانیہ کو تاراج کرنے کیلئے استعمال کیا اور اس کے بعد اس کو اقتدار دے دیا۔

جان پرکنز لکھتا ہے:۔

ہم معاشی غارت گر اس بات سے خوب آگاہ تھے کہ کسی بھی منصوبے کیلئے سعودی عرب ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے تیل کا ذخیرہ کسی بھی ملک کے ذخیرے سے زیادہ ہے جس کی بنا پر وہ 'اوپیک' کو کنٹرول کرتا ہے۔ جبکہ سعودی شاہی خاندان کے کئی افراد اپنے کردار کی خامیوں کی وجہ سے ہمارے قابو میں آسکتے تھے۔ مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے بادشاہوں کی طرح سعودی بھی نو آبادیاتی نظام کی سیاست سے بخوبی واقف تھے۔ آلِ سعود کو بادشاہت دلوانے میں برطانیہ کا جو کردار تھا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ (امریکی مکاریوں کی تاریخ، صفحہ ۲۲۷)

یقیناً ان اقتباسات کے بعد مس کیرن آرمسٹرانگ کو یہ تسلی ہو گئی ہو گی کہ اسلامک کانفرنس میں رکن ممالک کے ان بیانات کے پیچھے کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے اور ان کاسہ لیسوں کے بیانات و قرارداد کی مسلمانوں میں کیا حیثیت ہے۔ ملتِ اسلامیہ ایسے لاتعداد بیانات کو خاطر میں نہیں لاتی جو اِس کے بنیادی عقائد پر ضرب لگاتے ہوں اور جو ہمارے اسلاف کی روشن تحریروں اور کارناموں پر تنقید کرتے ہوں۔

اندلس میں تحریکِ شاتمینِ رسول اور کیرن آرمسٹرانگ

کیرن آرمسٹرانگ اندلس میں اُٹھنے والی عیسائی تحریک، تحریکِ شاتمین رسول سے وابستہ پادری پر فیکٹس (Perfectus) کے بارے میں لکھتی ہیں:۔

In 850 a monk called prefectus went shopping in the souk of Cordova, capital of the Muslim state of al-Andalus. Here he was accosted by a group of Arabs who asked him whether Jesus or Muhammad was the greater prophet. Perfectus understood at once that it was a trick question, because it was a capital offence in the Islamic empire to insult Muhammad, and at first he responded cautiously, But suddenly he snapped and burst into a passionate stream of abuse, calling the prophet of Islam a charlatan, a sexual pervert and Antichrist himself. He was immediately swept off to goal. **(Muhammad a Biography of the Prophet, Page 21)**

۸۵۰ء میں پر فیکٹس Perfectus نامی عیسائی راہب اندلس کی اسلامی مملکت کے دارالحکومت قرطبہ کے ایک بازار میں خریداری کر رہا تھا کہ عربوں کے ایک گروپ سے اس کی مڈ بھیڑ ہوگئی۔ ان عربوں نے اس عیسائی راہب سے سوال کیا کہ آیا عیسیٰ علیہ السلام بڑے پیغمبر تھے یا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)؟ پر فیکٹس فوراً سمجھ گیا کہ یہ سوال مکر و فریب پر مبنی ہے کیونکہ کسی اسلامی ریاست میں حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی توہین کرنے کے جرم کی سزا موت ہے۔ چنانچہ اس نے پہلے تو بڑی احتیاط کے ساتھ سوال کا جواب دیا لیکن پھر وہ اچانک جوش میں آگیا اور حضور کو گالیاں دینے لگا (نعوذ باللہ۔۔۔ مترجم) اور پیغمبر اسلام کو نبوت کا جھوٹا مدعی، جنسی اعتبار سے کج رو اور عیسیٰ کا دشمن کہنے لگا (نعوذ باللہ، نقل کفر، کفر نباشد۔۔۔ مترجم) چنانچہ اس راہب کو پکڑ کر قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ (محمد، صفحہ ۳۶)

کیرن صاحبہ نے یہ اقتباس، یقیناً ڈوزی کی کتاب سے لیا ہے اور ڈوزی کے بارے میں ظفر اقبال کلیار لکھتے ہیں:۔

ڈوزی اگرچہ تاریخ نگاری میں اپنی مثال آپ ہے مگر وہ بھی مسلمانوں سے تعصب برتتا ہے اور اس کا اندازِ بیان نہایت جگر خراش ہے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں پر ٹوٹنے والے مظالم کی اس نے صحیح تصویر کشی بھی نہیں کی۔ اُس نے ہر الزام مسلمانوں کے سر تھوپا ہے۔ (مسلمانانِ اندلس کی تاریخ مترجم ظفر اقبال کلیار صفحہ ۱۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

مس کیرن آرمسٹرانگ نے پادری پر فیکٹس کے حوالے سے لکھا کہ وہ جانتا تھا توہینِ رسالت کی سزا موت ہے اور مسلمانوں کا سوال مکر و فریب پر مبنی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مکروفریب کو بھی جانتا تھا۔۔۔توہینِ رسالت کی سزا سے بھی آگاہ تھا۔۔۔

پھر وہ اچانک جوش میں کیوں آگیا؟

کیا اس کے سینے میں پیغمبر اسلام کے خلاف تعصب کا لاوا پہلے ہی اُبل رہا تھا؟

یا اندلس کے مسلمان اچھے لوگ نہیں تھے؟

یا اندلس کے مسلمانوں کے عیسائیوں سے تعلقات خراب تھے؟

یقیناً مسلمان اچھے لوگ تھے جیسا کہ آپ خود لکھتی ہیں:۔

Where Christian-Muslim relation were normally good. Like the Jews, Christians were allowed full religious liberty within the Islamic empire and most Spaniards were proud to belong to such an advanced culture, light years ahead of the rest of Europe. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 22)

قرطبہ میں یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا کیونکہ وہاں عیسائیوں اور مسلمانوں کے تعلقات عام طور پر بہت اچھے تھے۔ مسلمانوں نے اپنی سلطنت میں یہودیوں کی طرح عیسائیوں کو بھی مکمل آزادی دے رکھی تھی اور اسپین کے باشندے ایک ایسے ترقی یافتہ معاشرے کے فرد کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے جو باقی یورپ کے مقابلے میں کئی صدیاں آگے تھے۔ (محمد، صفحہ ۳۶)

عزیزانِ گرامی! جب مسلمان اچھے لوگ تھے تو اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ متعصب پادری اور اس کے ہم نوا تعصب وحسد کی آگ میں جل رہے تھے۔

پروفیسر آئی ایچ برنی، لین پول کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

اُندلس میں عیسائیوں کو اپنے مذہبی رسوم آزادی کے ساتھ انجام دینے کی جو رعایتیں حاصل تھیں اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اندلس کے پادری کلیساؤں کے عہدِ رفتہ کے اقتدار کو پھر بحال کرنا چاہتے تھے کیونکہ مسلمانوں کے اقتدار نے اُن کی مذہبی بے راہ روی کو ختم کر دیا تھا لیکن مسلم حکومت کی رواداری سے اُن کو اس بات کا موقعہ نہ مل سکا کہ وہ عیسائی رعایا کے جذبات کو بھڑکا سکیں۔ چنانچہ اب انہوں نے یہ رخ اختیار کیا کہ غالی عیسائیوں کی ایک جماعت میں یہ خیالات پیدا کئے کہ مذہب کی اصل روح ریاضت اور تکلیف اُٹھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے حکمرانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر کے اپنے جسم اور گوشت پوست کو تکالیف پہنچائی جائیں تاکہ روح کا تزکیہ ہوسکے اور گناہوں کی تلافی بھی ہو۔ اس تحریک کا بانی قرطبہ کا ایک خاندانی راہب یولوجیس (Euloguis) تھا۔ وہ اپنی مشقت، مجاہدہ اور راہبانہ

طرزِ زندگی کی وجہ سے عیسائیوں میں عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جارہا تھا۔ اُس نے چند نوجوان فدائی تیار کیے کہ اپنی روح کو پاک کریں اور دین اسلام اور اس کے بانی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو برا کہیں۔ اسلامی قانون کی رو سے ایسا کرنے والے کی سزا قتل تھی۔ چنانچہ حکومت اس کے بدلے میں انہیں گرفتار کرلے گی جو عین سنتِ عیسیٰ ہے اور وہ اپنی جانوں کو قربان کرکے شہادت کا مرتبہ حاصل کرلیں گے۔ یولوجیس کی یہ تحریک کامیاب نہ ہوتی اگر قرطبہ کا ایک دولت مند نوجوان الوارو (Alvaro) اور ایک حسین دوشیزہ فلورا اس میں شریک نہ ہوتے۔ فلورا کا باپ مسلمان اور ماں عیسائی تھی۔ باپ کا انتقال ہوگیا تھا، ماں نے بچوں کو تعلیم و تربیت دلائی۔ فلورا کا بھائی تو اسلام پر قائم رہا لیکن ماں نے فلورا کو عیسائیت کی درپردہ تعلیم دی تھی۔ یولوجیس کی تبلیغ اور انجیل کے مطالعہ نے فلورا کے عیسائی جذبات کو بھڑکا دیا اور وہ بھاگ کر عیسائیوں کے پاس پناہ گزیں ہوگئی۔ جب اُس کے فرار کی ذمہ داری عیسائی پادریوں پر ڈالی گئی اور ان پر سختی کی گئی تو فلورا واپس آگئی اور اپنے عیسائی ہونے کا برملا اعلان کردیا۔ بھائی نے اس کو بہت سمجھایا اور ڈرایا مگر بے سود۔ چنانچہ معاملہ شرعی عدالت میں آیا اور قاضی نے اُس کے دڑے لگوائے اور اس کو گھر واپس کیا کہ وہ اسلام کی تعلیم حاصل کرے۔ گھر واپس آنے کے کچھ دن بعد فلورا پھر بھاگ کر کسی عیسائی کے ہاں روپوش ہوگئی۔ یہاں پہلی مرتبہ اس کی ملاقات یولوجیس سے ہوئی اور کہا جاتا ہے کہ دونوں کے دلوں میں مسیحی رشتوں کی معصوم اور پاک محبت پیدا ہوگئی لیکن فلورا کے حسین ہونے کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ فلورا نے اس کو مسیحی رشتے کی پاک محبت سمجھا ہو تو خیر ورنہ یولوجیس در حقیقت اس کے عشق میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اُس کے تاثرات جو پہلی ملاقات کے بعد ہوئے اُن سے اِس کا ثبوت مل سکتا ہے۔

اے مقدس بہن تو نے مجھ پر یہ کرم کیا کہ تو نے مجھ کو اپنی وہ گردن دکھائی جو دڑوں کی چوٹ سے پاش پاش ہوچکی تھی اور وہ خوب صورت لٹیں کاٹ دی گئی تھیں جو کبھی اس پر لٹکا کرتی تھیں۔ یہ اس لئے کہ تو نے مجھے اپنا روحانی باپ سمجھا اور تو نے مجھے اپنی طرح پارسا اور مخلص یقین کیا۔ میں نے ان زخموں پر آہستہ سے اپنا ہاتھ رکھا۔ میں نے چاہا کہ میں انہیں اپنے لبوں سے اچھا کردوں۔ کیا میں جسارت کرسکتا تھا..... جب میں تجھ سے جدا ہوا تو اس شخص کی مثل تھا جو خواب میں چہل قدمی کرتا ہو اور نہ ختم ہونے والی آہ وزاری کرتا ہو۔

اب اس تحریک کی تعلیمات کا عملی نتیجہ شروع ہوا۔ ایک شخص پادری پرفیکٹس نے عین عید کے دن مسلمانوں کے مجمع میں گھس کر اسلام اور بانیِ اسلام (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شان میں ناروا الفاظ کہے۔ مسلمان مشتعل ہوگئے اور اُس کو مار ڈالا۔ قرطبہ کا پادری اُس کی لاش کو اٹھا کر لے گیا اور عیسائیوں کی طرف سے اس کو ولی کا درجہ عطا ہوا۔ اُسی دن

دو مسلمان دریا میں ڈوب گئے جس کو عیسائیوں نے خدائی انتقام قرار دیا۔ پھر اسی سال عبدالرحمن اوسط کے خاص خادم نصر کی موت آئی اور اسے مسلمانوں سے خدا کا دوسرا انتقام قرار دیا گیا۔

ایک دوسرے پادری اسحاق (Isaac) نے قاضی عدالت کے سامنے اسلام کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ قاضی نے طمانچہ مار کر تنبیہ کی تو جواب دیا کہ خدا فرماتا ہے کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو دین داری کیلئے ستائے جاتے ہیں۔ آسمان کی بادشاہت ان ہی کیلئے ہے۔ چنانچہ اپنے کئے کی سزا پائی اور عیسائیوں میں ایک دوسرے ولی کا اضافہ ہوا۔

اس کے بعد قصر شاہی کے ایک پہرے دار سینکو کے دماغ میں یہ سودا سمایا اور شانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخیاں کیں اور قتل ہوا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور ۲۳۷ھ / ۸۵۱ء کے سال میں گیارہ عیسائیوں نے اپنی گندذہنی اور بدزبانی کو نجات کا ذریعہ بنا کر اپنی جانیں ضائع کیں۔

لین پول کا یہ بیان ہے 'اگرچہ گیارہ آدمیوں نے اپنی جانیں اس احمقانہ تحریک کیلئے دیں لیکن پھر بھی قرطبہ کے عیسائیوں کی اکثریت نے اس کو ناپسند کیا۔ چنانچہ تحریک پادریوں سے نکل کر عوام میں مقبول نہ ہو سکی۔ سمجھدار عیسائیوں نے اسلامی حکومت کی رواداری اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے شریفانہ طرزِ عمل کو یاد دلایا اور سمجھایا کہ مسلمان اپنی وسعتِ قلب کے باوجود اس بدزبانی کو برداشت نہ کریں گے۔ علاوہ ازیں ایسی خودکشی عیسائیت کے نقطۂ نظر سے جائز نہیں۔ انجیل مقدس کی یہ تعلیم بھی ہے کہ 'بدزبانی کرنے والے آسمانی بادشاہت میں داخل نہ ہوں گے' یولوجیس اعتراضات کے جوابات دیتا رہا۔ لیکن پھر بھی متعصب پادریوں کے علاوہ کوئی اور اس کا ہم نوا نہ بن سکا یہاں تک کہ پادیوں نے بھی اس تحریک کی مخالفت شروع کر دی۔ اشبیلہ کے اسقف اعظم نے ایک مجلس میں اس تحریک کی مذمت کی۔ اس کے بعد اس تحریک کے سرگرم ارکان قید کر لئے گئے۔ بظاہر یہ تحریک بڑی حد تک دب گئی لیکن اتفاق سے فلورا کی ملاقات اسحاق پادری کی بہن میری سے ہوئی جس نے ایک بار پھر اُس کو آسمانی بادشاہت میں جانے کیلئے تیار کر لیا۔ چنانچہ دونوں لڑکیاں قاضی کے سامنے آئیں اور شانِ رسالت میں گستاخی کرنا شروع کی۔ قاضی نے پہلے تو بار بار منع کیا پھر قید کر کے جیل خانہ بھیج دیا کہ شاید جوش ٹھنڈا ہو جانے کے بعد راہ راست پر آ جائیں۔ قید خانہ میں یولوجیس بھی موجود تھا اُس نے اِن دونوں کو اپنے مقصد میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی اور فلورا کیلئے شہادت کے فضائل پر ایک رسالہ بھی لکھا۔ یہ دونوں لڑکیاں اپنے عزم پر قائم رہیں اور ۲۴ نومبر ۸۵۱ء / ۲۳۷ھ میں قتل کر دی گئیں۔

(مسلم اسپین صفحہ ۱۹۵۔۱۹۷ پروفیسر آئی ایچ برنی۔ تاریخ اندلس از مولا ریاست علی ندوی صفحہ ۳۷۱ بحوالہ Moors in Spain)

اس جنونی تحریک کا اصل بانی یولوجیوس تھا۔ یولوجیوس کون تھا؟ اس کا خاندانی پس منظر کیا تھا؟

پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی لکھتا ہے:۔

Eulogius belonged to an old Cordovan family equally distinguished for its devotion to Christianity and its hatred of Islam. The grandfather of Eulogius, bearing the same name, when he heard the muezzins announcing from their minarets the hours of prayer, used to cross himself and chant the words of the Psalmist: 'Keep not thou silence, O God: hold not thy peace! For, lo, thine enemies make a tumult :and they that hate thee have lifted up the head.' Great, however, as was the aversion of the family to Musulmans, Joseph, the youngest of the three brothers of Eulogius, held an oflficial post under the Government, while the other two followed commercial pursuits; a sister named Anulo, however, took the veil, and Eulogius himself had been destined for the tonsure from his youth. Becoming a pupil of the priests of the church of S. Zoilus, he studied night and day with such assiduity that he soon outstripped not only his fellow-pupils, but also his teachers. (Spanish Islam: A History Of The Moslems In Spain By Reinhart Dozy :Page #273 Translated With A Bio Graphical Introduction; And Additional Notes By Francis Griffin Stokes London Chatto Windus 1913)

یولوجیوس ایک بہت پرانے قرطبی خاندان کا آدمی تھا۔ یہ خاندان جس قدر عیسائی مذہب سے شغف رکھتا تھا اسی قدر اسلام سے عداوت رکھنے میں مشہور تھا۔ یولوجیوس کا دادا جس کا نام بھی یولوجیوس ہی تھا۔ جس وقت مسجد کے مینار سے اذان کی آواز سنتا تھا تو اپنے جسم پر نشانِ صلیب بناتا تھا اور داؤد نبی کا یہ زبور گانے لگتا تھا: اے خدا! چپ نہ ہو، اے خدا! چین نہ لے، کیونکہ دیکھ تیرے دشمن اودھم مچاتے ہیں اور ان لوگوں نے جو تجھ سے کینہ رکھتے ہیں سر اُٹھایا ہے اگرچہ یولوجیوس کا خاندان مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا مگر اس کے تین بھائیوں میں سے سب سے چھوٹا بھائی جوزف اسلامی حکومت کا ملازم تھا، دو بھائی تجارت کرتے تھے، ایک بہن تھی جس کا نام انولو تھا، یہ کسی دیر راہبات میں راہبہ ہوگئی تھی یولوجیوس کی تعلیم شروع ہی سے اس غرض سے ہوئی تھی کہ پادری بنے۔ خانقاہ شنت زولوس کے پادریوں کی شاگردی میں اُس نے دن رات اس قدر محنت کی کہ اپنے ہم مکتبوں ہی سے نہیں بلکہ استادوں سے بھی بڑھ گیا۔ (عبرت نامہ اندلس، صفحہ ۲۶۳)

یولوجیوس مزید آگے بڑھنے کیلئے راہبوں کے امیر اسپراء کے درس میں شریک ہونے لگا۔ اسپراء خود بھی اسلام سے سخت تعصب رکھتا تھا۔ اُس نے اسلام کے رڈ پر ایک کتاب لکھی تھی۔ اسپراء کی صحبت میں یولوجیوس کا اسلام کے خلاف تعصب وعداوات کچھ اور بھی بڑھ گیا، جیسا کہ ڈوزی لکھتا ہے:۔

This zealous divine acquired a commanding influence over the young Eulogius, and it was the Abbot who instilled into his mind that life-long and implacable hatred of Islam which characterised his pupil. (Spanish Islam: A History Of The Moslems In Spain By Reinhart Dozy: Page 274# Translated With A Bio Graphical Introduction; And Additional Notes By Francis Griffin Stokes London Chatto Windus 1913)

اسپراء نے نوجوان یولوجیوس پر اپنا بہت اثر پہنچایا اور اسی رئیس راہبان نے اس کے دل میں اسلام کی طرف سے وہ عداوت پیدا کی جو بعد میں یولوجیوس کی طبیعت کا خاصہ ہوگئی۔ (عبرت نامہ اندلس، صفحہ ۲۶۲)

یولوجیوس بھی اپنے انجام کو پہنچا جب اُسے ایک اور دوسرے جرم میں تازیانے کی سزا سنائی گئی تو اُس نے اس کو اپنے لئے بے عزتی سمجھا جیسا کہ ڈوزی لکھتا ہے:

Since proselytism, to which Eulogius thus pleaded guilty, was not a capital offence, the Kady merely condemned him to be beaten. Eulogius instantly made up his mind.Perhaps his resolution was due rather to pride than to courage ,but he decided that it was a hundred times better for such a man as himself to seal with his blood his life-long principles than to submit to an ignominious punishment.' Whet thy sword! 'He cried to the Kady: 'restore my soul to its creator; but think not that I will permit my body to be torn with the lash'!

Thereupon he poured forth a torrent of imprecations against the Prophet. He expected to be instantly condemned to death; but the Kady, who respected him as the primate elect of Spain, did not venture to assume so great a responsibility, and sent him to the palace in order that the V^iziers might decide his fate. (Spanish Islam: A History Of The Moslems In Spain By Reinhart Dozy: Page# 305, 306 Translated With A Bio Graphical Introduction; And Additional Notes By Francis Griffin Stokes London Chatto Windus 1913)

یولوجیوس نے قاضی کا حکم سنتے ہی اپنے دل کا ارادہ مضبوط کر لیا۔ اُس ارادے کی وجہ ہمت اتنی نہ تھی جتنا غرور تھا۔ یولوجیوس نے فیصلہ کر لیا کہ تازیانے کی بے عزت کرنے والی سزا برداشت کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہوگا کہ جن اُصولوں کا عمر بھر سے پابند چلا آیا ہے اُن کی تصدیق اپنی جان سے کرے۔ چنانچہ اُس نے فوراً قاضی سے پکار کر کہا قاضی اپنی تلوار تیز کر میری روح کو اس کے خالق کے پاس روانہ کر اس خیال میں نہ رہ کہ میں کوڑوں سے اپنی پیٹھ کی کھال اُدھڑوا دوں گا۔

اتنا کہہ کر اب اس پادری نے مسلمانوں کے پیغمبر کی نسبت نہایت سخت بے ادبی کے الفاظ کی بوچھاڑ کر دی وہ سمجھتا تھا کہ اس دُشنام دہی کے بعد وہ فوراً قتل کر دیا جائے گا لیکن قاضی نے اس خیال سے اس کا لحاظ کیا کہ وہ تمام ملک اسپین کے عیسائیوں کا مطران منتخب ہوچکا ہے۔ ایسی صورت میں اُسے سزائے قتل دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر نہ لینی چاہی اور یولوجیوس کو قصرِ امارت میں بھیج دیا کہ وزرائے سلطنت اس کے بارے میں جو کچھ حکم سنانا ہو سنائیں۔ (عبرت نامہ اندلس صفحہ ۵۰۶)

اس کے بعد وزرائے سلطنت نے حقائق وشہادت کے بعد اس کو اس کے کئے کی سزا کے طور پر مقتل روانہ کر دیا۔

ایلویر و اور Euologios کی خاموش حمایت کرتے ہوئے کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

Eulogio and Alvaro both believed that the rise of Islam was a preparation for the advent of Anti-christ, the great pretender described in the New Testament, whose reign would herald the Last Days. The author of the second Epistle to the Thessalonians had explained that Jesus would not return until the 'Great Apostasy' had taken place: a rebel would establish his rule in the Temple of Jerusalem and mislead many Christian with his plausible doctrines. The Book of Revelation also spoke of a great Beast, marked with the mysterious number 666 ,who would crawl out of the abyss, enthrone himself on the Temple Mount and rule the world.6 Islam seemed to these ancient prophecies perfectly. The Muslims had conquered Jerusalem in 638, had built two splendid mosques on the Temple Mount and did indeed seem to rule the world. Even though Muhammad had lived after Christ, when there was no need for a further revelation, he had set himself up as a prophet and many Christian had apostatized and joined the new religion .Eulogio and Alvaro had in their possession a brief life of Muhammad, which had taught them that he had died in the year 666 the Era of Spain, which was thirty-eight years ahead of conventional reckoning. This late eighth century western biography of Muhammad had been produced in the monastery of near Pamplona on the hinterland of the Christian world, which trembled before the mighty Islamic giant. Besides the political threat, the success of Islam raised a disturbing theological question: how had God allowed this impious faith to prosper? Could it be that he had deserted his own people?

The diatribes against Muhammad uttered by the Cordovan martyrs had been based on this apocalyptic biography. In this fear-ridden fantasy, Muhammad was an impostor and a charlatan, who had set himself up as a prophet to deceive the world; he was a lecher who had wallowed in disgusting debauchery and inspired his followers to do the same; he had forced people to convert to his faith at sword point. Islam was not an independent revelation, therefore, but a heresy, a failed from of Christianity; it was a violent religion

of the sword that glorified war and slaughter. **(Muhammad a Biography of the Prophet by Page: 24)**

ایلویرو Alvaro اور Eulogio دونوں کو یقین تھا کہ اسلام کا عروج نبوت کے جھوٹے مدعی دجال کی آمد کی تیاری ہے جس کا تذکرہ عہد نامہ جدید میں کیا گیا ہے اور جس کی سلطنت قیامت کی نشانی ہوگی۔ **Second Epistle to the Thessalonians** کے مصنف نے واضح کیا تھا کہ جب تک دنیا میں ارتداد اور الحاد کا عظیم فتنہ برپا نہیں ہوگا اور ایک باغی بیت المقدس کے معبد پر قبضہ کرکے اپنے خوش نما نظریات کے ذریعے بہت سے عیسائیوں کو گمراہ نہیں کردے گا۔ اس وقت تک عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ ظہور نہیں ہوگا۔ **(2nd Thessalonians 1:4-8)** لیکن اس کا مصنف سینٹ پال نہیں تھا۔ یہ خط پال کی وفات کے کئی گھنٹوں بعد لکھا گیا۔ کتابِ مکاشفہ میں ایک دیو ہیکل چوپائے کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس پر ۶۶۶ کا پراسرار ہندسہ لکھا ہوگا وہ ایک غار سے باہر نکل کر خود قبۃ الصخریٰ پر تخت نشین ہوجائے گا جس کے بعد پوری دنیا پر اس کی شہنشاہیت قائم ہوجائے گی **(کتابِ مکاشفہ ۱۹:۱۹)** اسلام ان تمام قدیم پیش گوئیوں پر پورا اترتا تھا۔ مسلمانوں نے ۶۳۸ء میں بیت المقدس کو فتح کرلیا۔ انہوں نے قبۃ الصخریٰ پر دو عظیم الشان مسجدیں تعمیر کیں اور پوری دنیا پر ان کی حکمرانی قائم ہوگئی گو کہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظہور ہوا جب کسی وحی کی ضرورت نہیں تھی آپ نے ایک پیغمبر کی حیثیت سے اپنا لوہا منوالیا۔ چنانچہ بہت سے عیسائی اپنے مذہب کو چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہوگئے ایلویرو اور Eulogio کے پاس آنحضرت کی ایک مختصر سوانح عمری موجود تھی جس سے انہیں معلوم ہوا کہ حضور کی رحلت اسپین کے عیسوی سن کے مطابق ۶۶۶ میں ہوئی تھی جو روایتی گنتی سے ۳۸ سال آگے تھے۔ مغرب میں آٹھویں صدی کے آخر میں لکھی جانے والی آنحضرت کی یہ سیرت مسیحی دنیا میں، جو طاقت ور اسلامی دیو کے سامنے لرزہ براندام تھا ورائے ساحل Pamplona کے قریب واقع Leyre کی ایک خانقاہ میں لکھی گئی تھی۔ اسلام کی کامیابی نے ایک سیاسی خطرے کے علاوہ یہ پریشان کن مذہبی مسئلہ بھی کھڑا کردیا کہ آخر خدا نے اس ناپاک دین کو پھلنے پھولنے کی اجازت کیوں دی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے اپنے لوگوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے؟

قرطبہ کے شہیدوں نے توہینِ رسالت کا جو ارتکاب کیا اس کی بنیاد سیرت کی یہی کتاب تھی۔ خوف اور دہشت کی فضا میں آنحضرت کا جو خیالی پیکر بنایا گیا اس میں آپ کو (نعوذ باللہ۔۔۔۔ مترجم) ایک مکار اور جھوٹا مدعی نبوت کہا گیا جس نے دنیا کو دھوکا دینے کیلئے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا آپ (نعوذ باللہ) ایک شہوت پرست انسان تھے جو نشے میں رہتے اور اپنے پیروکاروں کو بھی یہی کچھ کرنے کی ترغیب دیتے۔ آپ نے تلوار کی نوک پر لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا۔

پیغمبر اسلام پر خدا کی طرف سے الگ وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک بدعت و کفر اور عیسائیت کی ناکام شکل ہے۔ اسلام تلوار کے ذریعے پھیلنے والا متشدد دین ہے جس نے جنگ و جدل اور ذبح کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۴۰،۳۹)

قانونِ ناموسِ رسالت مستشرقین کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا ہے۔ اُن کو اس بات کا دھڑکا لگا رہتا ہے کہ ہمارے قلم جو تحقیق کی آڑ میں گستاخی اور اسلام کی نظریاتی سرحدوں پر وار کرتے ہیں، اس قانون کی زد میں نہ آجائیں۔ احبابِ من! کیا توہین رسالت کا قانون صرف مذہب اسلام میں ہی ہے اور دیگر مذاہب میں اُن کے مذہبی پیشواؤں کی شان میں گستاخی کی سزا کچھ اور ہے؟

جی نہیں اُن کے یہاں بھی اُن کے پیشوا کی شان میں گستاخی کی سزا موت ہی ہے۔ چین کے فوجداری قوانین کا مطالعہ کیجئے، آپ پر روشن ہو جائے گا کہ اُن کے مہاتما بدھ کے مجسمے کی توہین کی سزا موت ہے لیکن اس سزا پر مستشرقین اور مستغربین کوئی شور نہیں کرتے۔

بائبل میں توہینِ انبیاء کی سزا

بائبل میں بھی توہینِ مذہب اور خدا کی توہین کی سزا موت ہے جیسا کہ احبار میں ہے:۔

اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اُسے قطعی سنگسار کرے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جب وہ پاک نام پر کفر بکے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے۔ (احبار، باب ۲۴ آیت ۱۶)

لیکن جو شخص بے باک ہو کر گناہ کرے خواہ دیسی ہو یا پردیسی وہ خداوند کی اہانت کرتا ہے۔ وہ شخص اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا کیونکہ اُس نے خداوند کے کلام کی حقارت کی اور اس کے حکم کو توڑ ڈالا، وہ شخص بالکل کاٹ ڈالا جائے گا۔ (گنتی باب ۱۵ آیت ۳۱،۳۰)

دیکھئے بے باک ہو کر گناہ کرنے کی سزا کتنی سخت ہے بائبل میں۔

توہینِ سبت کی سزا موت

بائبل میں توہینِ سبت کی سزا موت ہے۔

پس تم سبت کو ماننا اس لئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے جو کوئی اس کی بے حرمتی کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے، جو اس میں کچھ کام کرے وہ اپنی قوم میں سے کاٹ ڈالا جائے۔ چھ دن کام کاج کیا جائے لیکن ساتواں دن آرام کا سبت ہے جو خداوند کیلئے مقدس ہے جو کوئی سبت کے دن کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔ (خروج باب ۳۱ آیت ۱۵،۱۴)

مزید آگے درج ہے:۔

ساتواں دن تمہارے لئے روزِ مقدس یعنی خداوند کے آرام کا سبت ہو۔ جو کوئی اس میں کام کرے وہ مار ڈالا جائے۔ (خروج باب ۳۵ آیت ۲،۳)

عزیزانِ گرامی! سبت کی توہین کس طرح ہوتی ہے تالمود میں اس موضوع پر دو باب تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اُس میں سے ایک دن حسب ذیل کام کرنا توہینِ سبت میں آتا ہے اور اس کی سزا موت ہے، وہ کام کیا ہیں۔

قاموس الکتاب کے مسیحی مصنف ایف ایس خیر اللہ رقم طراز ہیں:-

سبت کے دن حسبِ ذیل ۳۹ کاموں سے منع کیا گیا ہے۔ ہل چلانا، بیج بونا، فصل کاٹنا، پولے باندھنا گاہنا، ہوا میں اُڑنا، صاف کرنا، پیسنا، چھاننا، گوندھنا، پکانا، اُون کترنا، اُسے دھونا، اُسے کوٹنا، اُسے رنگنا، اُسے کاتنا، اُسے بٹنا، اُس کی دوڈوریاں بنانا، اُسکے دودھاگے بُننا، دودھاگوں کو الگ کرنا، گانٹھ لگانا، گانٹھ کھولنا، دوٹانکے لگانا، سینے کیلئے دوٹانکے توڑنا، ہرن پکڑنا، اُسے ذبح کرنا، اُس کی کھال اُتارنا، اُسے نمک لگانا، اُس کی کھال تیار کرنا، اُس پر سے بال کھرچنا، اُسے کاٹنا، دوخط لکھنا، دوخط لکھنے کیلئے مٹانا، تعمیر کرنا، ڈھانا، بجھانا، آگ جلانا، ہتھوڑے سے کوٹنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کسی چیز کو لے کر جانا۔ پھر ان بڑی بڑی باتوں کی مزید تشریح کی گئی ہے جس کی وجہ سے سینکڑوں اور باتیں نکل آئیں جنہیں شریعت کا پابند ایک یہودی سبت کے دن نہیں کر سکتا تھا۔ مثلاً گانٹھ لگانا ایک عام سی بات ہے اِس لئے یہ بتانا ضروری سمجھا گیا کہ کون سی گانٹھ لگائی جاسکتی ہے اور کونسی نہیں۔ صرف اُسی گانٹھ کو کھولنے کی اجازت تھی جو ایک ہاتھ سے کھولی جاسکتی ہے۔ عورتیں اپنے زیر جاموں، ٹوپی کے فیتوں، کمربند، جوتی کے تسموں، مے اور تیل کی مشکوں اور گوشت کے برتن کو باندھ سکتی تھیں لیکن رسّی سے نہیں۔ سبت کے دن لکھنے کے متعلق مزید تشریح کی گئی اگر کوئی شخص اپنے دہنے یا بائیں ہاتھ سے دوخط لکھے تو خواہ وہ ایک ہی قسم کے ہوں متفرق روشنائی سے یا مختلف زبان میں لکھے گئے ہوں سبت کے حکم کو توڑنے کا مجرم ہے۔ سبت کے دن لکھنے کے بارے میں مزید تشریح کی گئی ہے اگر وہ بھول چوک سے بھی دوخط لکھے تو مجرم ہے خواہ وہ انہیں روشنائی سے، پینٹ سے، سرخ چاک سے، نیلے تھوتھے سے یا کسی اور چیز سے جو مستقل نشان چھوڑے، لکھے۔ اگر کوئی دو دیواروں پر جو زاویہ بناتی ہوں یا اپنے بہی کھاتے کی دو تختیوں پر جو ایک ساتھ پڑھی جاسکتی ہوں لکھے تو مجرم ہے۔ اگر کوئی اپنے جسم پر لکھے تو مجرم ہے۔ (قاموس الکتاب صفحہ ۵۰۰۔ از ایف ایس خیر اللہ مطبوعہ مسیحی کتب خانہ لاہور)

یعنی اگر اُس دن ہل چلایا تو اُس دن کی توہین، سزا موت۔۔۔ بیج بویا تو، سزائے موت۔۔۔ آگ جلائی تو توہینِ سبت کی پاداش میں اُس کو کاٹ ڈالا جائے۔۔۔ کوئی چیز گوندھی تو توہینِ سبت کے قانون کے تحت سنگ سار کیا جائے۔

جنابِ عالی! جس مذہب میں اللہ کے دن کی توہین پر اتنا سخت قانون ہو تو اللہ کے محبوب کی اہانت پر دنیائے استشراق کیوں شور کرنے لگتی ہے کہ یہ قانون بہت سخت ہے۔

عیسائیت میں توہینِ عیسیٰ کفر ہے اور کفر کی سزا موت۔

متی کی انجیل میں ہے:۔

اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اُس کو لعن طعن کرتے۔ (متیٰ باب ۲۷ آیت ۳۹)

اسی آیت کے حوالے سے قاموس الکتاب کا مصنف لکھتا ہے:۔

یاد رہے کہ یہاں وہی یونانی لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ دیگر جگہ کفر ہے۔ یعنی یہ لوگ کفر کے مرتکب ہوئے چونکہ موسیٰ، پولس اور خداوند مسیح خدا کے نمائندے تھے اس لئے اُن کے خلاف توہین آمیز الفاظ خدا کے خلاف کفر کے مترادف تھے اور ان میں خداوند مسیح کا تو ایک بے مثال کردار تھا کیونکہ وہ نہ صرف نمائندے بلکہ خود مجسم سچائی تھے اس لئے اُن کے اور ان کی تعلیم کے خلاف آواز اُٹھانا گویا خدا کی بے عزتی کرنے کے برابر تھا۔ (قاموس الکتاب صفحہ ۷۹۵)

اور بائبل میں کفر کی سزا موت ہے جیسا کہ متی کی انجیل میں بھی درج ہے:۔

سردار کاہن نے اُس سے کہا کہ میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے۔ یسوع نے اُس سے کہا تو نے خود کہہ دیا بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔ اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائق ہے۔ (متی باب ۲۶ آیت ۶۴ تا ۶۷)

یہودیوں نے ایک مسیح مبلغ ستفنس پر موسیٰ علیہ السلام کی توہین کا الزام لگایا اور اُسے اِس جرم کی وجہ سے قتل کیا گیا جیسا کہ بائبل میں ہے:۔

اس پر انہوں نے بعض آدمیوں کو سکھا کر کہلوا دیا کہ ہم نے اس کو موسیٰ اور خدا کے برخلاف کفر کی باتیں کرتے سنا پھر وہ عوام اور بزرگوں اور فقیہوں کو اُبھار کر اُس پر چڑھ گئے اور پکڑ کر صدر عدالت میں لے گئے اور جھوٹے گواہ کھڑے کئے جنہوں نے کہا یہ شخص اس پاک مقام اور شریعت کے برخلاف بولنے سے باز نہیں آتا کیونکہ ہم نے اُسے یہ کہتے سنا ہے کہ وہی یسوع ناصری اس مقام کو برباد کردے گا اور ان رسموں کو بدل ڈالے گا جو موسیٰ نے ہمیں سونپی ہیں۔ (اعمال باب ۶ آیت ۱۱ تا ۱۴)

اس مسیحی مبلغ کا انجام کیا ہوا اسے توہینِ موسیٰ اور توہینِ شریعت کے جرم میں کیا سزا دی گئی؟

اعمال کی کتاب میں ہے:۔

شہر سے باہر نکال کر اسے سنگسار کرنے لگے اور گواہوں نے اپنے کپڑے ساؤل نامی ایک جوان کے پاؤں کے پاس رکھ دیئے پس یہ ستفنس کو سنگسار کرتے رہے۔ (اعمال باب ۷ آیت ۵۹،۵۸)

اے یارانِ طریقت! مستشرقین کو بائبل میں یہ سزائیں بھی نظر آتی ہوں گی لیکن اسلام دشمنی میں قلم و قرطاس کی حرمت کو پامال کرنا ہی اہل صلیب کے قلم کاروں کا مقدس مشن ہے۔

کیرن اپنی ایک اور کتاب Muhammad Prophet for our Time میں لکھتی ہیں:۔

I became convinced of these fifteen years ago, after the fatwah of Ayatollah Khomeinihad sentenced Salman Rushdie and his publishers to death because of what was perceived to be a blasphemous portrait of Muhammad in the Satanic Verses. I abhorred the fatwah and believed that Rushdie's liberal supporters segued from a denunciation of the fatwah to an out -and-out condemnation of Islam itself that bore no relation to the facts.
(Muhammad a Prophet for our Time Page: 18)

میں پندرہ برس قبل اس بات کی قائل ہوئی جب آیت اللہ خمینی نے سلمان رشدی اور اس کے پبلشروں کی موت کا فتویٰ جاری کیا۔ میں فتوے کو بے فائدہ سمجھتی تھی لیکن رشدی کے کچھ لبرل حامیوں کے خیالات سے بہت پریشان ہوئی جو فتوے کو مسترد کرنے کے بہانے مذہب اسلام کی تردید کرنے میں مصروف تھے حالانکہ قتل کے فتوے اور مذہب اسلام میں کوئی تعلق نہیں۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۹)

مس کیرن کیوں فتوے کو بے فائدہ سمجھتی ہیں؟

فتوے کو مسترد کرنے والے لبرل افراد کیوں اسلام کی تردید میں مصروف تھے؟

آپ نے کیونکر سمجھ لیا کہ فتوے اور مذہب اسلام میں کوئی تعلق نہیں؟

اگر یہ فتویٰ بے فائدہ تھا تو اس پر آپ کو گفتگو کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ لیکن ناموسِ رسالت کا عقیدہ مستشرقین کی نظروں میں خار بن کر کھٹکتا ہے۔

کیوں کہ اقبال نے بہت پہلے کہا تھا۔

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

اے محبانِ حق و صداقت! آج وہ دور ہے جب ایک حریفِ آفتاب، عین نصف النہار کے وقت سورج سے آنکھیں لڑاتا ہے اور پوچھتا ہے اس کے روشن ہونے کا ثبوت کیا ہے۔

مس کیرن آر مسٹرانگ! عقیدۂ ناموسِ رسالت عقائد کی روح ہے۔ محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ عمل ہے جو تمام اعمالِ صالحہ کی جان ہے۔ عشقِ پیغمبر اسلام ہی اسلام کی جان ہے۔ ایمان و عقیدتوں کا محور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

کیرن صاحبہ آپ نے اسلامی عقائد و تاریخ بھی تفصیل سے پڑھی ہے، کیا اس کے بعد اس بات کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آپ اس عقیدے کی اہمیت سے واقف نہ ہوں۔ یقیناً آپ واقف ہیں اس عقیدے کی اہمیت سے اُمتِ مسلمہ کا عروج نہ طاقت میں پوشیدہ ہے اور نہ افرادی قوت میں۔ ملتِ اسلامیہ کی کامیابی کا راز نہ صنعت و حرفت کی ترقی میں ہے اور نہ ہی دشتِ ارض کی سیاحی میں۔ اِس قوم کا عروج۔۔۔۔ اس قوم کی کامیابی۔۔۔ اس ملت کا اثاثہ۔۔۔ اِس اُمت کا بامِ عروج محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ناموسِ رسالت سے ہی منسلک ہے۔ اگر یہ اساس، یہ بنیاد، یہ محور و مرکز اُمتِ مسلمہ میں سے نکال دیا جائے تو یہ قوم راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں رہے گی۔

اُمتِ مسلمہ کا رازِ عروج

ناموسِ رسالت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت ہی ملتِ اسلامیہ کے عروج اور اُمتِ مسلمہ کے ناقابلِ شکست ہونے کا راز ہے۔

صلح حدیبیہ کے وقت کفار کی جانب سے سفارت کے فرائض انجام دینے کیلئے اہلِ مکہ نے عروہ بن مسعود کو بھیجا۔ عروہ نے واپس پہنچ کر اہلِ مکہ کو کیا پیغام دیا۔

بخاری شریف میں ہے:۔

پھر عروہ اصحابِ رسول کو غور سے دیکھنے لگا، راوی کا بیان ہے کہ وہ دیکھتا رہا کہ جب بھی آپ تھوکتے تو وہ کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں آتا جس کو وہ اپنے چہروں اور بدن پر مل لیتا تھا۔ جب آپ کسی بات کا حکم دیتے تو اُس کی فوراً تعمیل کی جاتی تھی۔ جب آپ وضو فرماتے تو لوگ آپ کے مستعمل پانی کو حاصل کرنے کیلئے ٹوٹ پڑتے تھے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر ایک کی کوشش ہوتی تھی کہ یہ پانی میں حاصل کروں، جب لوگ آپ کی بارگاہ میں گفتگو کرتے تو اپنی آوازوں کو پست رکھتے تھے اور غایت تعظیم کے باعث آپکی طرف نظر جما کر نہیں دیکھتے تھے۔ اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا اور ان سے کہنے لگا اے قوم! واللہ میں بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں، مَیں قیصر و کسریٰ کے درباروں میں اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم مَیں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اُس کے ساتھی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد کے ساتھی اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جب وہ تھوکتے ہیں تو اُن کا لعابِ دہن کسی نہ کسی آدمی کی ہتھیلی پر ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے، جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو فوراً اُن کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے، جب وہ وضو فرماتے ہیں تو یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ لوگ وضو کا مستعمل پانی حاصل کرنے پر ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ وہ اُن کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اور غایت تعظیم کے باعث وہ اُن کی طرف آنکھ بھر کر دیکھ نہیں سکتے۔

(صحیح بخاری مترجم از علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری جلد دوم صفحہ ۳۰۔ مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۹۹۱ء)

اے عقلاءِ زمانہ! اُمتِ مسلمہ کے عروج و استقامت کا راز سفیرِ مکہ نے کس طرح بیان کیا۔ شہنشاہوں کے دربار میں جہاں دولت کے انبار لگے ہوتے ہیں، جسموں سے لے کر اذہان تک جہاں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہوں، جہاں تعظیم و ادب کے قواعد و ضوابط بنانے کیلئے اعلیٰ ترین دماغ موجود ہوں، جن کے درباروں میں رعب و دبدبۂ شاہی کا یہ عالم ہو کہ چڑیا بھی پر نہ مار سکتی ہو، جہاں خوف و دہشت کی ایسی فضا ہو کہ اگر تعظیم میں کوتاہی ہو تو کھال جسم سے الگ کر دی جائے۔ اُن درباروں کے بارے میں سفیرِ مکہ نے کیا کہا۔۔۔

واللہ مَیں بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں، مَیں قیصر و کسریٰ میں اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا ہوں

لیکن خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اُس کے ساتھی اس طرح تعظیم کرتے ہوں

جیسے محمد کے ساتھی اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔

سفیرِ مکہ نے اپنی قوم کو یہ نکتہ سمجھا دیا کہ وہ قوم جو اپنے نبی کے جسم پر لگنے والے پانی کا زمین پر گرنا برداشت نہ کر سکتے ہوں وہ میدانِ جنگ میں کیسے اپنے نبی کا خون گرنا برداشت کر لیں گے۔

احبابِ من! اسوۂ صحابہ، اُمتِ مسلمہ کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ جب تک تم اپنے محبوب آقا سے ایسی محبت کرتے رہو گے۔۔۔ آپ کے حکم پر تن من دھن کی بازی لگانے کیلئے تیار رہو گے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر ہی متاعِ ایمان اور روحِ ایمان جانو گے تو قسم خدا کی تمہیں دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکے گی۔

کیرن آرمسٹرانگ اور مستشرقین بھی اس حقیقت سے واقف ہیں اسی لئے وہ اس روحِ ایمان کو مسلمانوں کے سینوں سے نکال دینا چاہتے ہیں تاکہ جسمِ اسلام بغیر روح کے مردہ بدن ہو جائے۔

توہینِ رسالت کی سزا از روئے قرآن

محبوبِ خدا حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی وہ ہستی ہے جس کی شان میں گستاخی تجدید پسند منکرین درحقیقت مستشرقین سے مرعوب اس سزا پر کافی واویلا مچاتے ہیں۔ ہم نے گذشتہ صفحات پر بائبل کے حوالے دیئے کہ ان کے یہاں بھی اس فعل قبیح کی سزا سزائے موت ہی تھی، نہ صرف نبی بلکہ ہیکل اور فقیہ کی توہین کفر قرار پائی اور اس کی سزا، سزائے موت مقرر کی گئی۔

وقت کا ماتم تو یہ ہے کہ جن کی اپنی مذہبی کتب میں فقیہہ اور ہیکل کی گستاخی کی سزا موت ہو وہ اہلِ اسلام کی جان سے زیادہ عزیز شخصیت کے ناموس پر لعن طعن دراز کرتے ہیں۔ روشن خیالی کی قبا کو زیب تن کر کے 'علم و فضیلت کی دستار سر پر سجا کر' چہروں پر مکروہ مسکراہٹ بکھیرے قانونِ ناموسِ رسالت کی مخالفت کو اپنا اوڑھنا بچھونا قرار دیتے ہیں۔ یہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

یہ ناموسِ رسالت کے قانون کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟

انہوں نے ناموسِ رسالت کے قانون کی مخالفت کو اپنا مقصد زندگی کیوں بنا رکھا ہے؟

ڈاکٹر طاہر القادری اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس وقت ہماری بحث کسی اور مسئلے سے نہیں بلکہ اپنی توجہ کو صرف اس امر پر مرکوز کرنا ہے کہ جب زوال پذیر عالم اسلام میں مذہبی اور روحانی اقدار تنزل کا شکار ہو گئیں، اسلامی عقائد و اعمال محض مردہ رسوم میں بدل کر عملی تاثیر کھو بیٹھے، مسلمانوں کا مستقبل میں اپنے احیا کی نسبت اعتماد کلیۃً ختم ہو گیا، آئندہ کیلئے اسلام کے قابل عمل ہونے کا تصور دھندلا گیا، دور انحطاط میں اسلام کی حتمی اور قطعی نتیجہ خیزی کا یقین شکستہ ہو گیا، مسلم معاشرے میں ایمانی حقائق اور روحانی اقدار کی جگہ مادّہ پرستی نے لے لی، مذہب سماجی زندگی سے کٹ کر محض آخرت کی الجھنوں کا مداوا رہ گیا، اسلامی وحدت کا شیرازہ جغرافیائی، نسلی، لسانی، طبقاتی، گروہی اور فرقہ وارانہ وفاداریوں کے باعث منتشر ہو گیا، اسلام کے مذہبی، سیاسی، معاشی، عمرانی، ثقافتی اور تعلیمی ادارے جو سراسر تخلیق و انقلاب کے آئینہ دار تھے کلّی طور پر جمود و تعطل کی لپیٹ میں آ گئے، بچے کھچے اور منتشر مسلمان اسلام کی عالم گیر فتح کی خاطر مثبت انقلابی پیش قدمی کے بجائے اپنے وجود کی مخالفت اور دفاع کو ہی اصل زندگی اور آخری مطمع نظر سمجھنے لگے۔ تو استعماری قوتیں اس تغیر پر مطمئن بھی ہوئیں اور اس تغیر کے نتائج و مضمرات کو ہمیشہ کیلئے ملتِ اسلامیہ پر باقی رکھنے کی ترکیب بھی سوچنے لگیں کہ اگر اسلام کے دامن میں کوئی ایسی انقلاب انگیز قوت موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے مسلم قوم مذکورہ بالا تمام ترخامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود کسی وقت بھی اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کیلئے تن من دھن کی

بازی لگا سکتی ہے تو اسی قوت کا سراغ لگا کر اُس کے خاتمے کا موثر اہتمام کیا جائے تا کہ عالمِ اسلام اس ذلت و پستی کی حالت سے کبھی بھی نجات نہ پاسکے۔ کیونکہ اسی میں تمام طاغوتی اور مادّی قوتوں کی عافیت تھی۔ اسلام کی وہ عظیم انقلابی قوت جس سے عالمِ طاغوت لرزہ براندام تھا عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھی اور اسی سے مسلمانوں کی مذہبی وروحانی زندگی روزِ اوّل سے آج تک وابستہ ہے۔

مزید آگے لکھتے ہیں، زوالِ اسلام کے اس دور میں جب اقبال ملتِ اسلامیہ کے عروقِ مردہ میں عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغام کے ذریعے نئی روح پھونک کر اسے تباہی و ہلاکت سے بچانے کی فکر میں تھے۔ اسلام دشمن استعماری طاقتیں منظم ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں اسی عشقِ رسالت کی شمع بجھا دینے کا سوچ رہی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر مسلمانوں کے دل رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق و محبت سے خالی ہو گئے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی نہ تو انہیں اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلا سکتی ہے اور نہ ہی اصلاح و تجدید کی ہزاروں تحریکیں انہیں اپنی منزل مراد تک پہنچا سکتی ہیں۔ یہ محض ایک مفروضہ یا خیالِ خام نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت ہے۔ مغربی استعمار کی اسی سازش کی طرف علامہ مرحوم نے اشارہ فرماتے ہوئے کہا تھا۔

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات!
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

چنانچہ اس مقصد کے تحت اہلِ مغرب نے یہ فکری میدان اسلامی تحقیق کے نام پر بعض متعصب یہودی اور عیسائی مستشرقین کے سپرد کر دیا۔ جنہوں نے اسلام کی تعلیمات اور بانیِ اسلام کی شخصیت اور سیرت پر اس انداز سے تحقیق کر کے لاتعداد کتب تصنیف کیں کہ اگر ایک خالی الذہن سادہ مسلمان نہایت نیک نیتی کے ساتھ بھی ان تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا ذہن رسولِ اکرم کی ذات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے اور اُن کتابوں کے باقاعدہ مطالعہ سے جو ذہن تشکیل پاتا ہے اُسے عشقِ رسالت کے تصور سے دور کا بھی واسطہ باقی نہیں رہتا۔ ان مستشرقین نے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ذہنوں کو مسموم کرنے کا محاذ سنبھال لیا جس سے وہ اپنے مطلوبہ نتائج کافی حد تک حاصل کر رہے ہیں۔ مغربیت زدہ سیکولر ذہن جو فکری تشتت اور نظریاتی تشکیک میں مبتلا ہو کر خود کو روشن خیال مسلمان تصور کر رہا تھا مستشرقین کے زہریلے پروپیگنڈے کے باعث عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

دولت سے عاری ہوگیا اور مذہبی ذہن جو مستشرقین کے پراپیگنڈے کے اثر سے کسی نہ کسی طور بچ گیا تھا جدید لٹریچر کے نتیجے میں اسلام اور بانیِ اسلام سے وابستہ تو رہا لیکن عشق رسول کے عقیدے کو غیر اہم تصور کرنے لگا۔ اس طرح دونوں طبقات اس دولتِ لازوال سے تہی دامن ہو کر ایمانی حلاوت اور روحانی کیفیات سے محروم ہوگئے۔ جدید تصورات کی گرفت اس قدر مضبوط اور کامل نہ تھی کہ مسلمانوں کی اسلامیت ظاہر و باطن کے اعتبار سے محفوظ رہتی یوں قومی و ملی زندگی تباہی و ہلاکت کا شکار ہوگئی۔ اس دور میں احیائے اسلام اور ملّت کی نشاۃ ثانیہ کی جس قدر علمی و فکری تحریکیں منصّۂ شہود پر آئی ہیں اُن سب کی تعلیمات سے جو تصور مسلمانوں کی نوجوان نسل کے ذہنوں میں پیدا ہو رہا ہے یہی ہے کہ اسلام کو بحیثیت نظامِ حیات قبول کر لینا اور حضور کی سیرت و تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہی کمالِ ایمان اور محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ (روزنامہ جنگ کراچی بروز پیر ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ ۹ نومبر ۲۰۰۹ء۔ از ڈاکٹر طاہر القادری)

احبابِ من! قرآن کریم نے اس عقیدے کو سب سے زیادہ فوقیت دی۔ ہم یہاں پر قرآن کریم کی آیات اور علمائے اسلام کی تفاسیر سے بھی استدلال کریں گے۔

پیغمبر اسلام کی مخالفت اور اُس کا انجام

پیغمبر اسلام کی مخالفت کا انجام کیا ہو گا اس کے بارے میں فرمایا:۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی و نصله جهنم و ساءت مصیرا (سورہ النساء۔ آیت ۱۱۵)

اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہو گئی اس کیلئے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھرنے دیں گے اُسے جدھر وہ خود پھرا ہے اور ڈال دیں گے اُسے جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔

مزید آگے مخالفین رسالت کا تذکرہ یوں فرمایا:۔

ذلک بانهم شآقوا الله ورسوله ومن یشاقق الله و رسوله فان الله شدید العقاب

یہ (سزا) اسلئے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی اور اُس کے رسول کی تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (سورہ انفال آیت ۱۳)

اللہ ورسول کی مخالفت کا انجام کیا ہوا؟ ـــــ کیا سزا دی گئی؟

فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم کل بنان (سورہ انفال۔ آیت ۱۲)

سو تم مارو (اُن کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ اُن کے ہر بند پر اور یہ تو دنیا میں سزا دی گئی آخرت کا عذاب تو ان کیلئے اور بھی سخت ہو گا۔

ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا:

ذلک جزاؤهم جهنم بما کفروا واتخذوا آیاتی ورسلی هزوا (سورہ کہف۔ آیت ۱۰۶)

یہ اُن کی سزا ہے (یعنی) جہنم اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کی ہنسی اُڑائی۔

کون لوگ ہیں جن کو یہ سزا سنائی جا رہی ہے؟

کون ہیں یہ؟

فرمایا:۔

الذین ضل سعیهم فی الحیاة الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا (سورہ کہف۔ آیت ۱۰۴)

یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی آرائشں میں کھو کر رہ گئی اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں۔

اِن آیات پر غور و تدبر فرمائیے! پہلے ان لوگوں کے بارے میں بتایا کہ یہ اپنی زندگی کیلئے تمام تر جدوجہد کرتے ہیں۔ اس عارضی زندگی کے آراستہ و پیراستہ کرنے میں اپنی تمام عمر گزار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کوئی بہت اعلیٰ وارفع کام انجام دے رہے ہیں۔ اُن کی سزا بھی بتائی کہ اُن کیلئے جہنم ہے۔

کیا صرف اپنی زندگی کو آراستہ کرلینے سے جہنم کی سزا ہے؟ ۔۔۔ نہیں ہر گز نہیں۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ان دنیاوی لوگوں کو جو جاہ و منصب کے حامل، خود کو مفکر کہلواتے ہیں۔ مختلف علمی مذاکروں میں بھاری معاوضوں کے عوض شرکت کرتے ہیں اور اُن کے اعزاز میں مختلف ہوٹلوں اور کونسلوں میں اعزازی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں کو جہنم کی بشارت دی جارہی ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی:۔

و اتخذوا آیاتی و رسلی ہزوا (سورہ کہف۔ آیت ۱۰۶)

میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کی ہنسی اُڑائی۔

اس آیت پر گورنر و صدارت کی کرسیوں پر براجمان حضرات بھی غور فرمائیں اور خود ساختہ مجتہدین و مفکرین بھی کہ کہیں وہ تو ان آیات کے زمرے میں نہیں آتے۔

سورہ مجادلہ میں فرمایا:۔

ان الذین یحادون اللہ ورسولہ اولئک فی الاذلین (سورہ مجادلہ۔ آیت ۲۰)

بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔

پیغمبر اسلام کو ایذا دینے والوں کیلئے فرمایا:۔

ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ واعد لھم عذابا مھینا

بے شک جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کیلئے رُسوا کن عذاب۔ (سورہ احزاب۔ آیت ۵۷)

اِس آیت میں ایذا سے کیا مراد ہے؟

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، اِس آیت میں اُن لوگوں کی بد بختی اور بد نصیبی کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کو اپنی بد اعمالیوں یا نازیبا اقوال سے اذیت پہنچاتے ہیں۔ (ضیاء القرآن جلد چہارم صفحہ ۹۳)

سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا:

والذین یؤذون رسول اللہ لہم عذاب الیم (سورہ توبہ۔ آیت ۶۱)

اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ اور رسول کو اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔

پیر کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، قیامت تک آنے والے لوگوں کو بتادیا کہ کوئی ہو جس نے میرے حبیب کے دلِ رحیم کو ایذا پہنچائی وہ دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا اب وہ لوگ جو حضور کے کمالاتِ علمی کا انکار کرتے ہیں اور اس بُرے ارادے سے قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسی چیز ہاتھ آجائے جس سے وہ اپنے ناقص اور غلط خیال کے مطابق اللہ کے پیغمبر کی جہالت ثابت کر سکیں یا کمالاتِ مصطفوی کا انکار کر سکیں اور اس رفعت و تقدس مآب کی جناب میں بازاری الفاظ بڑی بے حیائی اور بے باکی سے اپنی تقریروں اور تحریروں میں استعمال کرتے ہیں، وہ خود سوچیں کہ اُن کا حشر کیا ہو گا۔ (ضیاء القرآن جلد دوم صفحہ ۲۲۶)

اللہ ورسول کے مخالفین کیلئے جنہوں نے عداوتِ رسول کو اپنا شعار بنا رکھا ہے، فرمایا:

الم یعلموا انہ من یحادد اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم خالدا فیہا ذلک الخزی العظیم

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو مخالفت کرتا ہے اللہ اور اُس کے رسول کی تو اس کیلئے آتشِ جہنم ہے

ہمیشہ رہے گا اس میں یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ (سورہ توبہ۔ آیت ۶۳)

احبابِ من! قرآنِ کریم کی آیات صداقت کے ساتھ شاتم رسول کی سزا کا اعلان کر رہی ہیں۔ اُن کی دنیاوی زندگی کی ذلت اور آخرت کے دائمی عذاب کا بھی اُن کو عندیہ دیا جا رہا ہے۔

شاتمینِ رسول کا انجام از روئے قرآن

شاتمینِ رسول کا اس دنیا میں کیا انجام ہوا گستاخانِ رسول کے بارے میں کلام الٰہی کا اسلوب کیا ہے؟

علمائے اسلام نے دنیائے کفر کے مشہور گستاخ ابن مغیرہ کے بارے میں لکھا کہ ایک دن اُس ملعون شخص نے پیغمبر اسلام کو مخاطب کر کے کہا:

و قالوا یاایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون (سورہ الحجر۔ آیت ۶)

اور وہ کہنے لگا کہ اے وہ شخص اُتارا گیا ہے جس پر قرآن بے شک تو مجنون ہے۔

ربّ العالمین نے اس گستاخ کی جرأت پر یہ آیات نازل فرمائیں:۔

ن والقلم و ما یسطرون ۔ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون ۔ و ان لک لاجرا غیر ممنون۔
وانک لعلی خلق عظیم ۔فستبصر ویبصرون۔ بایکم المفتون (سورہ قلم۔ آیت ۱تا۶)

قسم ہے قلم کی اور اُس کے نوشتوں کی آپ اپنے ربّ کے فضل سے مجنون نہیں ہیں اور یقیناً آپ کیلئے بے پایاں اجر و ثواب ہے اور بلاشبہ آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں پس عن قریب آپ بھی ملاحظہ فرمائیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ دیوانہ کون ہے۔

چشمِ تصور سے اس محبت کے انداز کو ملاحظہ کیجئے کہ ایک کافر نے ناموسِ رسالت پر حملہ کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے جواب میں آپ کا ربّ آپ کی مدح سرائی کر رہا ہے لیکن معاملۂ محبت یہیں پر اختتام پذیر نہیں ہو جاتا بلکہ اُس گستاخ کی مذمت بھی محبت کا تقاضا ہے۔

مزید آگے فرمایا:۔

و لا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم ۔ مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک زنیم ان کان ذا مال و بنین ۔ اذا تتلی علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین سنسمہ علی الخرطوم

اور نہ بات سنئے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چین، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا بڑا بدکار ہے۔ اکھڑ مزاج ہے اس کے علاوہ وہ بداصل ہے (یہ غرور و سرکشی) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحبِ اولاد ہے۔ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ہم عن قریب اس کی (سور جیسی) تھوتنی پر داغ دیں گے۔ (سورہ قلم۔ آیت ۱۰تا۱۶)

اللہ تعالیٰ نے اس گستاخ کے درج ذیل عیوب کو بیان فرمایا:۔

- جھوٹی قسمیں کھانے والا
- ذلیل شخص
- نکتہ چین
- چغلیاں کھانے والا
- بھلائی سے روکنے والا
- حد سے بڑھا ہوا
- بڑا بدکار
- اکھڑ مزاج
- ولد الزنا۔ (ولید بن مغیرہ کا باپ نامرد تھا لہٰذا اُس کی ماں نے ایک چرواہے سے ناجائز تعلقات پیدا کرلئے جس کے نتیجے میں یہ پیدا ہوا)

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں، حالتِ غیظ میں جب انسان اپنے کسی دشمن کے عیوب کا پردہ چاک کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ نفسانی ہیجان کا ردِّ عمل ہے لیکن یہاں کیا کہیے گا؟ یہ کلام تو اُس پاک و مقدس خداوند کا ہے جس کی ذات شوائب نفسانی سے بالکل پاک و منزہ ہے۔

اس لئے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ وہ ستّار العیوب جو اپنے بڑے سے بڑے سیہ کار بندے کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اُس نے پیغمبر کے ایک گستاخ کو سارے جہاں میں رُسوا کرکے یہ ظاہر فرمادیا ہے کہ اُس معصوم و محترم نبی کے گستاخ کیلئے اُس کے یہاں کسی عفو و درگزر کی گنجائش نہیں ہے۔ اُس کی حیثیت نامہ بر کی نہیں ہے۔ محبوبِ ذی وقار کی ہے۔ یہاں بھی وہی ادائے رحمت جلوہ گر ہے کہ گستاخ نے نشانہ بنایا ہے ذاتِ رسول کو، جواب دے رہا ہے اُن کا ربِّ کریم۔ محبوب خاموش ہے قرآن اُس کی وکالت فرما رہا ہے۔ کیا اِس کے بعد بھی کوئی بدنصیب کہہ سکتا ہے کہ رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت ایک خبر رساں کی ہے بلکہ ایک ایسے محبوب کی ہے جو خدا کی محبت کے گھوارے میں پلا۔ اُسی کی رحمتوں نے اُسے ساری کائنات کی افسری بخشی اور اُسے خالق و مخلوق اور عابد و معبود کے درمیان رابطہ کا ایک ذریعہ بنایا۔ اس لئے اُس کی حیثیت صرف ایک نامہ بَر کی نہیں ہے بلکہ نامہ کے اسرار و رموز سے باخبر کرنے والے (معلم) کی ہے۔ (گلشن ارشد القادری صفحہ ۱۲)

احبابِ من! پیغمبر اسلام پر جب یہ آیت نازل ہوئی و انذر عشیرتک الاقربین کہ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرایئے، اُن کو دینِ اسلام کی تبلیغ کیجئے۔ اپنے ربّ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پیغمبر اسلام کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور یاصباحا بلند آواز سے کہا۔ اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی آفت آتی یا لوگوں کو امداد کیلئے بلانا مقصود ہو تا تو یاصباحا کہہ کر پکارتے۔ لوگوں نے جب یہ آواز سنی تو لوگ صفا پہاڑی کے دامن میں آپہنچے۔ جب سب عزیز و اقرباء جمع ہوگئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے تم پر حملہ کرنے کیلئے دشمن کی فوج آرہی ہے تو کیا تم میری اس بات کو مان لوگے؟ سب نے ایک ساتھ کہا کہ بے شک کیونکہ ہم نے آج تک آپ کی زبان سے سچ کے سوا کچھ سنا ہی نہیں، آپ صادق و امین ہیں۔ اسکے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تبلیغ اسلام کی، انہیں توحید کی دعوت دی اور شرک سے تنبیہ کیا، عذابِ الٰہی سے ڈرایا۔ ابو لہب جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چچا تھا اُس نے اُنگلی کا اشارہ کیا اور گستاخی کرتے ہوئے بولا:۔

تبالک اما جمعنا الا هذا

تمہارا ناس لگ جائے تم نے یہی سنانے کیلئے ہمیں جمع کیا تھا۔

ابو لہب کے یہ الفاظ ابھی ختم ہی ہوئے تھے کہ جبرئیل امین اُس گستاخ کی سزا جو رب العزت نے مقرر کی تھی، کا فرمان لے کر حاضر ہوگئے۔ ارشاد فرمایا:۔

تبت یدا ابی لهب وتب ۔ ما اغنی عنه ماله وما کسب ۔ سیصلی نارا ذات لهب۔ و امراته حمالة الحطب ۔ فی جیدها حبل من مسد (سورہ لہب۔ آیت ۱تا۵)

ٹوٹ جائیں ابو لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا کوئی فائدہ نہ پہنچایا اُسے اُس کے مال نے اور جو اُس نے کمایا عن قریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں اور اس کی جورو بھی بدبخت ایندھن اُٹھانے والی اُس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی۔

ابو لہب روسائے مکہ میں سے ایک تھا۔ اُس کے پاس آٹھ سیر سونے کی اینٹیں تھیں۔ نوکر چاکر اولاد، خادم، رشتے دار، خاندانی وجاہت سب کچھ اُس کے پاس تھا۔ مگر اُس گستاخ کا کیا انجام ہوا۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اُس گستاخ کی گستاخی اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سخت ناگوار گزری اور انتہائی غضب اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جن ہاتھوں کی ایک انگلی بے ادبی کیلئے اُٹھی ہے وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں، انہیں کبھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو، یہ بد دعا ہے۔ وَتَبَّ فرمایا کہ وہ تباہ وبرباد ہوگیا، وہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا، اُس کا جسم ریزہ ریزہ کر دیا گیا اور جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا اُسے پورا ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ بزدلی کے باعث بدر کی جنگ میں یہ شریک نہ ہوا لیکن بدر کی عبرت ناک شکست پر ابھی صرف ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ اس کے جسم پر ایک زہریلا چھالا (العدسہ) نمودار ہوا جو چند دنوں میں اُس کے سارے جسم پر پھیل گیا۔ ہر جگہ سے بدبودار پیپ بہنے لگی، گوشت گل گل کر گرنے لگا۔ اُس کے بیٹوں نے جب دیکھا کہ اُسے ایک متعدی بیماری لگ گئی ہے تو انہوں نے اس کو اپنے گھر سے باہر نکال دیا اور تڑپتے تڑپتے اُس نے جان دیدی۔ اب بھی اُس کی نعش کو ٹھکانے لگانے کیلئے کوئی عزیز اُس کے قریب نہ گیا۔ تین دن تک اُس کی لاش پڑی رہی جب اُس کے تعفن اور بدبو سے لوگ تنگ آگئے اور اُس کے بیٹوں کو لعنت ملامت شروع کی تب انہوں نے چند حبشی غلاموں کو اُس کی لاش ٹھکانے لگانے پر مقرر کیا۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو دھکیل کر اس گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ اتنے بڑے قوم کے سردار اور مکہ کے چوٹی کے چار رئیسوں میں سے ایک رئیس کا یہ حشر اللہ تعالیٰ کے غضب ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اولاد اپنے ماں باپ کو یوں کسمپرسی کے عالم میں نہیں چھوڑا کرتی۔ مرنے کے بعد اُس کی لاش کو یوں گلتے سڑتے نہیں دیکھ سکتی لیکن جب اللہ تعالیٰ کا غضب آتا ہے تو اولاد کے دل میں ظاہر داری کے جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اُس کا وہی حشر ہوتا ہے جو اُس گستاخِ بارگاہِ نبوت کا ہوا۔ سارے اہلِ مکہ نے دیکھا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کی طرف سے جو یہ پیش گوئی کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ ۷۰۶،۷۰۵)

ابو لہب کی بیوی کا انجام

ابو لہب کی بیوی سبّ وشتم میں اپنے خاوند سے پیچھے نہ تھی۔ یہ شب کے اندھیرے میں آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تاکہ جب رات کو آپ شب بیداری کیلئے حرم تشریف لے جائیں تو یہ کانٹے آپ کے پاؤں مبارک میں چبھ جائیں۔ یہ پیغمبر اسلام کی دشمنی میں اِس قدر متشدد تھی کہ اِس کے گلے میں جواہرات کا ایک قیمتی ہار ہوتا تھا اور یہ قسم کھا کر کہتی تھی کہ اگر مجھے عداوتِ پیغمبر اسلام میں اس ہار کو فروخت بھی کرنا پڑا تو بھی میں اس کو بیچ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت میں خرچ کروں گی۔ اس لئے اُس کیلئے فرمایا کہ آج اس کی اکڑی ہوئی گردن میں جو ہار ہے ہم اس کی جگہ مونج کی رسی ڈال دیں گے۔

گستاخانِ انبیاء کا انجام

اسلام صرف حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناموس ہی کی حفاظت کا حکم نہیں دیتا بلکہ دوسرے تمام انبیاء کے گستاخ کی سزا بھی سزائے موت ہے اور قرآن اس بات کو بھی صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ماضی میں جن بداخلاق و بدتمیز لوگوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کی اُن کو سزائے موت دی گئی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا انجام

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی آپ پر ایمان نہ لایا اور آپ کی قوم ہی کا طرفدار رہا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کافروں کا ساتھ چھوڑ دے، جسے قرآن نے یوں بیان فرمایا:

و نادی نوح ابنه و کان فی معزل یا بنی ارکب معنا و لاتکن مع الکافرین (سورہ ھود۔ آیت ۴۲)

اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو اور وہ ان سے الگ تھا بیٹا سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ اور نہ ملو کافروں کے ساتھ۔

حضرت نوح علیہ السلام کی شفقت کے جواب میں اُس نے منہ بسور کر کے ہنسی اُڑاتے ہوئے کہا:

قال سآوی الی جبل یعصمنی من الماء قال لا عاصم الیوم من امر اللہ

الا من رحم و حال بینهما الموج فکان من المغرقین (سورہ ھود۔ آیت ۴۳)

بیٹے نے کہا (مجھے کشتی کی ضرورت نہیں) میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی وہ بچا لے گا مجھے پانی سے آپ نے کہا آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے اور (اسی اثناء میں) حائل ہو گئی اُن کے درمیان موج پس ہو گیا وہ ڈوبنے والوں سے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی گستاخ بیوی کا انجام

حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ بھی آپ کی قوم کے ساتھ تھی اور آپ کی مخالفت کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اس کا کیا انجام ہوا قرآن بیان کرتا ہے:۔

فانجیناہ واھلہ الا امراتہ کانت من الغابرین وامطرنا علیھم مطرا فانظر کیف کان عاقبۃ المجرمین (سورہ اعراف۔ آیت ۸۴،۸۳)

پس ہم نے نجات دے دی لوط کو ان کے گھر والوں کو بجز اُن کی بیوی کے وہ ہوگئی پیچھے رہ جانے والوں سے اور برسایا ہم نے اُن پر (پتھروں) کا مینہ تو دیکھو کیسا (عبرت ناک) انجام ہوا مجرموں کا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی گستاخ بیوی کا انجام

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کرتی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کے دلوں میں نفاق اور کفر تھا۔ یہ دونوں اپنے نامدار شوہروں کی رسالت پر ایمان نہ لائیں بلکہ اُن کا استہزاء (مذاق) اُڑاتی، اُن کو برا بھلا کہتی اور اُن کا دل دُکھا کر اُن کو اذیت پہنچاتی۔ اُن کیلئے فرمایا:۔

ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امراۃ نوح وامراۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین (سورہ تحریم۔ آیت ۱۰)

اللہ کافروں کی مثال دیتا ہے نوح کی عورت اور لوط کی عورت وہ ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر انہوں نے اُن سے دغا کی تو وہ اللہ کے سامنے کچھ کام نہ آئیں اور فرمادیا گیا کہ تم دونوں عورتیں جہنم میں جاؤ جانے والوں کے ساتھ۔

سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں، حضرت نوح کی عورت واہلہ قوم سے حضرت نوح علیہ السلام کی نسبت کہتی تھی کہ وہ مجنوں ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی عورت واعلہ اپنا نفاق چھپاتی تھی۔ (خزائن العرفان، صفحہ ۷۳۲۔ از سیّد نعیم الدین مرادآبادی)

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، یہ دونوں کافرہ تھیں دلوں میں نفاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حضرت نوح کی بیوی آپ کو مجنوں اور دیوانہ کہتی اور مذاق اُڑاتی۔ حضرت لوط کی بیوی آپ کے دشمنوں کے ساتھ ملی ہوئی تھی جب بھی آپ کے ہاں کوئی مہمان آتا تو وہ انہیں اطلاع کر دیتی اور وہ بے غیرت دندناتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان خانے پر ہلّہ بول دیتے۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ ۳۰۶)

فرعون کا انجام

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ آپ کا مذاق اُڑایا جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے:

فلما جاء هم بآياتنا اذا هم منها يضحكون (سورہ زخرف۔ آیت ۴۷)

پھر جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لایا جبھی وہ ان پر ہنسنے لگے۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہا:

ام انا خير من هذا الذى هومهين و لا يكاد يبين (سورہ زخرف۔ آیت ۵۲)

یا میں بہتر ہوں اس سے کہ ذلیل ہے اور بات صاف نہیں کرتا۔

قوم فرعون بھی اُس گستاخی میں پیش پیش تھی۔ فرعون کے وزراء اور مشیر پوری قوم اُن کا انجام کیا ہوا، فرمایا:

فانتقمنا منهم فاغرقناهم فى اليم بانهم كذبوا بآياتنا وكانوا عنها غافلين (سورہ اعراف۔ آیت ۱۳۶)

تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ ہماری آیتیں جھٹلاتے اور ان سے بے خبر تھے۔

مزید آگے فرمایا:

فاخذناه و جنوده فنبذناهم فى اليم فانظر كيف كان عاقبة الظالمين (سورہ قصص۔ آیت ۴۰)

تو ہم نے اُسے (فرعون) اور اُس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا تو دیکھو کیسا انجام ہوا ستم گاروں کا۔

سورہ زخرف میں شاتمانِ موسیٰ علیہ السلام کیلئے فرمایا:

فلما آسفونا انتقمنا منهم فاغرقناهم اجمعين (سورہ زخرف۔ آیت ۵۵)

پھر جب انہوں نے وہ کہا جس پر ہمارا غضب اُن پر آیا ہم نے اُن سے بدلہ لیا تو ہم نے اُن سب کو ڈبو دیا۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے کلیم کی نافرمانی اور اُس کی شان میں گستاخی پسند نہ آئی، فرمایا:

فعصوا رسول ربهم فاخذهم اخذة رابية (سورہ حاقہ۔ آیت ۱۰)

تو انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کا حکم نہ مانا تو اُس نے انہیں بڑھی چڑھی گرفت سے پکڑا۔

فرعون کیلئے فرمایا:

فعصى فرعون الرسول فاخذناه اخذا وبيلا (سورہ المزمل۔ آیت ۱۶)

تو فرعون نے اُس کے رسول کا حکم نہ مانا تو ہم نے اُس پر سخت گرفت سے پکڑا۔

فرعون نمونۂ عبرت

اُس گستاخِ کلیم کو اللہ تعالیٰ نے نمونہ عبرت بنا دیا۔ فرمایا:۔

فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیة و ان کثیرا من الناس عن آیاتنا لغافلون

سو آج ہم بچالیں گے تیرے جسم کو تاکہ تو ہو جائے اپنے پچھلوں کیلئے (عبرت کی) نشانی اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں۔ (سورہ یونس۔ آیت ۹۲)

آج بھی اُس کی لاش مصر کے عجائب خانے میں رکھی ہوئی ہے اور بغیر کسی ایسے کیمیکل کے جس سے لاشوں کو حنوط (ممی) کر کے رکھا جاتا ہے۔

احبابِ من! اِن آیات میں گستاخِ کلیم اور اُس کے ساتھیوں کیلئے فرمایا کہ ہم نے اُن سے بدلہ لیا، انتقام لیا۔ قہرِ خداوندی کا اندازہ لگایئے وہ ربّ العالمین جو انسانوں کو تمام نعمتیں عطا فرماتا ہے فرعون کو بادشاہت دی، دولت دی، اُس نے حدود سے تجاوز کیا اور خدائی دعویٰ کر ڈالا مگر قہرِ خداوندی جوش میں نہ آیا لیکن جب اُس کی زبان اُس کے کلیم کی شان میں بے لگام ہوئی تو اس کو نمونہ عبرت بنا دیا۔

تعظیم و تکریم پیغمبر اسلام کا حکم

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ اپنے محبوب کی تعظیم و تکریم پاسبانی کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا:۔

لتؤمنوا باللہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ و تسبحوہ بکرة و اصیلا (سورہ فتح۔ آیت ۹)

تاکہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور تاکہ تم اُن کی مدد کرو اور دل سے اُن کی تعظیم و توقیر کرو اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح و شام۔

اِس آیت کی ترتیب پر غور فرمایئے:۔

- پہلے فرمایا ایمان لاؤ۔
- پھر فرمایا پیارے محبوب کی مدد اور تعظیم کرو۔
- پھر فرمایا اب اللہ کی عبادت کرو۔

شاتمینِ رسول سے دوستی کی ممانعت

محبتِ رسول اور ایمان باللہ کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں سے مومن محبت نہیں کرتا۔

اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے فرمایا کہ اگر وہ ایمان لانے کا دعوئ کرتے ہوں اور ساتھ میں شاتمینِ رسول سے بھی محبت رکھتے ہوں یہ ایمان دار نہیں ہوسکتے۔

قرآن کریم نے اس حکم کو صراحت کے ساتھ یوں بیان فرمایا:۔

لا تجد قوما یؤمنون باللہ و الیوم الآخر یوادون من حاداللہ و رسولہ ولو کانوا آباء ھم اوابناء ھم اواخوانھم اوعشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منہ ویدخلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون (سورہ مجادلہ۔ آیت ۲۲)

تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے اُن سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) اُن کے باپ ہوں یا اُن کے فرزند ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے کنبہ والے ہوں یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے اُن کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی انہیں اپنے فیضِ خاص سے اور داخل کریگا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اُن میں اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اُن سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے یہ اللہ کا گروہ ہے سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے۔

کیرن آرمسٹرانگ اپنی کتاب **Islam A Short History** میں حقائق کا قتل کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

(منگولوں کی تباہی کے بعد) حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بارے میں توہین آمیز الفاظ ادا کرنا جرم قرار دے دیا گیا تھا۔ (Islam A Short History از کیرن آرمسٹرانگ صفحہ ۱۲۵ مترجم محمد احسن بٹ مطبوعہ نگارشات ۲۰۰۷ء)

اپنے اِس قول کا خود ہی رد کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

Salman Rushdie affair has shown that what is perceived as an attack on the prophet has violated a sacred area of the Muslim psyche throughout the world. It was always a capital offence in the Islamic empire to denigrate Muhammad or his religion, but it has particular power to wound Muslims today because of the humiliation of the umma at the hands of the Western world. (Muhammad A Biography of the Prophet by Karen Armstrong Page 264)

سلمان رشدی کے معاملے سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی ذات پر حملہ کرنا دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ اسلامی سلطنت میں رسول اللہ یا آپ کے دین کے حوالے سے تکذیب کرنا ہمیشہ ایک سنگین جرم رہا ہے۔ دورِ حاضر میں مغربی دنیا کے ہاتھوں ملتِ اسلامیہ کی تذلیل کی کوشش ان کو صدمے سے دوچار کرنا ہے۔(پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۳۵۰)

یقیناً کیرن آرمسٹرانگ کو گذشتہ بحث سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی ہو گی کہ یہ جرم اور اس کی سزا لوگوں نے نہیں بلکہ ربّ العزت نے قرار دی ہے۔

سورۂ مجادلہ کی آیت ۲۲ کی تفسیر میں پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، اِس آیت میں بڑی صراحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اگر وہ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ اُن کے دلوں میں اللہ اور اُس کے رسول کے دشمنوں کی محبت پائی جائے۔ جس طرح پاک و پلید پانی ایک برتن میں اکٹھے نہیں رہ سکتے اسی طرح نورِ ایمان اور دشمنانِ اسلام کی دوستی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ جو شخص ایمان کا مدعی ہے اور کفار و منافقین کے ساتھ بھی دوستی کے تعلقات رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے۔ اللہ کا بندہ اللہ کریم کے دشمنوں سے خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیتا ہے۔ اُن میں سے چند قریبی رشتوں کا صراحۃً ذکر فرمایا۔ اولاد کو اپنے والدین سے محبت بھی ہوتی ہے اور ان کا ادب اور لحاظ بھی ہوتا ہے لیکن اگر باپ دین کا دشمن ہو تو بیٹا اس کی پرواتک نہیں کرتا۔ اسی طرح باقی رشتے بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جب غلامانِ مصطفی علیہ التحیۃ والثناء بدر و اُحد کے میدانوں میں اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے صف آرا ہوئے تو جو بھی اُن کا مدّ مقابل بنا انہوں نے بلا تامل اس کو خاک و خون میں ملا دیا۔

حضرت ابو عبیدہ جب میدانِ بدر میں گئے تو اُن کا باپ عبد اللہ سامنے آیا آپ نے تلوار کے وار سے اُس کا سر قلم کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابو قحافہ نے اسلام قبول کرنے سے قبل شانِ رسالت میں کچھ گستاخی کی تو آپ نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آگرا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا تو ابو بکر نے عرض کیا میرے آقا اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کو قتل کر دیتا۔ بعد میں ابو قحافہ مشرف باسلام ہو گئے۔

بدر کے دن صدیق اکبر نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو للکارا اور حضور سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہوئے عرض کیا دعنی اکون فی الرعلۃ الاولیٰ میرے آقا مجھے اجازت دیجئے تا کہ میں شہداء کے پہلے گروہ میں داخل ہو جاؤں۔ حبیبِ کبریا علیہ اطیب التحیۃ والثناء نے فرمایا: متعنا بنفسک یا ابا بکر ما تعلم انک عندی بمنزلۃ سمعی و بصری۔ اے ابو بکر ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اُٹھالینے دے تو نہیں جانتا تو میرے نزدیک میرے کان اور میری آنکھ کی طرح ہے۔ اسی طرح حضرت مصعب ابن عمیر نے اپنے بھائی عبید کو اُحد کے روز قتل کیا۔ بدر کی جنگ میں ایک انصاری نے اُن کے بھائی ابو عزیز بن عمیر کو گرفتار کر لیا۔ وہ اُسے رسی سے باندھ رہا تھا تو حضرت مصعب نے دیکھ لیا اور پکار کر کہا اس کو خوب کس کر باندھنا، اس کی ماں بڑی مالدار ہے، گراں قدر فدیہ ادا کریگی۔ ابو عزیز نے کہا مصعب! تم بھائی ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا تیرا میرا بھائی چارہ ختم۔ اب یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو قتل کیا اور سیّدنا علی، سیّدنا حمزہ، سیّدنا عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید کو تہِ تیغ کیا۔ شمع نبوت کے پروانوں نے عملی نمونہ پیش کیا اور دنیا کو بتا دیا کہ اُن کے دلوں میں صرف اللہ اور اُس کے رسول کی محبت ہے اور بس۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ ۱۵۲،۱۵۱)

شمع رسالت کے پروانو! عہدِ رسالت میں کعب بن اشرف کا قتل، ابنِ خطل کی باندیوں کا قتل، صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں شاتمِ رسول ریجنالڈ کا قتل، اسپین کے حکمرانوں کے ہاتھوں یولوجیس اور اُس کے ہم نوا شاتمینِ رسول کا قتل اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ ناموسِ رسالت کی سزا سزائے موت اسلامی عقائد و نظریات کے عین مطابق ہے اور اس قانون پر ہر عہد میں عمل درآمد ہوتا رہا اور اس میں کسی بھی عہد میں ترمیم نہیں کی جا سکی اور نہ کی جا سکتی ہے۔

تکریم و تعظیمِ نبوی کے خصوصی احکام

قرآن مجید میں اللہ ربّ العزت نے تکریم نبوی کے خصوصی احکامات نازل فرمائے۔

تعظیم وتوقیر پیغمبر اسلام

دنیا کے فرماں رواں، تخت و تاج کے روحِ رواں اپنے اپنے درباروں میں تعظیم و توقیر کیلئے اپنے دربار کے آداب کیلئے نت نئے قوانین بناتے ہیں اور اپنے مشیروں اور وزیروں کے ذریعے سے ان آداب کو نافذ کراتے ہیں لیکن اس آسمانِ گیتی کے نیچے ایک ایسا دربار ہے جس کے قوانین کسی انسان نے نہیں، کسی بادشاہ نے نہیں، کسی مملکت کے سربراہ نے نہیں، کسی اسلامی مملکت کی پارلیمنٹ نے نہیں بلکہ خود رب العزت نے بنائے ہیں۔

پیغمبر اسلام سے گفتگو کے آداب

پیغمبر اسلام کی اُمت کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گفتگو کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا:

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لو اذا فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ اویصیبھم عذاب الیم (سورۂ نور۔ آیت ۶۳)

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسانہ ٹھہرالو جیساتم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے بے شک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑلے کر تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا اُن پر دردناک عذاب پڑے۔

ایک اور جگہ بارگاہِ رسالت میں گفتگو کے آداب یوں بیان کیے:

یا ایھا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا و اسمعوا و للکافرین عذاب الیم

اے ایمان والو! راعنانہ کہواور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۰۴)

اِس آیت کا شانِ نزول کیا ہے سیّد نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے راعنا یا رسول اللہ اس کے یہ معنی تھے کہ یارسول ہمارے حال کی رعایت فرمایئے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجئے۔ یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوءِ ادب کے معنی رکھتا تھا، انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے۔ آپ نے ایک روز یہ کلمہ اُن کی زبان سے سُن کر فرمایا اے دشمنانِ خدا تم پر اللہ کی لعنت اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا

تو اُس کی گردن مار دوں گا۔ یہود نے کہا ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اِس پر آپ رنجیدہ ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں راعنا کہنے کی ممانعت فرما دی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ انظرنا کہنے کا حکم ہوا۔ (خزائن العرفان صفحہ ۲۰ از سیّد نعیم الدین مراد آبادی)

جسٹس کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، صحابہ کرام بارگاہِ رسالت میں جب حاضر ہوتے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی ارشادِ گرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ لیتے تو عرض کرتے راعنا اے حبیب اللہ! ہم پوری طرح سمجھ نہیں سکے ہماری رعایت فرماتے ہوئے دوبارہ سمجھا دیجئے۔ لیکن یہود کی عبرانی زبان میں یہی لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہوتا جس میں گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی عزت و تعظیم کا یہاں تک پاس ہے کہ ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع فرما دیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی ہو۔ (ضیاء القرآن جلد اوّل صفحہ ۸۲)

مزید آگے لکھتے ہیں، واسمعوا کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرما دی کہ جب میرا رسول تمہیں کچھ سنا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سنو تا کہ انظرنا کہنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ یہ بھی تو شانِ نبوت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو یہ کمالِ ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش و فرش کے مالک نے غلامانِ مصطفےٰ علیہ السلام کو دی۔ (ایضاً صفحہ ۸۳)

پیغمبر اسلام کے سامنے اونچی آواز میں بات کرنے کی ممانعت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی و لا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون (سورہ الحجرات۔ آیت ۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اُس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور اُن کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

مزید آگے فرمایا:۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ و اجر عظیم (سورہ الحجرات۔ آیت ۳)

بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کیلئے انہی کیلئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔

حجرے کے باہر سے پکارنے کی ممانعت

مدینہ منورہ میں اسلام قبول کرنے کے ارادے سے بنی تمیم کا ایک وفد حاضرِ خدمت ہوا۔ دوپہر کا وقت تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے حجرۂ مبارک میں قیلولہ فرمارہے تھے۔ یہ لوگ تہذیب و معاشرت کے آداب سے بالکل کورے تھے مگر اسلام قبول کرنے کے شوق میں حجرۂ مبارک کے باہر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آوازیں دینے لگے۔ ان کی آوازوں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچی نیند سے بیدار ہوگئے۔ باہر تشریف لائے اورانہیں دولتِ ایمان سے سرفراز فرمایا۔ اس وقت یہ آیت کریم نازل ہوئی:۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون ولو انھم صبروا

حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم (سورہ الحجرات۔ آیت ۴،۵)

بے شک جولوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں اکثر نا سمجھ ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ اُن کیلئے بہت بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں، رشتۂ محبت کی ذرا نزاکت ملاحظہ فرمائیے نبی کا منصبی فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدائے واحد کا پرستار بنائے۔ ظاہر ہے کہ جولوگ کلمۂ توحید کا اشتیاق لے کر پیغمبر کی چوکھٹ تک آئے اُن کی بے قراری قطعاً ایک ایسے فرض کیلئے ہے کہ جس کا تعلق منصبِ نبوت سے بھی ہے اس کیلئے آج وہ خود آواز دے رہے ہیں۔ آواز کے پیچھے مقصد کی ہم آہنگی سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود خدائے کردگار کے تئیں یہ کام محبوب کے خوابِ ناز سے زیادہ اہم نہیں ہو سکتا۔ دونوں جہاں کا چین جس کی راحتِ جاں سے وابستہ ہے اس کے آرام میں خلل ڈالنے کے معنی سوااس کے اور کیا ہیں کہ پوری کائنات کی آسائش کو چھیڑ دیا جائے۔

پھر وارفتگیِ شوق کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ آدابِ عشق کی اُن حدود سے کوئی تجاوز کر جائے جہاں تنقیصِ شان کا شبہ ہونے لگے۔

عرب کا ذرّہ نواز تمہیں اپنے پہلو میں بٹھالیتا ہے تو اس احسانِ بے پایاں کا شکر ادا کرو کہ ایک پیکرِ نور سے خاکساروں کا رشتہ ہی کیا؟ اور ایک لمحے کیلئے بھی اسے نہ بھولو کہ وہ روئے زمین کا پیغمبر ہی نہیں ہے خدائے ذوالجلال کا محبوب بھی ہے۔ اُن کی بارگاہ کے حاضر باش شیوۂ ادب سیکھیں۔

پیکرِ بشری سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اپنے وقت کا سب سے بڑا زاہد اسی تقصیر پر عالم قدس سے نکالا گیا تھا۔ فرزندانِ آدم کو غفلت سے چونکانے کیلئے تعزیراتِ الٰہی کی یہ پہلی مثال کافی ہوگی کہ محبوب کے دامن سے مربوط ہوئے بغیر خدا کے ساتھ سجدۂ بندگی کا بھی کوئی رشتہ قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتا۔ (گلشن ارشد القادری صفحہ ۵۰)

ادب و احترام کا ایک اور قانون

سورۃ الحجرات میں فرمایا:-

یاایھا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوااللہ ان اللہ سمیع علیم

اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔ (سورۃ الحجرات:۱)

صاحبِ خزائن العرفان اِس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں لکھتے ہیں، چند شخصوں نے عید ضحیٰ کے دن سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کردیتے تھے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی سے تقدم نہ کرو۔ (خزائن العرفان، صفحہ ۷۶۸)

عشاقِ مصطفیٰ! چشمِ تصور سے محبوب کی الفت و محبت کے حسین و دِل رُبا منظر کو ملاحظہ کیجئے۔

پیغمبر اسلام کی بعثت کا مقصد خالق کے بندوں کو خالق ہی کی طرف لیکر جانا ہے۔۔۔ قربانی کرنے یا روزہ رکھنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوش نودی و رضا ہی تھا۔

تو پھر اُن سے کیوں فرمایا کہ تقدیم نہ کرو؟۔۔۔۔ پہل نہ کرو؟

اس لئے کہ ہر وہ عمل جو اللہ کے محبوب کی نقل نہ بن جائے وہ بارگاہِ ایزدی سے بھی قبولیت کی سند نہیں پا سکتا۔

پیغمبر اسلام کی نقل ہی کا نام عبادت ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اداہی میں خالقِ کائنات کی رضا ہے۔

اسی لئے عاشقِ صادق نے فرمایا۔

بخدا خدا کا یہی ہے دَر نہیں اور کوئی مفر مقر

جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں وہ وہاں نہیں

عزیزانِ گرامی! صرف آواز کو پست رکھنے کا حکم ہی نہیں دیا۔۔۔ صرف مخاطبت کے آداب ہی نہیں سکھائے۔۔۔ صرف انظرنا کہہ کر مدعا عرض کرنے کا سلیقہ ہی نہیں تفویض کیا۔ بلکہ فرمایا:۔

ام تریدون ان تسالوا رسولکم کما سئل موسیٰ من قبل و من یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۰۸)

کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسے موسیٰ سے پوچھے گئے تھے
اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے وہ تو بھٹک گیا سیدھے راستے سے۔

یعنی صاف صاف واضح فرمادیا کہ میرے محبوب سے ایسے سوالات نہ کرنا جیسے یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرتے تھے۔

پیر کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، یہود مسلمانوں کو طرح طرح کے سوالات کرنے پر اکساتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا کہ میرے حبیب سے یہودیوں کی طرح قیل و قال نہ کیا کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ جن اُمور کے کرنے کا حکم دیا جائے اُن کو کرو جن سے منع کیا جائے اُن سے باز رہو اور جن امور کے متعلق اللہ اور اُس کے رسول نے سکوت اختیار فرمایا ہے انہیں مت چھیڑو اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔

(ضیاء القرآن جلد اوّل صفحہ ۸۴)

بارگاہِ رسالت میں آنے اور جانے کے آداب

اپنے محبوب کی بارگاہ میں آنے جانے کے آداب سورۂ نور میں یوں تعلیم فرمائے:۔

انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ و رسولہ و اذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ ان الذین یستاذنونک اولئک الذین یؤمنون باللہ و رسولہ فاذا استاذنوک لبعض شانھم فاذن لمن شئت منھم و استغفرلھم اللہ ان اللہ غفور رحیم (سورہ النور۔ آیت ٦٢)

پس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں وہ آپ کے ساتھ اجتماعی کام کیلئے تو (وہاں سے) چلے نہیں جاتے جب تک آپ سے اجازت نہ لیں بلاشبہ وہ لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اُس کے رسول کے ساتھ پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے کسی کام کیلئے تو اجازت دیجئے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجئے ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

سورہ احزاب میں تکریم نبوی کے آداب یوں تعلیم فرمائے:۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیرناظرین اناہ ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم و اللہ لا یستحیی من الحق (سورہ احزاب۔ آیت ٥٣)

اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کیلئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کیلئے باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کیلئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے میں شرم نہیں کرتا۔

عزیزانِ گرامی! ہم نے اس باب میں ناموسِ رسالت کے حوالے سے قرآن کریم سے استدلات پیش کئے۔ اورالحمد للہ یہ ثابت کیا کہ ناموسِ رسالت کے احکامات اسلامی عقائد و نظریات کی بنیاد ہیں۔۔۔روح اسلام ہیں۔ مزید تفصیل کیلئے اسمٰعیل قریشی صاحب کی کتاب 'ناموسِ رسول اور قانونِ توہینِ رسالت'، ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی 'تحفظِ ناموسِ رسالت' اور پروفیسر حبیب اللہ چشتی صاحب کی ''توہینِ رسالت کی سزا اور ہماری کتاب 'آزادیِ اظہارِ رائے اور صلیبی دہشت گردی' ملاحظہ فرمایئے۔

کیرن صاحبہ اور دیگر اسلام دشمن مستشرقین کی یہ کوشش رہی کہ اُمتِ مسلمہ کا یہ جوہر خالص عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملتِ اسلامیہ کے سینوں سے نکل جائے تو یہ قوم راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں اور اگر یہ شمع ان کے سینوں میں یوں ہی جلتی رہی تو باوجود ہزار زوال کے ایک نہ ایک دن یہ قوم بامِ عروج پر اپنے جھنڈے لہرا دے گی اس کیلئے وہ تہذیب کے نام پر عقل و خرد کا تو خون کرتے ہی ہیں ساتھ ہی روشن خیالی اور تجدّد کی آگ پر عقیدتوں و محبتوں اور روحِ ایمانی کو جھلسا دینے کی مکروہ سعی سے بھی نہیں چوکتے۔

اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو ان شریروں کے شر سے محفوظ فرمائے۔ آمین

عداوتِ اسلام کا نشہ جس نے عقل وخرد کو ناکارہ اور فکر و تدبر کو بانجھ کر دیا ہے۔ بصارت وبصیرت کا ایسا افلاس کہ آنکھیں دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہی، کان سنتے ہوئے بھی قوتِ سماعت سے محروم، قلب کی سیاہی نے عقل کی بینائی بھی سلب کر ڈالی۔

اسلام کا راستہ روکو۔۔۔اسلام کو آگے نہ بڑھنے دو۔۔۔اگر اسلام یوں ہی ترقی کرتا رہا تو اس عظیم اور کائناتی سچائی کے سامنے تمام مذاہب اس میں گم ہو جائیں گے۔۔۔ہر تہذیب اسلام کی تہذیب کے سامنے سرنگوں ہو جائے گی۔۔۔ ہر ثقافت اسلام کی حسین ثقافت پر فدا ہو جائیگی۔۔۔قوانینِ اُمم، اسلام کے اصولِ قوانین کے سامنے ہتھیار ڈال دینگے۔۔۔ اسلام کے سماجی، سیاسی، معاشی نظام حُسن کی زیبائی آج نہیں تو جلد ہی اقوام عالم کو گرویدہ بنالے گی اور ہمارے برسوں سے قائم رسم ورواج کے صنم اسلامی تعلیمات کی ایک ہی ضرب سے پاش پاش ہو جائیں گے۔

یہ نعرے ہر زمانے میں لگتے رہے۔۔۔اہل باطل کی یہ صدائیں ہر زمانے میں بلند ہوتی رہیں۔۔۔مذہبی پنڈتوں کی یہ خواہشات ہر عہد میں جنم لیتی رہیں۔۔۔فکر کے سفاک بیوپاری انسانوں کو اپنی غلامی میں رکھنے کیلئے انہیں اسلام کی مخالفت کا زہر پلاتے رہے۔

ماضی میں اسلام کی مخالفت کا علم مشرکین مکہ نے بلند کیا اور عہد حاضر میں مستشرقین اُن کی جانشینی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

احبابِ من! اسلام کی مخالفت اتنی آسان نہیں مسلمانوں کے پاس رسم ورواج کا گورکھ دھندہ نہیں بلکہ نظام حیات موجود ہے۔ اسلام کے ماننے والے مذہبی سوداگروں کے دیوانے نہیں ہوتے بلکہ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پروانے ہوتے ہیں۔ اُن کے پاس ایک ایسی کتاب ہے جو انہیں ضابطۂ حیات دیتی ہے۔ اُن کے پاس قرآن ہے جو اُن کو زندگی بخشتا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں زندگی گزارنے کے اصول ہیں۔ معاشرتی مسائل کا حل ہے۔ سیاسی و معاشی بھنور سے نکلنے کا کلیہ اس کتابِ عظیم الشان میں موجود ہے۔ تو پھر کیسے اس مذہب کی مخالفت ہو سکتی ہے؟ اس قرآن کی فصاحت وبلاغت کے سامنے ان کی مخالفت کب تک جاری رہ سکے گی؟

مشرکینِ مکہ لوگوں کو قرآن کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کے سامنے عرب کے فصیح وبلیغ شعرا، نثر نگار بے بس ہو گئے ہیں۔ وہ پریشان تھے کہ انہیں یہ کلام کون سکھاتا ہے؟ انہوں نے لوگوں کی کثیر تعداد کو قرآن کے بیان سے مرعوب ہوتے اور داخل اسلام ہوتے دیکھا۔

جیسا کہ کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

The Arabs found the Qu'ran quite astonishing. It was unlike any other literature they had encountered before. Some, as we shall see, were converted immediately, believing that divine inspiration alone could account for this extraordinary language. Those who refused to convert were bewildered and did not know what to make of this disturbing revelation. Muslim still fined the Qu'ran profoundly moving. They say that when they listen to it they feel enveloped in a divine dimension of sound. **(Muhammad a Biography of the Prophet, Page 49)**

عرب قرآن پر ششدر رہتے تھے کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے جس ادب کا مطالعہ کیا تھا قرآن اس سے بہت مختلف تھا قرآن کو سن کر، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کئی لوگ فوراً مسلمان ہوگئے انہیں یقین تھا کہ صرف وحیِ الٰہی ہی اس غیر معمولی زبان میں نازل ہوسکتی ہے۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا وہ حواس باختہ ہوگئے اور یہ معلوم نہ کر سکے کہ اس پریشان کن وحی کی وجہ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کیلئے کیا کیا جائے؟ مسلمان قرآنِ پاک کو اب بھی انتہائی دل گداز اور رقت انگیز کلام سمجھتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جب وہ قرآن کو سنتے تو اس الہامی کلام کی اثر پذیری اور آواز سے ان پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۷۱)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

His extreme beauty of the Qur'an seems to have penetrated people's reserves. **(Muhammad a Biography of the Prophet, Page: 125)**

زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ خود قرآن حکیم تھا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۷۲)

مزید آگے اپنے چھپے ہوئے بغض کے ساتھ وہ رقم طراز ہیں:۔

At one level one can say that Muhammad had discovered an entirely new literary form, which some people were ready for but which others found shocking and disturbing. It was so new so Powerful in its effect that its very existence seemed a miracle, beyond the reach of normal human attainment. Muhammad's enemies are challenged to produce another work like it. **(Muhammad a Biography of the Prophet, Page 126)**

یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے مکمل طور پر ایک ایسی نئی ادبی صنف دریافت کرلی تھی جس کیلئے بعض لوگ تیار تھے لیکن کئی دوسرے لوگوں کو اس سے صدمہ پہنچا اور وہ اسے دیکھ کر پریشان ہوگئے۔

یہ اِس قدر نئی، طاقتور اور اثر انگیز صنف تھی کہ خود اس کا وجود ہی معجزہ تھا اور انسانی فہم وادراک اس کا احاطہ کرنے سے عاجز تھا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۷۴)

عزیزانِ گرامی! تاریخ کی کتابوں میں ان گنت ایسے واقعات موجود ہیں جس نے قرآنِ کریم کو ایک مرتبہ بغیر کسی عصبیت کے سن لیا وہ صاحبِ قرآن کا غلام ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ اسلام اس کی واضح دلیل ہے۔

روسائے قریش کاقرآن کو چھپ کرکے سننا

قرآنِ کریم کے بیان میں جو چاشنی ہے اُس نے اس کے مخالفین کو بھی اسے سننے پر مجبور کر دیا۔ اس کی رعنائیوں کے سامنے اس کے مخالفین بھی دم بخود ہیں۔

علامہ ہشام اپنی کتاب سیرتِ ابن ہشام میں لکھتے ہیں، ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب الثقفیؔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے قرآن سننے کیلئے نکلے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کے وقت اپنے کاشانہ اقدس میں مصروفِ نماز تھے۔ اُن میں سے ہر شخص ایک مخصوص جگہ پر بیٹھ کر قرآن پاک سننے لگا۔ ہر ایک دوسرے سے ناآشنا تھا۔ وہ اسی کیفیت میں پوری رات قرآن سنتے رہے۔ طلوعِ فجر کے وقت وہاں سے نکلے راستہ میں وہ سب ایک جگہ جمع ہوگئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور کہا پھر یہ حرکت کبھی نہ کرنا۔ اگر کسی احمق نے تمہارا یہ فعل دیکھ لیا تو ان کے دلوں میں تمہارے متعلق شبہ پیدا ہو جائے گا۔ وہ جدا ہوگئے۔ جب دوسری رات آئی تو ان میں سے ہر شخص اپنی سابقہ جگہ پر بیٹھ گیا اور ساری شب قرآن پاک سنتے ہوئے گزار دی۔ طلوعِ فجر کے وقت وہ وہاں سے نکلے اتفاقاً راستہ میں پھر جمع ہوگئے۔ انہوں نے وہی مشاورت کی جو وہ پہلی رات کر چکے تھے پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔ تیسری رات وہ سہ بار اپنی اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے اور قرآن پاک کی سماعت کرتے ہوئے رات گزار دی۔ صبح کے وقت چلتے بنے۔ راستہ میں پھر جمع ہوگئے انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اب ہم جدا نہ ہوں گے حتی کہ ہم عہد نہ کرلیں کہ ہم پھر کبھی یہ حرکت نہیں کریں گے انہوں نے اس پر پختہ عہد کیا اور چلے گئے۔ (شرح سیرت ابن ہشام (مترجم) صفحہ ۱۴۰،۱۳۹، جلد دوم مطبوعہ ضیاء القرآن اگست ۲۰۰۵ء)

احبابِ من! قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت، اس کی چاشنی، جملوں کی رعنائی نے ان بدترین دشمنوں کو بھی اس کی سماعت پر مجبور کر دیا مگر افسوس کے سنتے ہوئے بھی ساعت سے محروم رہے، دیکھتے ہوئے بھی بصیرت کی یتیمی رہی، لیکن ذرا سوچئے! کیرن صاحبہ کے اس جملے کو۔۔۔

Those who refused to convert were bewildered and did not know what to make of this disturbing revelation. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 49)

جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا وہ حواس باختہ ہوگئے اور یہ معلوم نہ کر سکے کہ اس پریشان کن وحی کی وجہ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کیلئے کیا کیا جائے؟ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۷۱)

یقیناً مشرکین مکہ اس صورت حال میں خاموش ہو کر نہیں بیٹھے ہوں گے۔ ان کے دل و دماغ میں مستشرقین کی طرح آندھیوں کے جھکڑ چل رہے ہوں گے۔۔۔ بے چینی اور اضطراب کے طوفان اُٹھ رہے ہوں گے۔ اور یہ آندھی و طوفان فکر و نظریات کی بزم کو کس طرح تہہ وبالا کرنے کی سعی کر رہے ہوں گے۔

کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

Islam to the threshold of Europe, john of Segovia pointed out that a new way of coping with the Islamic menace had to be found. It would never be defeated by war or conventional missionary activity. He began work on a new translation of the Qu'ran, collaborating with a Muslim jurist from Salamanca. He also proposed the idea of an international conference, at which there could be an informed exchange of views between Muslims and Christians. John died in 1458, before either of his projects had been brought to fruition, but his friend Nicholas of Cusa had been enthusiastic about this new approach. In 1460 he written the cribratio Alchoran (This Sieve of the Qu'ran), which was not conducted on the usual polemical lines but attempted the systematic literary, historical and philological examination of the text that John of Segovia had considered essential. During the Renaissance, Arabic studies were and this cosmopolitan and encyclopedic approach led some scholars to a more realistic assessment of the Muslim world and to an abandonment of cruder Crusading attitudes. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 35)

اسلام یورپ کے دروازے پر دستک دینے لگا جان آف سیگوویا نے اس جانب اشارہ کیا کہ اسلام کے خطرے سے نمٹنے کیلئے عیسائیوں کو ایک نیا طریقہ دریافت کرنا ہوگا کیونکہ جنگ یا روایتی مشنری سرگرمیوں سے اسلام کو کبھی شکست نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ اس نے سلامانکا Salamanca کے ایک مسلمان ماہر قانون کے ساتھ مل کر قرآن کریم کے نئے ترجمے کا کام شروع کر دیا۔ اس نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تبادلہ خیالات کیلئے ایک بین الاقوامی کانفرنس

بلانے کی بھی تجویز پیش کی۔ لیکن ۱۴۵۸ء میں اُس کا انتقال ہو گیا اور اس کا کوئی منصوبہ بار آور نہ ہو سکا۔ البتہ اس کے دوست کیوسا کے نکولس نے اس نئے اندازِ فکر کے بارے میں جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ اس نے ۱۴۶۰ء میں Cribation Alchoran (قرآن کا اجمالی جائزہ) لکھی۔ یہ کتاب معمول کے مطابق مناظرانہ خطوط پر لکھی گئی لیکن اس کا اسلوب ادبی، تاریخی اور فلسفیانہ تھا اور اس میں قرآنِ حکیم کی ان آیات کا تجزیہ کیا گیا جنھیں جان آف سیگوویا اہم سمجھتا تھا۔ علوم و فنون کے احیا کے زمانے میں عربی زبان کے مطالعے کو فروغ حاصل ہو گیا اور اس آفاقی مذہب اور علوم و فنون کے متعلق جامع معلومات اکٹھی کرنے کے رجحان کی بدولت بعض اسکالروں نے عالم اسلام کے بارے میں زیادہ حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر اختیار کر کے صلیبی جنگوں کے خام رویے کو ترک کر دیا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۵۴)

اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خوف زدہ ہوتے ہوئے انگریز مستشرق Hunphry Prideanx لکھتا ہے:

Islam a mere imitation of Christianity but it was a clear example of idiocy to which all religions ,Christianity included, could sink. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 36)

اسلام نہ صرف عیسائیت کا چربہ ہے بلکہ یہ دین ضعفِ عقل اور پاگل پن کی واضح مثال ہے اور اگر مذہب کے معاملے میں عقل و استدلال سے کام نہ لیا گیا تو عیسائیت سمیت تمام مذاہب غرق ہو جائینگے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، ص ۵۵)

مستشرق کارلائل قرآن مجید کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

But the Qu'ran was condemned as the most boring book in the world: 'a wearisome, confused jumble ,crude, incondite; endless iteration, long-windedness, entanglement; most crude ,incondite, insupportable stupidity in short. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 38)

کارلائل نے قرآن پاک کو دنیا کی سب سے بے کیف کتاب قرار دیتے ہوئے کہا مختصر یہ کہ قرآن پاک ناگوار اور تکلیف دہ، پریشان خاطر، خام، کبھی ختم نہ ہونے والی تکرار، طویل پیچ و خم، دشوار گزار، حد درجہ خام اور حماقتوں کا مجموعہ ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۵۸)

مستشرقین بھی مذہب اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور قرآن کے اعجاز کے سامنے بے بس ہو کر وہی اعتراضات کرنے لگے جو عہدِ رسالت میں مشرکین نے کیے تھے۔

مشرکین کے قرآن پر اعتراضات

مشرکین نے قرآن کریم پر کیا اعتراضات کئے؟

مشرکین نے قرآن کریم کو کلامِ الٰہی ماننے سے انکار کیا۔ انہوں نے فصاحت و بلاغت کو ملاحظہ کیا مگر ضد، ہٹ دھرمی کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا۔

سورۂ ھود میں مشرکین کے اس طرز کو یوں بیان فرمایا:۔

ام یقولون افتراہ قل ان افتریتہ فعلی اجرامی و انا بریء مما تجرمون (سورہ ھود۔ آیت ۳۵)

کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اسے (قرآن کو) اپنے دل سے گھڑ لیا ہے

تم فرماؤ اگر میں نے دل سے بنالیا تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور تمہارے گناہ سے الگ ہوں۔

مشرکین نے پیغمبر اسلام پر شاعر ہونے کا الزام عائد کیا قرآن نے اس کا تذکرہ یوں بیان فرمایا:۔

بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل ھو شاعر (سورہ انبیاء۔ آیت ۵)

بلکہ بولے پریشان خیالات ہیں بلکہ ان کی گھڑت ہے بلکہ یہ شاعر ہیں۔

مستشرقین نے بھی اسی اسلوب کو اپنایا جیسا کہ کیرن آرمسٹرانگ اپنی کتاب Muhammad Prophet for our Time میں لکھتی ہیں:۔

Afterwards he found it almost impossible to describe the experience that sent him running in anguish down the rocky hillside to his wife. It seemed to him that a devastating presence had burst into the cave where he was sleeping and gripped him in an overpowering embrace squeezing all the breath from his body. In his terror, Muhammad could only thing that he was being attacked by a jinni. (Muhammad Prophet for our Time, Page: 21)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تجربے کو بیان کرنا تقریباً ناممکن پایا جب آپ لرزاں و خیزاں پہاڑی سے اُتر کر اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تھے۔ آپ کو لگا تھا کہ ایک پُر جلال اور ہیبت ناک ہستی اس غار میں گھس آئی تھی جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ اس ہستی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زور سے اپنے ساتھ بھینچا تھا۔ ہیبت زدگی کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوچا کہ شاید کسی جن نے حملہ کیا تھا۔ (پیغمبر امن صفحہ ۱۱)

یہ جن کون تھا؟اس کے بارے میں بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

One of the fiery spirits who haunted the Arabian steppes and frequently one lured travelers from the right path. The jinn also inspired the bards and soothsayers of Arabia. One poet described his poetic vocation as a violent assault; his personal jinni had appeared to him without any warning, thrown him to the ground and forced the verses from his mouth. (Muhammad Prophet for our Time, Page: 21)

یہ جن ناری روحیں تھیں جو اکثر عربیہ کی ستیپیوں پر منڈلاتے اور گاہے بگاہے مسافروں کو راہ سے بھٹکاتے رہتے تھے۔ جنات نے گویّوں اور عربیہ کے فال گیروں کو بھی فیض بخشا تھا۔ ایک شاعر نے اپنی شاعرانہ کیفیت کو زبردست حملے کے طور پر بیان کیا: اس کے ذاتی جن نے بلا انتباہ اسے زمین پر پھینک دیا اور اشعار زبردستی اس کے منہ سے نکلوائے۔ (پیغمبر امن صفحہ ۱۱)

کیرن آرم سٹرانگ محض اپنے تخیل کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ کسی جن کے سحر میں گرفتار تھے۔

So, when Muhammad heard the curt command 'Recite!' he immediately assumed that he too had become possessed. 'I am no Poet' he pleaded but his assailant simply crushed him again, until- just when he thought he could bear it no more, he heard the first words of a new Arabic scripture pouring, as if unbidden from his lips. (Muhammad Prophet for our Time, Page: 21, 22)

چنانچہ جب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے 'پڑھو!' کا حکم سنا تو یہی سمجھے کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر بھی جن وارد ہوا ہے۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے کہا 'میں شاعر نہیں ہوں' لیکن حملہ آور ہستی نے آپ کو دوبارہ بھینچا اور یہ عمل برداشت سے باہر ہو گیا تو نئے عربی صحیفے کے ابتدائی الفاظ خود بخود اپنے لبوں سے جاری ہو گئے۔ (پیغمبر امن، ص ۱۱،۱۲)

اپنی کتاب **Muhammad A Biography of the Prophet** میں اپنے اسی الزام کو یوں تقویت دیتی ہیں:۔

Thus Hassan ibn Thabit, the poet of Yathrib who later become a Muslim, says that when he received his poetic vocation, his jinni had appeared to him, thrown him to the ground and forced the inspired words from his mouth. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 84, 85)

یثرب کے شاعر حسان بن ثابت نے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے کہا ہے کہ جب اُن پر شعر گوئی کی کیفیت طاری ہوتی تو اُن کا جن ظاہر ہو کر انہیں زمین پر گرا دیتا تھا اور الہامی الفاظ ان کے منہ سے کہلواتا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۱۱۸)

مشرکین نے قرآن اور صاحبِ قرآن پر یہ الزام لگایا جسے قرآن نے یوں بیان کیا۔

قال الذین کفروا ان ھذا الا افک افتراہ و اعانہ علیہ قوم آخرون فقد جاؤوا ظلما وزورا و قالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ و اصیلا (سورہ فرقان۔ آیت ۴،۵)

اور کافر بولے یہ (قرآن) تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے (پیغمبر اسلام) بنالیا ہے اور اس پر اور لوگوں نے بھی انہیں مدد دی ہے۔ بے شک وہ ظالم اور جھوٹ پر آئے اور بولے اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں۔

مستشرقین کا انداز بھی یہی ہے، کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

Christians would claim that it was Bahira who had coached Muhammad . (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 78)

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اصل میں بحیرا نے تعلیم دی تھی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۱۰۷)

اسی الزام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

و لقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اُس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔ (سورہ نحل۔ آیت ۱۰۳)

اس آیت کی تفسیر میں صاحب ضیاء القرآن لکھتے ہیں، جب انسان بوکھلا جاتا ہے تو معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ جب قرآن کریم کے متعلق اُن کے تمام شبہات کا جواب دے دیا گیا اور اُن کو اس جیسی کتاب، نہیں تو اس کی چھوٹی سی سورت کی مانند سورت کے بنانے کے چیلنج نے جب اُن کے لبوں پر مُہرِ خاموشی ثبت کر دی تو کہنے لگے آپ کو کوئی سکھاتا ہے اور یہ سیکھ کر بیان کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ سیکھتے ہیں تو کس سے۔ اس کیلئے کوئی جواب ہوتا تو وہ دیتے، جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا بلعام لوہار سے، کوئی بنی مغیرہ کے ایک غلام یعیش کا نام لیتا کوئی عیش اور جبر کو استاد ظاہر کرتا۔ حسنِ اتفاق ملاحظہ ہو کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی مادری زبان عربی ہو، سارے عجمی تھے اور سارے غلام تھے اور ان میں سے اکثر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ ان کے کافر آقاؤں پر سخت ظلم کرتے لیکن ان کے پاؤں نہ ڈگمگاتے اگر یہ معلم ہوتے۔ اگر یہ قرآن سکھانے والے ہوتے تو انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاکر اپنے آپ کو سنگدل آقاؤں کے ظلم و ستم کا ہدف بننے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز اگر کسی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیکھتے تھے تو وہ کوئی ایک ہی ہوگا۔ کفار کا مختلف لوگوں کے نام لینا اُن کے جھوٹے ہونے کی صریح

نشانی تھی اور سب سے بڑی دلیل اُن کے جھوٹے ہونے کی یہ تھی جسے قرآن کریم نے ذکر فرمادیا ہے کہ تم جو لغتِ عربی کے امام ہو اور فصاحت وبلاغت کے دعویدار ہو تم تو آج تک اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی بنانہ سکے۔ یہ عجمی غلام جنہیں صبح سے لیکر شام تک اپنے دھندے سے فرصت نہیں ملتی وہ اتنے ماہر کہاں سے آگئے کہ ایسا فصیح و بلیغ کلام سکھا سکیں، جس کے ہر جملہ میں علم وحکمت کے سمندر موجزن ہیں۔ (ضیاء القرآن، جلد دوم صفحہ ۶۰۴،۶۰۳)

انہی اعتراضات سے گھبرا کے منٹگمری واٹ لکھتا ہے:۔

'Here there are various possibilities. He might have met Jews and Christians and talked about religious matters with them. There were Christian Arabs on the borders of Syria. Christian Arabs or Abyssinians from Yeman may have come to Mecca to trade or as slaves. Some of the nomadic tribes or clans were Christians, but may still have come to the annual trade fair at Mecca .There were also important Jewish groups settled at Medina and other places. Thus opportunities for conversation certainly existed. Indeed Muhammad is reported to have had some talks with Waraqah Khadijah's Christian cousin and during his life time his enemies tried to point to some of his contacts as the source of his revelation'.

اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ ممکن ہے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہودیوں اور عیسائیوں سے ملے ہوں اور اُن کے ساتھ مذہبی معاملات پر گفتگو کی ہو۔ شام کی سرحد کے ساتھ کچھ عیسائی عرب آباد تھے۔ ممکن ہے عیسائی عرب یا یمن کے حبشی تجارت کی غرض سے یا غلام بن کر مکہ آئے ہوں۔ کچھ بدو قبائل یا اُن کی کچھ شاخیں بھی عیسائی تھیں، لیکن عیسائی ہونے کے باوجود ممکن ہے وہ مکہ کے سالانہ تجارتی میلوں میں شرکت کرتے ہوں۔ مدینہ اور کچھ دوسری جگہوں پر یہودیوں کے کچھ اہم قبائل آباد تھے۔ لہٰذا ایسے عناصر سے گفتگو کے امکانات یقیناً موجود تھے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی حضرت خدیجہ کے عیسائی چچازاد ورقہ سے ملاقات کا بیان تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی زندگی میں آپ کے دشمنوں نے کچھ ایسے عناصر کے ساتھ آپ کے رابطوں کی طرف اشارہ کیا تھا جن کو ان کے الہامات کا منبع قرار دیا جاسکتا تھا۔ (محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹمین، صفحہ ۴۱)

انہی جیسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ام یقولون تقولہ بل لا یؤمنون (سورہ طور۔ آیت ۳۳)

کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی (قرآن) گھڑ لیا ہے درحقیقت یہ بے ایمان ہیں۔

قارئین کرام! مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے عہدِ رسالت کے مخالفین و معترضین کے اعتراضات کا ذکر فرمایا۔ مستشرقین نے بھی مشرکین کے اسلوب و الزامات کو اپنایا۔ مشرکین نے قرآن کریم پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ اس میں جو قصے ہیں، واقعات ہیں وہ سب پہلے لوگوں کے ہیں۔ قرآن نے ان کے دعوے کو یوں بیان فرمایا:۔

حتی اذا جآؤوک یجادلونک یقول الذین کفروا ان ھذا الا اساطیر الاولین (سورہ انعام۔ آیت ۲۵)

یہاں تک کہ جب آپ کے پاس بحث کرنے کو آتے ہیں تو جو کافر ہیں کہتے ہیں
یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔

ایک اور جگہ ان کے اسی الزام کو یوں بیان فرمایا:۔

و اذا قیل لھم ماذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین (سورہ نحل۔ آیت ۲۴)

اور جب ان (کافروں) سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے تمہارے پروردگار نے
کہتے ہیں (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔

مستشرقین آج جو الزامات قرآن اور صاحبِ قرآن پر لگاتے ہیں عہدِ رسالت میں دشمنانِ اسلام مشرکین مکہ کا بھی یہی وطیرہ تھا۔ قرآن نے ان کے اس الزام کو ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا:۔

و قالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا (سورہ فرقان۔ آیت ۵)

اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوالیا ہے
انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اُسے ہر صبح و شام۔

قارئین کرام! یہ ہی اسلوبِ الزامات مستشرقین کا بھی ہے جیسا کہ کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

Like most Arabs of the time, he was familiar with the stories of Noah, Lot, Abraham, Moses, and Jesus and knew that some people expected the imminent arrival of an Arab Prophet. (Muhammad Prophet for our Time, Page: 22)

اپنے عہد کے زیادہ تر عربوں کی طرح آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی کہانیوں سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ کچھ لوگ ایک عرب کے پیغمبر کے منتظر تھے لیکن انہیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ یہ مشن خود آپ ہی کو سونپا جائے گا۔ (پیغمبرِ امن، صفحہ ۱۲)

مزید آگے اپنے اسی تخیل کو اس طرح ذہنوں میں راسخ کرنے کی کوشش کرتی ہیں:۔

آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے بہت گہرائی میں محسوس کر لیا تھا کہ آپ غیر معمولی قابلیت کے مالک تھے۔
(پیغمبر امن، صفحہ ۲۵)

کیرن آرمسٹرانگ کہنا یہ چاہتی ہیں:۔

- قصص النبیین کے واقعات جو قرآن میں ہیں ان سے تو آپ دیگر عربوں کی طرح واقف تھے۔
- یہ بھی جانتے تھے کہ کچھ لوگ عرب میں ایک پیغمبر کے منتظر بھی ہیں لہٰذا موقع غنیمت جانا اور غیر معمولی قابلیت کے سبب نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

قرآن کریم کے ابتدائی پیغام میں روزِ قیامت کا مسیحی تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۴۱)

یعنی قرآن کریم میں جو قیامت سے متعلق نظریہ ہے وہ بائبل یا عیسائیت سے ماخوذ ہے۔

کیرن آرمسٹرانگ کی یہ الزام تراشی کوئی نئی نہیں بلکہ ان سے قبل دیگر مستشرقین بھی اس طرح کے الزامات عائد کر چکے ہیں اور یہ مستشرقین کا شیوہ ہے کہ سب لوگ مل کر جھوٹ بولو تا کہ سچ کو پھانسی کی سزا سنا دی جائے۔

کیرن آرمسٹرانگ کے پیش رَو ول ڈیورانٹ اس الزام کو بہت کھل کر یوں بیان کرتے ہیں:۔

عرب میں بہت سے عیسائی تھے جن میں کچھ مکہ میں بھی رہتے تھے۔ ان میں سے کم از کم ایک کے ساتھ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا تعلق کافی قریبی نوعیت کا تھا۔ یہ عیسائی شخص حضرت خدیجہ کا کزن ورقہ بن نوفل تھا جو عبرانیوں اور عیسائیوں کے مذہبی صحائف کے بارے میں جانتا تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اکثر مدینہ جایا کرتے تھے جہاں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے والد کا انتقال ہوا تھا۔ وہاں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ملاقات غالباً کچھ یہودیوں سے ہوئی جو آبادی کا ایک بڑے تناسب تشکیل دیئے ہوئے تھے۔ قرآن پاک کے متعدد صفحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے عیسائیوں کے اخلاقی اصولوں، یہودیوں کی وحدانیت کو سراہنا سیکھا۔ ان عقائد کے ساتھ موازنہ میں عرب کی بت پرستی، اخلاقی بے راہ روی، قبائلی جنگ وجدل اور سیاسی افراتفری شرمناک حد تک وحشیانہ معلوم ہوتی ہو گی۔ (اسلامی تہذیب کی داستان، صفحہ ۲۲)

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

ہر کامیاب مبلغ کی طرح حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اپنے عہد کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق صدا بلند کی۔ (ایضاً)

ول ڈیورانٹ کے ان دونوں اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے چند عیسائی جیسے ورقہ بن نوفل جو عبرانیوں اور عیسائیوں کے صحائف کے بارے میں جانتا تھا اُس سے یقیناً کچھ سیکھا ہوگا پھر ول ڈیورانٹ کے مطابق آپ اکثر مدینے بھی جایا کرتے تھے، وہاں آپ کی ملاقات غالباً کچھ یہودیوں سے ہوئی ہوگی، اُن سے بھی آپ نے کچھ سیکھا ہوگا۔

تخمینے اور اندازوں پر مبنی ان اقتباس کو پڑھ کر کوئی پوچھ لے کہ ول ڈیورانٹ صاحب! آپ کو اس بارے میں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ عیسائی یا یہودی علماء سے لیا گیا ہے اور اس کا ماخذ یہود و نصاریٰ کا ادب ہے، تو کہتے ہیں۔

قرآن کے متعدد صفحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے عیسائیوں کے اخلاقی اصولوں یہودیوں کی واحدانیت کو سراہنا سیکھا۔ (ایضاً)

یعنی قرآن کریم یہود و نصاریٰ کی بائبل سے ماخوذ ہے اور پیغمبر اسلام نے اپنے عہد اور ضرورت کے مطابق آواز لگائی۔

قرآن مجید کے بارے میں ایک اور الزام عائد کرتے ہوئے ول ڈیورانٹ رقم طراز ہیں:۔

عہد نامہ جدید کی طرح قرآن مجید کی اخلاقیات کا دارومدار بھی بعد از موت سزا کے خوف اور جزا کی اُمید پر ہے۔ (اسلامی تہذیب کی داستان، صفحہ ۴۳)

مزید آگے ول ڈیورانٹ لکھتا ہے:۔

قرآن مجید میں یہودیوں کے عقائد، داستانیں عبرانی پیغمبروں کے قصے ملتے ہیں۔ یہودیوں کو اس کتاب میں اپنی وحدانیت، الہام، ایمان، توبہ، روزِ قیامت اور جنت و دوزخ کے عقائد نظر آئے۔ (ایضاً صفحہ ۵۱)

اسی طرح لفظوں کی ہیر پھیر کا گورکھ دھندا تقریباً تمام ہی مستشرقین کی تحریروں میں نظر آئے گا۔ جارج سیل اپنی کتاب The Koran میں لکھتا ہے:۔

Several of which stories or some circumstances of them are taken from the old and new testament but many more from the apocryphal books and traditions of the jews and christians of those ages set up in the koran as truths in opposition to the scriptures which the jews and christians are charged with having altered and i am apt to believe that few or none of the relation or circumstances in the koran were invented by Muhammad as is generally supposed it being easy to trace the greatest part of them much higher.

(قرآن حکیم میں بیان ہونے والی) کئی کہانیاں یاان کے کچھ حالات عہد نامہ قدیم یاعہد نامہ جدید سے لئے گئے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کہانیاں ان غیر مستند انجیلوں اور روایات سے لی گئی ہیں جو اس دور کے یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج تھیں۔ ان کہانیوں کو بائبل کے بیانات کے بر خلاف حقائق کی شکل میں قرآن میں پیش کیا گیا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے صحفِ سماوی میں تحریف کر دی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ قرآن حکیم میں ایسے بیانات یا حالات یا تو کلیۃً مفقود ہیں یا بالکل کم ہیں جو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ابتداءً پیش کئے ہوں جیسا کہ عام خیال کیا جاتا ہے کیونکہ ان بیانات کے اکثر حصے کو قرآن سے پہلے کے مصادر میں آسانی سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔

(ضیاء النبی جلد ۶ صفحہ ۳۶۱،۳۶۰ بحوالہ The Koran صفحہ ۴۸)

مشرکینِ مکہ کا دعویٰ

مشرکینِ مکہ جو شرک کی معصیت میں مبتلا اور عصبیت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے، جہالت و حسد کے سبب کہنے لگے جیسا کلام پیغمبر اسلام پر نازل ہوتا ہے ایسا کلام تو ہم بھی بنا سکتے ہیں۔ کفار کے اس قول کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:۔

و من قال سانزل مثل ما انزل اللہ (سورہ انعام۔ آیت ۹۳)

اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں بھی بنالوں گا ایسی (کتاب) جس طرح کی (کتاب) اللہ نے نازل کی ہے۔

سورۂ انفال میں ان کے قول کو یوں بیان فرمایا:

و اذا تتلی علیھم آیاتنا قالوا قد سمعنا لونشاء لقلنا مثل ھذا (سورہ انفال۔ آیت ۳۱)

اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتے ہیں سُن لیا ہم نے اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں۔

کفارِ مکہ اسی طرح کی شیخیاں بگھارتے مگر ایک آیت بھی نہ بنا سکے۔ مشرکینِ مکہ کے قرآن سے متعلق الزامات واعتراضات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج دیا کہ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی اس جیسی کوئی صورت بنالاؤ۔

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات و ادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین (سورہ ھود۔ آیت ۱۳)

کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے آپ فرمائیے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلالو (اپنی مدد کیلئے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) سچے ہو۔

لیکن وہ اپنی تمام شیخیوں کے باوجود جب قرآن کریم کے اس چیلنج کے جواب میں خاموش ہوگئے، تو اس چیلنج میں مزید تخفیف کرتے ہوئے فرمایا:۔

و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ و ادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۳)

اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلالو اپنے حمائتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

مزید فرمایا:۔

قل لئن اجتمعت الانس و الجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن

لا یاتون بمثله ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت ۸۸)

کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل کو ہر گز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگر چہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ مثله و ادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین

کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ اُس نے خود گھڑ لیا ہے اسے آپ فرمائیے پھر تم بھی لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور (امداد کیلئے) بلالو جن کو تم بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اگر تم (اپنے الزام) میں سچے ہو۔ (سورہ یونس۔ آیت ۳۸)

ایک اور جگہ فرمایا:

ام لکم سلطان مبین ۔ فاتوا بکتابکم ان کنتم صادقین (سورہ الصفت آیت ۱۵۶،۱۵۷)

کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے تو اپنی وہ کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

مشرکین یہ الزام عائد کرتے رہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کلام خود گھڑ لیا ہے تو قرآن نے چیلنج دیا کہ اگر ایسا ہی ہے تو تم بھی اسی جیسی کتاب لکھ ڈالو تا کہ بات ہی ختم ہو جائے۔ فصاحت و بلاغت میں تم کسی اور کو اپنا ہم پلہ قرار نہیں دیتے، خود کو عربی اور باقی دنیا کو عجمی (گونگا) کہتے ہو کہ فصاحت و بلاغت تم پر ختم ہو جاتی ہے تو تم سب مل کر باہمی مشورے سے ایک ایسا کلام پیش کرو جیسا کہ سورۂ طور میں بھی فرمایا:۔

فلیاتوا بحدیث مثله ان کانوا صادقین (سورہ طور۔ آیت ۳۴)

پس (گھڑ کر) لے آئیں وہ بھی اس جیسی کوئی (روح پرور) بات اگر سچے ہیں۔

احبابِ من! یہ چیلنج ہر زمانے کیلئے ہے۔ ہر عہد کے منکرین کو قرآن یہ چیلنج دے رہا ہے۔ اور ہر زمانے کے مخالفین قرآن کے اس چیلنج کے سامنے بے بس ہیں۔

وہ قوم جو آج لاکھوں ٹن بارود برسا کر مسلم ممالک میں لسانی اور فرقہ وارانہ فسادات کرا کر مسلمانوں کی نسل کشی میں مصروفِ عمل ہے خود کو مشرقی اقوام سے برتر اور اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ آخر وہ اس چیلنج کو قبول کیوں نہیں کرتے اور اسی طرح کی ایک اور کتاب منظر عام پر کیوں نہیں لے آتے۔

یقیناوہ اس چیلنج کے سامنے بے بس ہوگئے۔ کل کے وہ فصحائے عرب جنہیں اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز تھااور عہدِ حاضر کے وہ مستشرق جن کو عربی قواعد وگرامر پر عبور حاصل ہے اس کتابِ مبین کے سامنے بے بس کیوں ہوگئے اور قرآن کریم نے یہ پیشن گوئی کردی تھی کہ

فان لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس و الحجارة اعدت للکافرین

پھر اگر ایسانہ کرسکواور ہرگزنہ کرسکوگے تو ڈرواس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۴)

مزید آگے فرمایا:۔

فان لم یستجیبوا لکم فاعلموا انما انزل بعلم الله و ان لا الٰه الا هو فهل انتم مسلمون

پس اگر وہ نہ قبول کرسکیں تمہاری دعوت تو جان لو کہ یہ قرآن محض علم الٰہی سے اترا ہے اور (یہ بھی جان لو کہ) نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پس کیا (اب) تم اسلام لے آؤ گے۔ (سورہ ھود۔ آیت ۱۴)

منکرینِ قرآن، قرآن کریم کے اس چیلنج کے جواب میں خاموش ہوگئے۔ اُن کی فصاحت وبلاغت قرآن کریم کے اسلوبِ بیان اور اس کی ادبی بلندیوں کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔ ان کی بڑکیاں اور شیخیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔

قرآن کلامِ الٰہی ہونے کے دلائل

مشرکین اور مستشرقین نے قرآن پر یہی الزام عائد کیا کہ قرآن الہامی کتاب نہیں بلکہ پیغمبر اسلام کا کلام ہے، اُن کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ربّ العالمین فرماتا ہے:۔

افلا یتدبرون القرآن و لوکان من عند غیراللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (سورہ النساء۔ آیت ۸۲)

تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں ؟اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلافِ کثیر۔

اے متلاشیانِ حق! ذرا غور فرمایئے اس آیت پر یہ آیت آج بھی راہ حق کے مسافروں کو پیغام دے رہی ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرو۔۔۔ اس میں غور کرو۔۔۔ اس کو پڑھو۔۔۔ فکر اپناؤ۔۔۔ بصارت و تدبر سے دیکھو۔

کیا تم اس کتاب میں اختلاف پاتے ہو؟

احبابِ من! مستشرقین کا یہ الزام کہ اس کتاب کے مصنف پیغمبر اسلام ہیں، انتہائی لغو ہے۔

کیونکہ قرآن کریم تئیس سال کے طویل عرصے میں نازل ہوا۔ اور اتنی طوالت کے باوجود اس کتاب میں کہیں تضاد اور اختلاف موجود نہیں اور جس زمانے میں یہ کتاب نازل ہوئی اُس زمانے کو چشم تصور سے ملاحظہ کیجئے کہ کیسا پُر آشوب زمانہ ہے۔ داعی اسلام اور شمع رسالت کے پروانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جاچکا ہے اور کبھی صورتِ حال یہ ہے کہ جان لینے کیلئے آمادہ، جان نچھاور کرنے کیلئے بے قرار ہو رہے ہیں۔۔۔ صلح بھی اور جنگ بھی۔۔۔ خوف بھی اور امن بھی۔۔۔ کبھی غارِ حرا میں خلوت و گوشہ نشینی تو کبھی ملکِ حجاز کی بادشاہت۔۔۔ کبھی طائف کا میدان اور پتھروں کی یلغار۔۔۔ کبھی بدر کا میدان اور شمع رسالت کے پروانوں کی بہار۔۔۔ طنز و تشنیع کے وار۔۔۔ کبھی حسانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چہکار۔۔۔ یہود و منافقین کی غداری مہاجرین و انصار کی وفاداری۔

ان بدلتے ہوئے حالات میں۔۔۔ ان تغیرات زمانہ میں ایک ایسی کتاب نازل ہوئی جس کی 6666 آیات میں سے کسی ایک بھی آیت میں تضاد اور اختلاف نہیں۔

سوچئے! تدبر اپنایئے! اے راہِ حق کے مسافرو!

کلام، متکلم کی حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ متکلم (کہنے والا) جب غصے میں ہوگا تو اُس کا اندازِ بیان اور ہوگا، جب متکلم خوشی و مسرت کے جذبات سے معمور ہوگا تو کلام میں مٹھاس ہوگی۔ متکلم جب حالتِ اضطراب میں ہوگا

توکلام میں پختگی ناپید ہوگی۔ غرض یہ کہ کلام متکلم کی حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے لہٰذا اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ کلام اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا ہوتا تو اس میں کثیر اختلافات ہوتے۔

اب قرآن کے اسلوب کو ملاحظہ کیجئے۔ ہر جگہ فصاحت وبلاغت فصحائے عرب کو تعجب وحیرت کا بت بناتی نظر آتی ہے اس کے احکامات بنی نوع انسان کو راہ ہدایت پر گامزن کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے احکامات حلال وحرام، توحید وشرک کہیں بھی تو تضاد نہیں۔ کہیں بھی تو اختلاف نہیں۔ کہیں بھی تو اس کلام میں عیب نہیں۔ کہیں بھی تو اس کتاب میں جھول نہیں ہر جگہ، ہر مقام پر یہ کتاب بنی نوع انسان کی رہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل کا جاہل معاشرہ ہو یا عہدِ حاضر کا جدید معاشرہ۔ ماضی کے حالات ہوں یا مستقبل کی پیشن گوئیاں ہر جگہ، ہر مقام پر یہ کتاب اپنے خالق کا کلام ہونا ثابت کرتی ہے۔

ہم آئندہ صفحات پر بائبل اور قرآن کے احکامات وپیشن گوئیوں کا تقابلی جائزہ پیش کریں گے۔

مس کیرن آرمسٹرانگ اسلام فوبیا کا شکار ہیں اور اُن کی آنکھیں دیکھتی ہیں تو عصبیت کی عینک لگا کر، اُن کی بصیرت اسلام دشمنی کے سبب افلاس کا شکار ہو چکی ہے۔ اسلام دشمنی کے سبب مس کیرن آرمسٹرانگ پیغمبر اسلام پر درج ذیل الزامات عائد کرتی ہیں:۔

It was a time of great desolation and some Muslim writers have attributed his suicidal despair to this period. Had he been deluded after all? Or had God found him wanting as of revelation and abandoned him? **(Muhammad a Biography of the Prophet, Page 89)**

آنحضرت کیلئے یہ تنہائی اور کسمپرسی کا دور تھا اور کئی مسلمان مصنفوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں حضور حد درجہ مایوس اور دل شکستہ رہے۔ آپ کے ذہن میں بار بار یہ سوال اٹھتا کہ آپ صحیح راستے سے بھٹک گئے ہیں؟ یا خدا نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا ہے؟ یہ ایک ہولناک مصیبت تھی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۱۲۴)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

Muhammad was now about to begin his mission. He had learned to have faith in his experiences and he now believed that they came directly from God .He was no deluded kahin. **(Muhammad a Biography of the Prophet, Page 90)**

نبی کریم اب مشن شروع کرنے والے تھے۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پختہ یقین ہو گیا تھا کہ آپ پر براہِ راست خدا کی طرف سے وحی نازل ہو رہی ہے اور یہ کہ آپ راہ بھولے کاہن نہیں ہیں۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۱۲۵)

مزید ہرزہ سرائی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

He insisted, thinking that the angle had mistaken him for one of the disreputable kahins. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 83)

آپ (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کا خیال تھا کہ یہ فرشتہ عرب کے کسی بدنام نجومی کاہن کے بجائے غلطی سے آپ کے پاس آگیاہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۱۵)

آگے اپنے صلیبی مشن میں اپنااہم رول اداکرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

In 612 at the start of his mission. Muhammad had a modest conception of his role .He was no saviour or messiah; he had no universal mission- at this date he did not even feel that he should preach to the other Arabs of the peninsula. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 91)

رسول اللہ نے ۶۱۲ء میں اپنے مشن کا آغاز کیاتو آپ کو اپنے رول کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔اُس وقت آپ کوئی نجات دہندہ یا مسیح نہیں تھے اور نہ ہی آپ کا مشن آفاقی نوعیت کا تھا۔ شروع شروع میں تو آپ کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ آپ کو جزیرہ نما کے دوسرے عربوں میں تبلیغ کرنی چاہئے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۱۲۶)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

But Muhammad never had any idea that he was founding a new world religion. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 86)

لیکن محمد کو کبھی یہ خیال نہ آیا کہ آپ ایک نئے عالمی مذہب کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ (ایضاً، صفحہ ۱۲۰)

صلیبی عصبیت کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجئے:۔

Muhammad's rejection by the Jews was probably the greatest disappointment of his life. (Muhammad A Biography of the Prophet Page 159)

یہودیوں نے آنحضرت کی نبوت سے انکار کیاتو آپ کو غالباًزندگی کی سب سے بڑی مایوسی ہوئی۔ (ایضاً، صفحہ ۲۱۶)

مزید آگے قطعی فیصلہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

At the time of the hijra Muhammad had no definite vision and no concerted policy through which he hoped to achieve a fully articulated objective. He never formed those kinds of grand schemes but responded to each new event as it occurred. This was essential .He was gradually moving towards the unknown and unprecedented and clearly defined ideas and policies would inevitably. (Muhammad a Biography of the Prophet Page: 166)

ہجرت کے وقت نبی کریم کے پاس کوئی قطعی خاکہ اور وِژن نہیں تھا اور نہ ہی آپ نے ایسی کوئی مربوط پالیسی وضع کی تھی جس کے ذریعے آپ اپنے نصب العین کو حاصل کرلیتے۔ آنحضرت نے کبھی کوئی لمبے چوڑے منصوبے نہ بنائے بلکہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو حالات کی مناسبت سے آپ اس سے نمٹ لیتے۔ آپ بتدریج ایک نامعلوم اور انجان منزل کی طرف بڑھ رہے تھے جس کی اس سے پہلے کوئی نظیر موجود نہیں تھی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۲۲۵)

کیرن آرمسٹرانگ کے ان اقتباسات سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:۔

- پیغمبر اسلام حد درجہ مایوس اور دل شکستہ ہوچکے تھے۔
- آپ کو علم نہیں تھا کہ آپ صحیح راستے پر ہیں یا بھٹک گئے ہیں؟
- آپ تذبذب کا شکار تھے کہ کیا خدا نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا ہے؟
- آپ کو بعد میں پختہ یقین ہوا کہ آپ کاہن نہیں ہیں۔
- آپ کو فرشتے کی آمد اور مقصد کا بھی علم نہیں تھا آپ سمجھے کہ یہ کسی بدنام نجومی یا کاہن کے بجائے غلطی سے آپ کے پاس آگیا ہے۔
- آپ کو اپنے مشن میں اپنے ہی رول کا صحیح اندازہ نہ تھا۔
- آپ بنی نوع انسان کیلئے نجات دہندہ نہیں تھے۔
- آپ کا مشن بھی آفاقی نوعیت کا نہیں تھا۔
- ابتداء میں آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کو دیگر عربوں کو بھی تبلیغ کرنی ہے۔
- یہودیوں کے انکار کے سبب آپ مایوس و دلگرفتہ ہوگئے۔
- ہجرت کے وقت پیغمبر اسلام کے پاس کوئی قطعی خاکہ اور وژن نہیں تھا۔
- آپ کے پاس مربوط پالیسی بھی نہیں تھی جس کے ذریعے آپ اپنے نصب العین کو حاصل کرلیتے۔

❖ آپ نے مستقبل کے حوالے سے کوئی پلان بھی ترتیب نہیں دیا تھا۔
❖ کسی بھی واقعہ سے آپ حالات کی مناسبت سے نبرد آزما ہو لیتے۔
❖ پیغمبر اسلام کو اپنی منزل کا بھی علم نہیں تھا وہ ایک انجان منزل کی جانب بڑھ رہے تھے۔

اور یہ خیالات صرف کیرن صاحبہ کے نہیں بلکہ دنیائے استشراق کے ہر قلمی شہسوار کے ہیں۔
(ان اعتراضات کا جواب ہم آئندہ صفحات پر دیں گے)

اے عقل و دانش کی مسند پر بیٹھنے والے دانشورو! ذرا سوچئے! مقام تفکر و تدبر ہے!

ایک ایسی شخصیت جو ان مستشرقین کے نزدیک حد درجہ مایوس اور دل شکستہ ہو چکی ہو، جسے اپنے پیغمبر ہونے کا بھی علم نہ ہو، جسے خود راہِ حق سے بھٹکنے کا اندیشہ ہو۔ جس کے پاس نہ مستقبل کا کوئی پلان ہو اور نہ ہی آئندہ کیلئے کوئی خاکہ اور وژن ہو اور نہ ہی اُس شخصیت کو آئندہ اپنی منزل کا علم ہو۔ ان انتشارزدہ حالات میں جب یہ شخصیت خود مایوس اور دل گرفتہ ہو چکی ہو، ایک انجان منزل کی جانب بڑھ رہی ہو، اس شخصیت نے ایک ایسی کتاب رقم فرمائی کہ ساڑھے چودہ سو سال گزرنے کے باوجود کوئی اس کا چیلنج قبول نہیں کر سکا، کوئی بھی اس کی مثل نہیں بنا سکا۔

کفارِ مکہ جنہوں نے اسلام دشمنی کی انتہائیں برپا کر دیں۔ اہلِ صلیب و مستشرقین جنہوں نے عیاریوں اور مکاریوں کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ ان گنت سرمایہ اور ذہنی صلاحیتوں کو آتش عداوت اسلام میں جھونک دیا۔ وہ اس چیلنج کا جواب دے دیتے تاکہ نہ رہتا بانس اور نہ بجتی بانسری۔ لیکن ان کا چیلنج قبول نہ کرنا ہی اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے ہے اور اگر یہ اللہ کی جانب سے نہیں ہوتی تو اس میں اختلافات بہت کثیر ہوتے، جبکہ قرآن میں کہیں بھی اختلافات نہیں ہیں۔

احبابِ من! قرآن مجید تو وہ کتاب ہے جس میں ہر شے کا بیان ہے۔۔ اس میں علم سائنس بھی اور علم طب بھی۔۔ اس میں احکامات بھی ہیں اور فرمودات بھی۔۔ اس میں ہر عہد کیلئے معاشی، سماجی، معاشرتی مسائل کا حل بھی ہے۔۔ قوانین و اُصولِ قوانین بھی۔۔ اس میں علمِ ادیان بھی ہے اور علمِ ابدان بھی، یہ ایک مکمل کتاب ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی مثل نہ ماضی میں کوئی بنا سکا اور نہ مستقبل میں بنا سکے گا۔

اسی لئے فرمایا:۔

فان لم یستجیبوا لکم فاعلموا انما انزل بعلم اللہ و ان لا الہ الا ھو فھل انتم مسلمون

پس اگر وہ نہ قبول کر سکیں تمہاری دعوت تو جان لو کہ یہ قرآن محض علمِ الٰہی سے اُترا ہے اور (یہ بھی جان لو کہ) نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پس کیا (اب) تم اسلام لے آؤ گے۔ (سورہ ھود۔ آیت ۱۴)

ایک اور جگہ فرمایا:۔

و ما کنت تتلو من قبلہ من کتاب و لا تخطہ بیمینک ا ذا لارتاب المبطلون

اور نہ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو اہلِ باطل ضرور شک کرتے۔ (سورہ عنکبوت۔ آیت ۴۸)

پیغمبر اسلام نے چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت فرمایا۔ اس چالیس سال کے عرصے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی اُستاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کئے، کوئی تصنیف نہیں لکھی، قریش مکہ کے سرداروں کی طرح کبھی شعر نہیں کہے، کبھی کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔

پیغمبر اسلام کے حالاتِ زندگی کا لمحہ لمحہ قریش مکہ کے سامنے تھا۔ وہ اس فصاحت و بلاغت سے بھرپور کلام کو سنتے جس میں مستقبل کی پیش گوئیاں بھی ہیں اور بنی نوع انسان کیلئے ہدایت بھی جس کے کلام میں تاثیر بھی ہے اور دوام بھی۔ قریشِ مکہ خود فصاحت و بلاغت کے چمپئن تھے۔ شعر و شاعری میں اُن کا ہم پلہ کوئی نہیں تھا۔ ایک ایسی شخصیت جس نے انہی کے درمیان اپنا بچپن، لڑکپن، جوانی گزاری اور کبھی کوئی شعر نہیں کہا، کبھی کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، کبھی کوئی تحریر نہیں لکھی۔ اگر انہوں نے کوئی کتاب لکھی ہوتی یا نہیں کتابوں سے شغف ہوتا تو یہ الزام عائد ہوتا کہ انہوں نے توریت، انجیل یا دیگر کتب سے استفادہ کر کے کتاب لکھ دی ہو گی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان شکوک وشبہات سے پاک رکھا۔ یقیناً اب کوئی اس کے کلام الٰہی ہونے پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔

قل لوشاء اللہ ما تلوتہ علیکم و لا ادراکم بہ فقد

لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون (سورہ یونس۔ آیت ۱۶)

آپ فرما دیجئے اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو میں نہ پڑھتا اسے تم پر اور نہ ہی وہ آگاہ کرتا تمہیں اس سے میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) اس سے پہلے (اور کبھی ایک کلمہ بھی اس طرح کا نہیں کہا) کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔

احبابِ من! قرآنِ کریم نے مخالفین قرآن کے اقوال بھی بیان کئے، اُن کا رڈ بھی کیا اور اُن کو چیلنج بھی دیا۔ تمام اقوال وحقیقتِ حال کو روزِ روشن سے زیادہ ان پر عیاں کر دیا۔

قرآن کریم بنی نوع انسان کو وادیِ گمراہی میں بھٹکنے کیلئے نہیں چھوڑ دیتا بلکہ حق کی طرف تبلیغ بھی کرتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات وبیانات اس پر شاہد ہیں:۔

الرتلک آیات الکتاب الحکیم (سورہ یونس۔ آیت ۱)

یہ بڑی دانائی کی کتاب کی آیات ہیں۔

یہ کتاب اندھیرے سے اُجالے کی جانب لے جانے والی کتاب ہے، فرمایا:۔

یھدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلام ویخرجھم من الظلمات الی النور باذنه ویھدیھم الی صراط مستقیم (سورہ مائدہ۔ آیت ۱۶)

دکھاتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اُجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انہیں راہِ راست۔

قرآن میں ہر شے کا بیان موجود ہے، فرمایا:۔

وتفصیل کل شیء وھدی ورحمة لقوم یؤمنون (سورہ یوسف۔ آیت ۱۱۱)

اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت ورحمت ہے اس قوم کیلئے جو ایمان لاتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

ولقد صرفنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا

اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے (بار بار) بیان کی ہیں لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں (تاکہ وہ ہدایت پائیں) پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں۔ (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت ۸۹)

قرآن کریم پیغمبر اسلام کا معجزہ ہے۔ عہدِ رسالت میں جب عرب میں فصاحت و بلاغت کا طوطی بول رہا تھا، اہلِ عرب کو اپنی زبان دانی اور فصاحت پر ناز تھا اُس وقت یہ اُن کیلئے معجزہ تھا مگر کیا آج اکیسویں صدی میں بھی سائنس کی اس دنیا میں معجزہ ہو سکتا ہے؟ جی ہاں یہ آج بھی معجزہ ہے۔

آج اگر ہم کسی غیر جانب دار شخص سے یہ سوال کریں کہ کیا آج سائنس جو انکشافات کر رہی ہے ساتویں صدی میں کوئی شخصیت ان کو منکشف کر سکتی تھی تو اُس کا جواب نہیں میں ہوگا۔ لیکن متعدد قرآنی آیات سائنسی رموز کو عیاں کرتی نظر آتی ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتب 'دو قرآن' اور 'میری آخری کتاب' ملاحظہ کیجئے۔

قرآن کریم نے چودہ سو سال قبل یہ بھی بیان کر دیا تھا کہ ہم آئندہ مخالفین قرآن کو کائناتِ عالم میں نشانیاں دکھائیں گے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

سنریهم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق
اولم یکف بربک انه علی کل شیء شهید (سورہ حٰم سجدہ۔ آیت ۵۳)

ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے
کہ قرآن واقعی حق ہے کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا ربّ ہر چیز پر گواہ ہے۔

آج قرآن پاک کے رموز اہلِ دانش پر جدید علوم و سائنسی تحقیق کی روشنی میں منکشف ہو رہے ہیں۔

قرآن 'بائبل سے ماخوذ' کا الزام

مستشرقین جو علم و تحقیق کی آڑ میں اسلام دشمنی کا مقدس صلیبی فریضہ انجام دینے میں مصروفِ عمل ہیں انہوں نے جھوٹ، مکر و فریب کا ہتھیار اپنی آستینوں میں چھپائے، غیر جانب داری کا ٹائٹل سینوں پہ سجائے یہ قاتلانِ فکر، اسلام کے نظریاتی سرچشموں کو گدلا کرنے کی کوششوں میں مصروفِ عمل ہو گئے۔

مکر و فریب کے ہتھیاروں سے مسلح ان مستشرقین و دشمنانِ اسلام نے سب سے پہلے قرآن اور صاحبِ قرآن کو اپنا نشانہ بنایا۔ کسی نے صدا لگائی کہ یہ قرآن الہامی کتاب نہیں، تو دوسرے نے کہا کہ اس میں جو الہامی باتیں ہیں وہ بائبل سے ماخوذ ہیں، کسی نے کہا کہ اس کے مصنف پیغمبر اسلام ہیں، کسی نے آواز لگائی کہ یہ تو پیغمبر اسلام نے بحیریٰ راہب سے سیکھا تھا، کسی نے آواز میں آواز ملاتے ہوئے کہا کہ یہ تو پیغمبر اسلام نے عجمیوں سے سیکھا تھا۔ غرض یہ کہ بھانت بھانت کی بولیوں سے ان دزدگانِ انسانیت کا مقصد اتنا تھا کہ لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔ (اس ضمن میں گذشتہ صفحات پر ہم مستشرقین کے اقوال نقل کر چکے ہیں)

احبابِ من! قرآن و بائبل کے قصص کا تقابلی جائزہ ہم اپنی کتاب 'استشراقی فریب' میں قدرے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ ہم یہاں قرآن اور بائبل کے احکامات کا اجمالی تقابلی جائزہ پیش کریں گے اور مسافرانِ حق کو یہ دعوت دیں گے کہ دیکھئے کس کتاب کے احکامات بنی نوع انسان کیلئے باعثِ خیر و برکت، باعثِ نجات اور باعثِ رحمت ہیں۔ سماجی، معاشی، سیاسی غرض ہر شعبہ ہائے زندگی میں انسانیت کیلئے قرآن نے جو قواعد و ضوابط دیئے وہ بنی نوع انسان کی بقا و عروج کیلئے بے مثال ہیں۔

قرآن اور بائبل کا تقابلی جائزہ

قرآن اور بائبل دونوں کتب میں شادی و طلاق، زنا، معاشی قوانین میں زکوٰۃ و خیرات، سیاسی قوانین وغیرہ موجود ہیں ہم آئندہ سطور میں شادی و طلاق زنا اور زکوٰۃ وغیرہ کا اجمالی جائزہ لیں گے۔ زندگی بخیر رہی تو ان تمام اور دیگر موضوعات پر قرآن و بائبل کا تفصیلی تقابلی جائزہ پیش کروں گا۔

شادی و طلاق

شادی و طلاق سماجی زندگی کا ایک اہم جز ہے۔ انسانی نسل کی بقا کیلئے ہر عہد و زمانے میں، ہر مذہب و سماج میں اس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا اس کیلئے قواعد و ضوابط بنائے گئے۔ اس تعلق کو مضبوط بنانے کیلئے اخلاقیات پر مشتمل اقدار کو تشکیل دیا گیا لیکن ہمیں سوچنا ہے کہ کون سے قواعد و ضوابط بنی نوع انسان میں رائج ہیں۔ ان میں کونسا قانون، کونسا ضابطہ بنی نوع انسان کیلئے مفید ہے اور کون سے قواعد و ضوابط بنی نوع انسان کیلئے مضر ہیں۔

بائبل میں قانونِ طلاق

بائبل میں طلاق کے بارے میں درج ذیل حکم ہیں۔

مرقس کی انجیل میں ہے کہ فریسیوں نے پاس آکر اُسے (یسوع مسیح کو) آزمانے کیلئے اُس سے پوچھا کہ یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے اُس نے اُن سے جواب میں کہا کہ موسیٰ نے تم کو کیا حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا موسیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ (مرقس باب ۱۰ آیت ۲ تا ۵)

طلاق یافتہ عورت یہودی معاشرے میں ناپاک قرار دی جاتی ہے اور یہودیوں کے پیشوا، کاہن وغیرہ اس ناپاک عورت سے شادی نہیں کر سکتے ہیں جیسا کہ بائبل میں ہے، وہ کسی فاحشہ یا ناپاک عورت سے بیاہ نہ کریں اور نہ اُس عورت سے بیاہ کریں جسے اُس کے شوہر نے طلاق دی ہو۔ (احبار باب ۲۱ آیت ۷)

یہودی معاشرے میں عورت کی کس طرح سے تذلیل کی جاتی رہی ہے۔ ایک جانب تو یہ شدت کہ اگر شوہر چاہے تو بیوی کو طلاق نامہ ہاتھ میں تھمائے اور اُسے گھر سے باہر کھڑا کر دے اور دوسری جانب یہ عجیب و غریب فلسفہ ملاحظہ فرمایئے:۔

اگر کوئی مرد کسی عورت کو بیاہے اور اس کے پاس جائے اور بعد اس کے اس سے نفرت کر کے شرمناک باتیں اس کے حق میں کہے اور اُسے بدنام کرنے کیلئے یہ دعویٰ کرے کہ میں نے اس عورت سے بیاہ کیا اور جب میں اسکے پاس گیا تو میں نے کنوارے پن کے نشان اس میں نہیں پائے، تب اُس لڑکی کا باپ اور اُس کی ماں اُس لڑکی کے کنوارے پن کے نشانوں کو اس شہر کے پھاٹک پر بزرگوں کے پاس لے جائیں اور اس لڑکی کا باپ بزرگوں سے کہے کہ میں نے اپنی بیٹی اس شخص کو بیاہ دی پر یہ اس سے نفرت رکھتا ہے اور شرمناک باتیں اس کے حق میں کہتا اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے تیری بیٹی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے حالانکہ میری بیٹی کے کنوارے پن کے نشان یہ موجود ہیں۔ پھر وہ اس چادر کو شہر کے بزرگوں کے آگے پھیلا دیں تب شہر کے بزرگ اس شخص کو پکڑ کر اسے کوڑے لگائیں اور

اس سے چاندی کی سو مثقال جرمانہ لے کر اس لڑکی کے باپ کو دیں۔ اس لئے کہ اس نے ایک اسرائیلی کنواری کو بدنام کیا اور وہ اس کی بیوی بنی رہے اور وہ زندگی بھر اس کو طلاق نہ دینے پائے۔ پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازے پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا یوں تُو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا۔ (استثناء باب ۲۲ آیت ۱۳ تا ۲۲)

رسوائیوں کی داستان کے اس عجیب و غریب فلسفے کو ملاحظہ کیجئے۔ عورت پر اگر جھوٹا الزام لگایا گیا تو الزام لگانے کا انداز کتنا عامیانہ اور اس الزام کی صفائی کتنی سطحی پھر اگر الزام ثابت نہ ہو تو زبردستی نکاح قائم رہے گا، طلاق نہیں دے پائے گا۔

افراط و تفریط اپنے عروج پر ہے، اسی کتاب میں آگے درج ہے:۔

اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو چاندی کی پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اُس نے اُسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔ (استثناء باب ۲۲ آیت ۲۹،۲۸)

غور فرمائیے ان جملوں پر:۔

لڑکی کے باپ کو چاندی کی پچاس مثقال دے۔

اس لڑکی سے شادی کرے۔

اور زندگی بھر طلاق نہ دے۔

یہودی مذہب میں بیوی کو طلاق کب اور کیونکر دی جاسکتی ہے؟

اس ضمن میں کتاب استثناء میں درج ہے:۔

اگر مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بے ہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف اس کی التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہوسکتی ہے پر اگر دوسرا شوہر بھی اس سے ناخوش رہے اور اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے یا وہ دوسرا شوہر جس نے اس سے بیاہ کیا ہو مر جائے تو اس کا پہلا شوہر جس نے اسے نکال دیا تھا اس عورت کے ناپاک ہو جانے کے بعد پھر اس سے بیاہ نہ کرنے پائے کیونکہ ایسا کام خداوند کے نزدیک مکروہ ہے۔ (استثناء باب ۲۴ آیت ۱ تا ۴)

اس عبارت سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:۔

- عورت میں بے ہودہ بات پائے تو اسے طلاق دے دے۔
- طلاق نامہ لکھ کر اُس کے حوالے کرے اور اُسے گھر سے نکال دے۔
- دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے تو پہلے شوہر سے نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ یہ ناپاک ہوگئی۔

احبابِ من! یہ مرد ناپاک نہیں ہوا عورت کیونکر ناپاک ہوگئی؟ کیا یہودی مذہب میں عورت کو انسان نہیں سمجھا جاتا؟ یا یہ کوئی اور مخلوق ہے؟

طلاق کے حکم میں بتایا کہ مرد عورت میں اگر کوئی بے ہودہ بات پائے تو اُسے طلاق دے دے۔ یہ بے ہودہ بات کیا ہے؟

بائبل اس حوالے سے کوئی وضاحت نہیں کرتی۔

کیا بے ہودہ بات سے مراد زنا ہے؟

نہیں بے ہودہ بات سے مراد 'زنا' نہیں ہوسکتی، کیونکہ زنا کی سزا موت تھی جیسا کہ احبار میں ہے:۔

جو شخص دوسرے کی بیوی سے یعنی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیئے جائیں۔ (احبار باب ۲۰ آیت ۱۰)

کتاب استثناء میں ہے:-

اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے ہوئے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اُس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا۔ (استثناء باب ۲۲ آیت ۲۲)

تو بے ہودہ بات سے مراد زنا نہیں۔

پھر بے ہودہ بات سے کیا مراد ہے؟

ڈیرک میکلم لکھتا ہے، ہلیل کے پیروکار اس لفظ کی تشریح یوں کرتے تھے کہ بیوی میں کوئی بھی ایسی بات کر بیٹھے جس سے شوہر ناراض ہو تو وہ اسے طلاق دے سکتا ہے۔ اُس زمانے کی یہودی تحریروں میں لکھا ہے کہ بیوی شوہر کا کھانا جلا دے تو یہ بھی طلاق کی معقول وجہ ہے۔ اس طرح طلاق کے قانون میں بڑی آزادی پیدا ہو گئی تھی اور شوہر جب چاہتا بیوی کو طلاق دے سکتا تھا۔

مِشنہ گِد تیم ۹ : ۱۰۔ ربی عقیبہ نے تو یہاں تک اجازت دے دی تھی کہ اگر کسی آدمی کو کوئی دوسری عورت اپنی بیوی سے زیادہ خوب صورت دکھائی دے تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ یوسیفس ایک یہودی مورخ تھا جس نے نئے عہد نامے کے زمانے کے لگ بھگ تاریخ قلم بند کی، وہ طلاق کے بارے میں لکھتا ہے 'جو کوئی اپنی بیوی کو کسی بھی سبب سے طلاق دینا چاہے اور فانی انسانوں میں ایسے بہت سے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں وہ لکھ کر طلاق دے دے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند یسوع کے زمانے میں طلاق کا معیار کیسا ڈھیلا ڈھالا تھا طلاق دینے میں بہت آزادی تھی اور شوہر جب چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا تھا۔ (مسیحی اخلاقیات صفحہ ۱۴۰ مترجم جیکب سموئیل مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۲۰۰۸ء)

طلاق اور بائبل کی تضاد بیانی

بائبل کیونکہ تحریفات کا مجموعہ بن چکا ہے۔ اس میں اس قدر تحریف ہو چکی ہے کہ جہاں ایک بات بیان ہوتی ہے کہیں نہ کہیں اُس کی مخالفت بھی ہو رہی ہوتی ہے مثلاً طلاق کے معاملے کو ہی لے لیجیے۔ ملاکی کی کتاب میں ہے:۔

خداوند اسرائیل کا خدا فرماتا ہے میں طلاق سے بیزار ہوں۔ (ملاکی باب ۲ آیت ۱۶)

جبکہ اسی بائبل میں خدا تعالیٰ کے حوالے سے لکھا ہے، خداوند یوں فرماتا ہے کہ تیری ماں کا طلاق نامہ جسے لکھ کر میں نے اسے چھوڑ دیا کہاں ہے؟ یا اپنے قرض خواہوں میں سے کس کے ہاتھ میں نے تم کو بیچا؟ دیکھو تم اپنی شرارتوں کے سبب سے بک گئے اور تمہاری خطاؤں کے باعث تمہاری ماں کو طلاق دی گئی۔ (یسعیاہ باب ۵۰ آیت ۱)

طلاق سے بیزاری بھی اور طلاق بھی۔

احبابِ من! تضاد بیانی کے علاوہ بائبل کی اس روایت میں شانِ الوہیت میں گستاخی بھی صاف نمایاں ہے۔

عہد نامہ جدید میں شادی وطلاق سے متعلق درج ذیل قانون ہے:۔

یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اُسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے، وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے، وہ زنا کرتا ہے۔ (متی باب ۵ آیت ۳۱،۳۲)

اسی کتاب میں مزید آگے لکھا ہے، اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔ (متی باب ۱۹ آیت ۱۰)

افراط وتفریط کی انتہا پسندی کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف تو طلاق نامہ ہاتھ میں تھماؤ اور گھر سے نکال دو، دوسری جانب معاملات خواہ کتنے ہی گھمبیر کیوں نہ ہو جائیں رہنا ناممکن ہی کیوں نہ ہو جائے طلاق نہیں دے سکتے۔

جو ایک مرتبہ اس ڈور سے بندھ گیا یہ ناطہ ٹوٹ نہیں سکتا سوائے عورت کی بدکاری کے۔

غور کیجئے اس قانون پر کہ اگر عورت بدکاری کرے تو چھوڑدی جائے اور مرد بدکاری کرے تو اُسے کیا کہا جائے؟

پھر زنا کی سزا تو بائبل میں تو سنگسار کرنا تھی اُسے سنگسار کیوں نہیں کیا گیا؟

بائبل کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلاق یافتہ جوڑا دوسری شادی نہیں کر سکتا بلکہ طلاق کے بعد دوسری شادی کرنا زناکاری ہے۔

عزیزانِ گرامی! قرآن کریم نے جو طریقۂ طلاق تعلیم فرمایا نہ تو وہ یہودیوں کے قانون کی طرح ڈھیلا ڈھالا ہے کہ جب چاہا طلاق دے دی اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح اتنا سخت کہ ازدواجی تعلقات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو جائیں طلاق نہیں دے سکتے۔ طلاق کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، اگر بات بات پر طلاق عام ہو جائے تو ان گنت سماجی مسائل جنم لیں گے اور اگر طلاق پر مکمل پابندی عائد کر دی جائے تو بہت بڑے بڑے حادثات بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ جیسے قتل اور خاندانی دشمنی، خاندانوں کی باہمی چپقلش وغیرہ، جیسا کہ پادری میتھیو لکھتے ہیں:۔

طلاق دینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے بھی بدتر حرکت کی جائے بد دماغ اور پاگل، غصہ میں مجنوں اور بے ضبط آدمی کے ساتھ تھوڑی سی رضامندی اور مفاہمت بڑی شرارت سے بچالیتی ہے۔ (تفسیر الکتاب جلد ۳ صفحہ ۲۱۳)

سابق رکن امریکی کانگریس Paul Findley اپنی کتاب Silent No More میں قانونِ طلاق کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

عیسائیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ رومن کیتھولک چرچ نے طلاق کو صدیوں سے قانونی حمایت سے محروم رکھا ہے یہ چیز عیسائیت کی ایک سب سے بڑی خامی بن گئی ہے۔ (امریکہ کی اسلام دشمنی از پال فنڈلے مترجم محمد احسن بٹ۔ مطبوعہ نگارشات پبلشرز لاہور ۲۰۰۸ء)

اسلام، خاندانی نظام کے استحکام پر بہت زور دیتا ہے۔ سورۂ نساء میں سب سے زیادہ توجہ گھریلو زندگی کو خوش گوار بنانے پر دی گئی ہے کیونکہ گھر ہی وہ جنت اوّل ہے۔۔۔ گھر ہی وہ مکتب ہے۔۔۔ گھر ہی وہ گہوارہ ہے جہاں قوم کے مستقبل کے معمار پرورش پاتے ہیں۔۔۔ گھر ہی وہ مدرسہ ہے جہاں اخلاق و کردار کی تمام قدریں خواہ اچھی ہو یا بری، بلند ہوں یا پست دل و دماغ کی خالی تختی پر اس طرح نقش ہو جاتی ہیں کہ پھر کبھی ان کے نقش مدھم نہیں ہوتے۔

قرآن کریم صرف خاندانی زندگی کو بہتر بنانے کیلئے مبہم نصیحتوں پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کیلئے واضح اور غیر مبہم قاعدے اور ضابطے متعین کرتا ہے۔

عزیزانِ گرامی! مرد و عورت کا اولین رشتہ، رشتۂ ازواج ہے اس لئے اس رشتے میں جو بے راہ رویاں، جو مسائل، جو پریشانیاں آتی ہیں اُن کی اصلاح کیلئے قرآن کریم نے واضح قواعد و ضوابط دیے ہیں۔

تعدادِ ازواج پر پابندیاں لگائیں اور اس کی اجازت دی تو بڑی شروط و قیود کے ساتھ۔ مرد کو بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا اور اگر اس کی کوئی چیز پسند خاطر نہ ہو تو اس پر صبر کرنے کی ہدایت کی۔ اگر باہمی تعلقات کشیدہ ہو جائیں تو اس کی اصلاح کیلئے تدابیر بتائیں۔

لیکن عورت کو یہ تمام حقوق دینے کے بعد گھر کی سرداری اور نظم و نسق کی ذمہ داری مرد کو سونپی کیونکہ اس کے اندر موجود فطری صلاحیتیں اس ذمے داری کو بہ احسن و خوبی اُٹھا سکتی ہیں۔

طلاق سے قبل اصلاحِ حال کی تدابیر

شریعتِ اسلامیہ مرد کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی ذراسی بات ہوئی اور مرد نے اس کو طلاق دے کر پیچھا چھڑالیا۔

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:۔

والّلاتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن

فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا (سورہ نساء۔ آیت ۳۴پ۵)

اور وہ عورتیں اندیشہ ہو تمہیں جن کی نافرمانی کا تو (پہلے نرمی سے) انہیں سمجھاؤ اور پھر الگ کردو انہیں خواب گاہوں سے اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو انہیں پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر (ظلم کرنے کی) راہ۔

عزیزانِ گرامی! پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوا کرتیں۔ اچھی نیک اور صالح خواتین کے ساتھ ایسی عورتیں بھی ہوتیں ہیں جو تند مزاج، بدتمیز، اکھڑ مزاج ہوتی ہیں۔ اس آیت میں ان کی اصلاح کا طریقہ تعلیم کو بیان کیا جارہا ہے۔

➢ اصلاح کی پہلی تدبیر

قرآن کریم ایسی عورتوں کیلئے یہ حکم نہیں دیتا کہ ان کو طلاق دے دو۔۔۔ ان سے جان چھڑالو۔۔۔ یا یہ بیوی بن کے رہنے کے لائق نہیں۔ بلکہ جب بیوی کی نافرمانی کا پورا علم ہو جائے تو پہلے ہی غصہ سے بے قابو ہو کر انتہائی اقدام نہ کرو بلکہ فعظوھن تو نصیحت کرواُن کو۔

نرمی سے بتاؤ، پیار سے سمجھاؤ مثلاً دیکھو تمہارا یہ طرزِ عمل صحیح نہیں اس سے مستقبل میں یہ مسائل جنم لیں گے۔۔۔ تمہارے اس عمل میں اللہ ورسول کی ناراضگی ہے۔۔۔ اگر تم ایسا کروگی تو بچوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ یقیناً ایک اچھی بیوی اس بات کو جان لے گی کہ اس کا یہ طرزِ عمل درست نہیں لیکن اگر پھر بھی اس کی اصلاح نہ ہوسکے تو دوسری تدبیر سے بھی قرآن نے آگاہ کیا۔

➢ اصلاحِ حال کی دوسری تدبیر

اب اگر بیوی پیار سے بھی نہیں سمجھتی بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی ہی کو اس نے اپنا مزاج بنالیا ہے تو بھی یہ حکم نہیں کہ طلاق دے دو۔۔۔گھر بگاڑ لو اور معاشرے میں سماجی انتشار برپا کر دو۔ بلکہ ایک اور تدبیر سے آگاہ فرمایا:۔

واهجروهن فی المضاجع

اور پھر الگ کر دو انہیں خواب گاہوں سے۔

یعنی دوسری تدبیر یہ بتائی ان سے الگ رات بسر کرو، محبت بھری باتیں کرنا ترک کر دو۔ وہ عورت جس میں شرافت کی حس ابھی زندہ ہے وہ اس سرزنش سے ضرور اپنی اصلاح کرلے گی لیکن اگر یہ طریقہ تدبیر بھی ناکام ہو جائے تو تیسری تدبیر سے آگاہ کیا۔

واضربوهن

اور (پھر بھی باز نہ آئیں) تو مارو انہیں۔

بستر سے الگ کرنے کے باوجود وہ باز نہ آئے تو اس کو مار سکتے ہو لیکن مار ایسی سخت نہ ہو جس سے جسم پر چوٹ آئے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اگر مارنے کی نوبت آئے تو مسواک یا اس قسم کی کسی ہلکی پھلکی چیز سے مارے اور چہرے پر تو ہرگز نہ مارے۔

عزیزانِ گرامی! خانگی زندگی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی۔ اس میں نرم و گرم طوفانوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ اگر ذرا ذرا سی بات پر طلاق عام ہو جائے تو معاشرتی انتشار کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں رہے گی پھر مغربی معاشرے کی طرح یہاں بھی طلاق کی اوسط اور فحاشی و عریانیت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اسی لئے اسلام نے ایک ایسا مرتب نظام دیا ہے کہ جس کے ذریعے گھر کی اصلاح گھر کے اندر ہی ہو جائے۔ اور شوہر و زن کا جھگڑا انہی دونوں کے درمیان نمٹ جائے۔ کسی دوسرے کی مداخلت کی ضرورت نہ ہو کیونکہ عموماً دوسروں کی مداخلت کی وجہ سے معاملات اور بگڑ جاتے ہیں۔ اس آیت میں مَردوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر عورتوں سے نافرمانی یا سرکشی سرزد ہو تو سب سے پہلے انہیں پیار و محبت اور نرمی سے سمجھاؤ اور سمجھا بجھا کر ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔ اگر بات یہیں بن گئی تو معاملہ یہیں بن جائیگا اور مزید آگے بڑھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ عورت ہمیشہ کیلئے گناہ سے اور مرد ذہنی و قلبی اذیت سے اور دونوں رنج و غم سے بچ گئے۔ لیکن اگر اس سمجھانے بجھانے، پیار محبت اور نرمی سے کام نہیں چل سکا تو دوسری تدبیر سے آگاہ فرمایا کہ ان کو تنبیہ کرنے اور اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کیلئے خود علیحدہ بستر پر سوئے۔ یہ ایک معمولی سزا اور بہترین تنبیہ ہے

اگر اس سے عورت کو تنبیہ ہوگئی اور اس نے اپنی اصلاح کرلی تو جھگڑا یہیں ختم ہوگیا اور اگر وہ اس شریفانہ سزا پر بھی اپنی نافرمانی اور کج روی سے باز نہ آئی تو تیسرے درجے میں مار مارنے کی بھی اجازت دیدی گئی۔ اس تیسرے درجے کی سزا بھی بہت معمولی رکھی گئی ایسا نہیں کہ انسان جنگلی پن پر اُتر آئے۔ اور اس کا استعمال جائز تادیبی کاروائی میں ناپسندیدہ فرمایا۔

بہر حال اس معمولی سرزنش سے بھی اگر معاملہ درست ہوگیا تب بھی مقصد حاصل ہوگیا کہ اس خاندان میں باہمی محبت پیدا ہوگئی اور اس خاندان کو تباہ کرنے کیلئے اٹھنے والی تند و تیز ہواؤں کا سلسلہ بند ہوگیا اور دونوں (مرد و عورت) کو ذہنی سکون حاصل ہوا۔

عزیزانِ گرامی! اس آیت میں جہاں مرد کو یہ تین اختیارات دیئے ہیں وہیں آیت کے آخر میں یہ بھی فرمادیا گیا:

فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا

یعنی اگر ان تین تدبیروں سے وہ تمہاری بات ماننے لگیں تو اب تم بھی زیادہ بال کی کھال نہ نکالو اور الزام تراشی میں مت لگو بلکہ کچھ چشم پوشی سے کام لو اور خوب جان لو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر تمہیں کچھ بڑائی دی ہے تو اللہ تعالیٰ کی بڑائی تمہارے اور سب کیلئے ہے اور تم زیادتی کروگے تو اس کی سزا تم بھی بھگتوگے۔

احباب من! ان آیاتِ قرآنی کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اسلام اور شریعتِ اسلامیہ گھر کا استحکام چاہتے ہیں۔

➢ اصلاحِ حال کی آخری تدبیر

لیکن اصلاحِ حال کیلئے یہ تمام کوششیں بھی دم توڑ جائیں تو ایسا نہیں کہ یہ تین کوششیں ناکام ہوگئیں تو اب طلاق دے دی جائے بلکہ ابھی بھی اس انتہائی اقدام سے روکا گیا اور ارشاد فرمایا۔

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا (سورہ نساء۔ آیت ۳۵ پ ۵)

اور اگر خوف کرو تم ناچاقی کا ان کے درمیان تو مقرر کرو ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے اگر وہ دونوں (حکم) ارادہ کرلیں صلح کرانے کا تو موافقت پیدا کردے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات سے خبردار ہے۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں، لیکن اگر آپس کی کوششیں اصلاحِ حال کیلئے مفید ثابت نہ ہوں اور ایسے آثار رونما ہونے لگیں کہ اگر صورتِ حال پر قابو نہ پایا گیا تو معاملہ طلاق پر جاختم ہو گا تو اس وقت یا تو میاں بیوی اپنی اپنی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کریں اور اگر معاملہ عدالت تک پہنچ گیا ہو تو پھر حاکم کو چاہئے کہ جلد بازی سے ان میں تفریق نہ کردے بلکہ حَکَم کے ذریعے ان کی مصالحت کی بھرپور کوشش کرے اور اگر ان حکموں نے خلوصِ نیت سے اصلاح کی کوشش کی تو توفیقِ الٰہی ضرور ان کے شاملِ حال ہو گی۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان یریدا اصلاحا کے فاعل میاں بیوی ہیں۔ یعنی اگر ان کے دلوں میں مصالحت کی خواہش ہوئی تو اللہ تعالٰی کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا فرمادے گا۔ (تفسیر ضیاء القرآن جلد اوّل صفحہ ۳۴۳)

خواتین و حضرات! اس آیت میں واضح فرمادیا گیا کہ دو حَکَم (ثالث) مقرر کئے جائیں اور اگر دونوں حَکَم نیک نیت ہوئے اور اخلاص کے ساتھ انہوں نے چاہا کہ ان دونوں میاں بیوی کے درمیاں مصالحت ہو جائے تو۔

یوفق اللہ بینھما

موافقت پیدا کردے گا اللہ تعالٰی میاں بیوی کے درمیان۔

یعنی اللہ تعالٰی کی طرف سے ان کی غیبی امداد ہو گی کہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور ان کے ذریعے دونوں میاں بیوی کے دلوں میں اللہ تعالٰی اتفاق و محبت پیدا فرمادے گا۔

احباب گرامی! یہاں بھی ہمارا رحیم و کریم پروردگار یہی چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا خاندانی نظام نہ بکھرنے پائے، ان کے گھروں کا خانگی سکون نہ لٹنے پائے۔ ان کا معاشرہ سماجی انتشار کا گڑھ نہ بن جائے۔ اس کے محبوب کی یہ اُمت کہیں خرافات میں نہ کھو جائے اس لئے واضح فرمایا:۔

یوفق اللہ بینھما

موافقت پیدا کردے گا اللہ تعالٰی میاں بیوی کے درمیان۔

حکم کا اختیار

یہاں ایک بات بہت اہم ہے کہ حکم کون ہو گا اور کس طرح فیصلہ کریں گے۔

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں، جب میاں اور بیوی کے درمیان کے تعلقات میں فساد برپا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ خاوند کے خاندان کا ایک صالح آدمی اور عورت کے خاندان کا بھی ایک صالح متعین کریں وہ دونوں دیکھیں کہ غلطی کس کی ہے۔ اگر غلطی مرد کی ہو تو مرد کو عورت سے روک دیں اور خرچہ دینے کا پابند بنائیں۔ اگر غلطی عورت کی ہو اسے مرد کے پاس رہنے پر مجبور کریں اور اسے خرچہ بھی نہ دیں۔ اگر دونوں کی رائے ان کو الگ الگ کرنے یا جمع کرنے کی ہو تو جو وہ فیصلہ کریں وہ جائز ہو گا۔ اگر دونوں کی رائے ہو کہ دونوں اکٹھے رہیں۔ ایک راضی ہو جبکہ دوسرا اسے ناپسند کرے پھر ایک مر جائے تو جو راضی تھا وہ اس کا وارث بنے گا جو ناپسند کرتا تھا وہ اس راضی ہونے والا کا وارث نہیں بنے گا۔ اگر دونوں ثالثوں نے اصلاح کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق دے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر اصلاح کرنے والے کو حق اور صحیح کی توفیق دیتا ہے۔ (از علامہ جلال الدین سیوطی در منشور، جلد ۲ صفحہ ۴۳۱ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

ان حکموں کا اختیار کتنا ہے اور یہ کس حد تک فیصلہ کرسکتے ہیں، اس بارے میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ وہ صلح تو کرا سکتے ہیں لیکن تفریق نہیں اور یہی قتادہ، زید بن اسلم، احمد بن حنبل، ابو ثور اور داؤد ظاہری کا مذہب ہے اور ان کی دلیل اسی آیت کا یہ حصہ ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ہے کیونکہ اس میں تفریق کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ دونوں طرف سے وکیل ہیں تو ان کا حکم جمع و تفریق دونوں صورتوں میں بلا اختلاف نافذ ہو گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۶۹۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عدالت میں ایک مقدمہ

اس حوالے سے تقریباً تمام ہی مفسرین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے:۔

ایک مرد اور ایک عورت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں کے ساتھ بہت سی جماعتیں تھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا کہ ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کریں۔ جب یہ حکم تجویز کر دیئے گئے تو ان دونوں سے خطاب فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ تمہاری ذمے داری کیا ہے؟ اور تمہیں کیا کرنا ہے! سن لو! اگر تم دونوں ان میاں بیوی کو یکجا رکھنے اور باہم مصالحت کرا دینے پر متفق ہو جاؤ تو ایسا ہی کرلو اور اگر تم یہ سمجھو کہ ان میں مصالحت نہیں ہوسکتی یا قائم نہیں رہ سکتی اور تم دونوں کا اس پر اتفاق ہو جائے کہ ان میں جدائی ہی مصلحت ہے تو ایسا ہی کرلو۔ یہ سن کر عورت بولی کہ مجھے یہ منظور ہے یہ دونوں حکم قانونِ الٰہی کے موافق جو فیصلہ کردیں خواہ میری مرضی کے مطابق ہو یا خلاف مجھے منظور ہے۔

لیکن مرد نے کہا کہ جدائی اور طلاق تو میں کسی حال گوارا نہ کروں گا، البتہ حکم کو یہ اختیار دیتا ہوں کہ مجھ پر مالی تاوان جو چاہیں ڈال کر اس کو راضی کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نہیں تمہیں بھی ان حکمین کو ایسا ہی اختیار دینا چاہئے جیسا عورت نے دے دیا۔

اس واقعہ سے بعض ائمہ مجتہدین نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ ان حکمین کا بااختیار ہونا ضروری ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فریقین سے کہہ کر ان کو بااختیار بنوایا، اور امام اعظم ابو حنیفہ اور حسن بصری نے یہ قرار دیا کہ اگر ان حکمین کا بااختیار ہونا امر شرعی اور ضروری ہوتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد اور فریقین سے رضامندی حاصل کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی، فریقین و رضامند کرنے کی کوشش خود اس کی دلیل ہے کہ اصل سے یہ حکمین بااختیار نہیں ہوتے، ہاں، میاں بیوی ان کو مختار بنادیں تو بااختیار ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا قانون طلاق

اسلام کے نزدیک میاں بیوی کا رشتہ بڑا ہی مقدس رشتہ ہے۔ اور اسلام یہ چاہتا ہے اور اس بات کی پوری کوشش کرتا ہے کہ یہ رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، اسلام کے نزدیک رشتۂ ازدواج بڑا مقدس رشتہ ہے۔ صحت مند بنیادوں پر جتنا یہ مستحکم ہو گا خاندان اور معاشرہ دونوں اتنا ہی مسرتوں سے مالا مال ہوں گے اور خوش حالی کی فضا میں نشو نما پائیں گے۔ اسلام اس بات میں بڑا حریص ہے کہ اس رشتہ کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے۔ اس رشتہ پر صرف مرد و زن کی خوشی اور آبادی موقوف نہیں بلکہ ان کی معصوم اولاد، فریقین کے قریبی رشتہ دار بلکہ سارے خاندان کا مفاد وابستہ ہے۔ اس لئے اسلام پوری کوشش کرتا ہے کہ یہ رشتہ ٹوٹنے نہ پائے لیکن بعض حالات میں یہ تعلق وبالِ جان بن جاتا ہے۔ دونوں کی بھلائی اس میں ہوتی ہے کہ انہیں اس قید سے رہائی مل جائے۔ ان ناگزیر حالات میں اسلام نے اس کو ختم کرنے کی اجازت دی ہے اور وہ بھی بادلِ نخواستہ، ارشاد نبوت ہے۔ ان من البعض الحلال الی الله الطلاق ۔ وہ حلال جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے وہ طلاق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یہتز منه العرش ۔ شادی کیا کرو اور طلاق نہ دیا کرو کیونکہ طلاق سے اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے طلاق کا جو قانون پیش کیا ہے اس میں اس امر کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے کہ طلاق دینے والا جلد بازی میں طلاق نہ دے۔ کوئی وقتی رنجش یا عارضی نفرت اس کا باعث نہ ہو۔ طلاق دینے والا سوچ سمجھ کر اس کے نتائج و عواقب کو مد نظر رکھتے ہوئے طلاق دے۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ ۲۷۳)

عزیزانِ گرامی! گذشتہ صفحات پر ہم نے حکم کے متعلق فقہاء کی آراء پیش کی تھیں جن کے نزدیک دونوں حکم (ثالث) کو اس بات کا تو اختیار ہے کہ وہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں لیکن طرفین کی جانب سے بغیر اختیار دیئے حکمین کو یہ اختیار نہیں کہ وہ علیحدگی بھی کرا دیں۔

بلکہ یہاں ایک اور قانون بیان فرمادیا:۔

وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم (سورہ بقرہ۔ آیت۲۲۷پ۲)

اور اگر پکا ارادہ کرلیں طلاق دینے کا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اگر طلاق دینے کا ارادہ کرلیا ہے تو اب کیا کریں کیا طلاق، طلاق، طلاق کہہ کر معاملہ ختم کردیں، نہیں بلکہ فوراً آگے فرمایا:۔

الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان (سورہ بقرہ۔ آیت۲۲۹پ۲)

طلاق دوبار ہے یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ۔

اس آیت کے شانِ نزول کے تحت مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ شوہر اپنی بیوی کو کئی مرتبہ طلاق دے سکتا تھا، اُس پر کوئی پابندی نہ تھی۔ جتنی بار چاہا طلاق دیدی اور ہر بار عدت گزرنے سے قبل وہ رجوع کرلیتا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی کو دھمکی دی کہ نہ تو میں تمہارے نزدیک جاؤں گا اور نہ ہی تم مجھ سے علیحدہ ہوسکو گی۔ اُس کی بیوی نے اس سے پوچھا! وہ کیسے؟ تو اس نے کہا میں طلاق دے دیا کروں گا اور عدت گزرنے سے قبل تم سے رجوع کرلوں گا۔ وہ عورت اپنے تاریک مستقبل کا تصور کرکے لرز گئی۔ اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اپنی مظلومیت کی داستان عرض کی، تب یہ آیت نازل ہوئی جس نے عورت کے بہت سے مصائب کا خاتمہ کردیا شوہر کو صرف تین بار طلاق کا حق محدود کردیا۔

ایک بار اور دوسری بار طلاق دینے کے بعد وہ اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے اور اگر اس نے تیسری اور آخری بار بھی طلاق دے دی تو اب اس کا بیوی پر کوئی حق نہ رہا اور ان دونوں میاں بیوی کا تعلق ختم ہوگیا۔

اسلام میں طلاق دینے کا طریقہ

اسلام اس رشتۂ ازواج کو دو ماہ، تین ماہ، یا تین سال تک محدود نہیں کرتا بلکہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح یہ رشتہ ٹوٹے نہیں۔

قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:۔

یاایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ (سورہ طلاق۔ آیت اپ۲۸)

اے نبی مکرم (مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شمار کرو عدت کو۔

اس آیت میں اس بات کا حکم دیا جارہا ہے کہ طلاق دیتے ہوئے اس کی عدت کو مد نظر رکھو یعنی طلاق حیض کی حالت میں نہیں دو اور نہ ہی ایسے طہر میں طلاق دو جس میں مباشرت ہو چکی ہو۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری اس آیت کے تحت لکھتے ہیں، اس پابندی میں کئی اور حکمتیں بھی ہیں۔ حیض کی حالت میں عورت، مرد کیلئے مرغوب خاطر نہیں ہوتی، وہ اپنی صفائی کی طرف سے بھی بے اعتنائی برتتی ہے۔ ان دنوں اس کی طبیعت بھی نڈھال اور مضمحل ہوتی ہے، اس لئے اگر اس حالت میں مرد اگر طلاق دے دے تو ہو سکتا ہے کہ یہ عارضی بے رغبتی طلاق دینے میں متحرک ہو اور جب یہ ایّام گزر جائیں تو پھر اس کو اپنے کئے پر ندامت ہو اور ایسا طہر جس میں وہ مقاربت کر چکا ہو اس میں بھی عورت کی طرف کشش کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ اگر طلاق دینا ہی ہو تو ایسی حالت میں طلاق دو جبکہ رغبت اور کشش اپنے عروج پر ہو، ایسی حالت میں اگر تم طلاق دو گے تو سو مرتبہ پہلے سوچو گے اور تب یہ اقدام کرو گے۔ اس طرح تمہارا طلاق دینا حقیقی اسباب پر مبنی ہو گا۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ ۲۷۴)

طلاق دینے کا قاعدہ

میاں بیوی کے درمیان قطع تعلق کے سوا اب کوئی چارہ کار نہ رہے تو مرد اپنی بیوی کو حیض سے فارغ ہونے کے بعد اور صحبت کرنے سے پہلے ایک طلاق دے۔ پھر دوسرے ماہ جب حیض سے پاک ہو تو صحبت سے پہلے طلاق دے۔ ابھی تک وہ رجوع کر سکتا ہے۔ پھر تیسرے ماہ جب عورت حیض سے پاک ہو تو صحبت سے قبل تیسری طلاق دے۔ اب یہ رشتہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔

مرد کو اتنی مہلت دی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی کر سکے اور اگر وہ اپنے اس فیصلے کو واپس لینا چاہے تو واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ تیسری اور آخری بار بھی طلاق کا اختیار حاصل کر لے تو گویا اس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ اس عورت کو کسی قیمت پر اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔

عزیزانِ گرامی! یہ ہے اسلام کا قانونِ طلاق۔۔۔ یہ ہے شریعت اسلامیہ کی میانہ روی اور اعتدال۔۔۔ دنیا کے دیگر مذاہب کی طرح نہیں کہ جو ایک مرتبہ نکاح کی زنجیر میں جکڑ گیا، وہ جکڑ گیا۔ اب اس سے رہائی کی کوئی صورت نہیں خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ اور نہ ہی زمانہ جاہلیت کی طرح کہ جب مرد چاہے اور جتنی چاہے طلاق دیتا پھرے اور نہ ہی یہودیوں کی طرح کہ طلاق نامہ ہاتھ میں تھمایا اور گھر سے باہر کھڑا کر دیا۔

اسلام کا یہ وہ امتیاز ہے جس کا مقابلہ دنیائے قدیم و جدید کا کوئی نظامِ قانون نہیں کر سکتا۔ کاش! کہ ہم اسلام کے اس حکیمانہ نظام کو سمجھتے اور اسے عملی طور پر رائج کرنے کی کوشش کرتے۔

احبابِ من! قرآن کے قانونِ طلاق میں جو قانونی حسن ہے کیا وہ بائبل کے قانونِ طلاق میں ہے؟

قرآن کے قانونِ طلاق میں جو اعتدال موجود ہے کیا وہ بائبل کے قانونِ طلاق میں ہے؟ ۔۔۔ نہیں ہر گز نہیں!

ہم کیرن آرمسٹرانگ اور دیگر مستشرین سے یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر قرآن پیغمبر اسلام کی تصنیف ہے، الہامی کتاب نہیں اور بائبل الہامی کتاب ہے تو اس کے قوانین بائبل سے بہتر کیوں ہیں؟

آج مستشرقین دنیا بھر کے ماہرینِ ساجیات، ماہرینِ نفسیات و قانونیات کو بٹھالیں اور اُن کے سامنے اس ساجی مسئلے کو رکھیں اور ان سے معلوم کریں کہ کونسا قانون بنی نوع انسان کیلئے بہتر ہے؟

کس قانون میں بنی نوع انسان کی ساجی بقا ہے؟

یقیناً وہ یہ کہہ اُنہیں گے کہ اسلام کے قانون سے بہتر کوئی قانون نہیں ہے کیونکہ خدائی قانون سے بہتر کوئی قانون نہیں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق و مالک ہے وہ جانتا ہے کہ اُس کے بندے کیلئے کیا ضروری ہے اور کیا نہیں۔

بائبل کا قانونِ چیریٹی (زکوٰۃ)

بائبل میں چیریٹی یا زکوٰۃ کیلئے لفظ دہ یکی (دس فیصد) استعمال ہوا۔ بائبل میں ہے:۔

دہ یکی (دس فیصد) خواہ وہ زمین کے بیج کی یا درخت کے پھل کی ہو خداوند کی ہے۔ (احبار باب ۲۷ آیت ۳۰)

ایک اور جگہ ہے:۔

تو اپنے غلّہ میں سے جو سال بسال تیرے کھیتوں میں پیدا ہو دہ یکی دینا۔ (استثناء باب ۱۴ آیت ۲)

یہ دہ یکی کہاں لائی جائے اور یہ کس کا حق ہے اس ضمن میں بائبل ہمیں بتاتی ہے:۔

پوری دہ یکی ذخیرہ خانہ (ہیکل) میں لاؤ تاکہ میرے گھر میں خوراک ہو۔ (ملاکی باب ۳ آیت ۱۰)

یہ دہ یکی کس کا حق ہے؟

کس کو ملنا چاہئے؟

اس بارے میں بائبل کہتی ہے، اور بنی لاوی کو اُس خدمت کا معاوضہ ہیں جو وہ خیمہ اجتماع میں کرتے ہیں میں نے بنی اسرائیل کی ساری دہ یکی موروثی حصہ کے طور پر دی۔ (گنتی باب ۱۰ آیت ۲۱)

یعنی اس پر صرف یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشوا کا حق ہے جیسا کہ کتاب نحمیاہ میں اور وضاحت سے کہا ہے:۔

اور اپنے گوندھے ہوئے آٹے اور اپنی اٹھائی ہوئی قربانیوں اور سب درختوں کے میووں اور مے اور تیل میں سے پہلے پھل کو اپنے خدا کے گھر کی کوٹھریوں میں کاہنوں کے پاس اور اپنے کھیت کی دہ یکی لاویوں کے پاس لایا کریں کیونکہ لاوی سب شہروں میں جہاں ہم کاشت کاری کرتے ہیں، دسواں حصہ لیتے ہیں۔ (نحمیاہ باب ۱۰ آیت ۳۷)

لاویوں کو یہ حکم دیا کہ شریعت کے مطابق دہ یکی لیں، عبرانیوں میں درج ہے:۔

اب لاوی کی اولاد میں سے جو کہانت کا عہدہ پاتے ہیں اُن کو حکم ہے کہ اُمت یعنی اپنے بھائیوں سے اگرچہ وہ ابراہام ہی کی صلب سے پیدا ہوئے ہوں شریعت کے مطابق دہ یکی لیں۔ (عبرانیوں باب ۷ آیت ۵)

بائبل کے احکامات کے مطابق ہم دہ یکی کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

ا۔ عام دہ یکی جو لاویوں کو دی جاتی تھی جیسا کہ کتاب گنتی میں ہے:۔

میں نے بنی اسرائیل کی دہ یکی کو جسے وہ اُٹھانے کی قربانی کے طور پر خداوند کے حضور گذرانیں گے ان کا موروثی حصہ کر دیا۔ (گنتی باب ۱۸ آیت ۲۴)

۲۔ دوسری دہ یکی وہ تھی جس کا تعلق مسیحیت کے مطابق "مقدس ضیافت" کے ساتھ تھا اُس کھانے میں دہ یکی دینے والا اور لاوی دونوں شریک ہوتے تھے:۔

تو خداوند اپنے خدا کے حضور اسی مقام میں جسے وہ اپنے نام کے مسکن کیلئے چُنے اپنے غلہ اور مے اور تیل کی دہ یکی کو اور اپنے گائے بیل اور بھیڑ بکریوں کے پہلوٹھوں کو کھانا تا کہ تو ہمیشہ خداوند اپنے خدا کا خوف ماننا سیکھے اور اگر وہ جگہ جس کو خداوند تیرا خدا اپنے نام کو وہاں قائم کرنے کیلئے چُنے تیرے گھر سے بہت دور ہو اور راستہ بھی اس قدر لمبا ہو کہ تو اپنی دہ یکی کو اس حال میں جب خداوند تیرا خدا تجھ کو برکت بخشے وہاں تک نہ لے جا سکے تو تُو اسے بیچ کر روپے کو باندھ ہاتھ میں لئے ہوئے اس جگہ چلے جانا جسے خداوند تیرا خدا چُنے اور اس روپے سے جو کچھ تیرا جی چاہے خواہ گائے بیل یا بھیڑ بکری یا مے یا شراب مول لے کر اُسے اپنے گھرانے سمیت وہاں خداوند اپنے خدا کے حضور کھانا اور خوشی منانا۔

(استثناء باب ۱۴ آیت ۲۳ تا ۲۶)

۳۔ تیسری دہ یکی وہ تھی جو ہر تیسرے سال دی جاتی تھی اور یہ خاص طور پر غریبوں کیلئے جمع کی جاتی تھی جیسا کہ اسی کتاب استثناء میں ہے:۔

تین تین برس کے بعد تو تیسرے برس کے مال کی ساری دہ یکی نکال کر اُسے اپنے پھاٹکوں کے اندر اکٹھا کرنا تب لاوی جس کا تیرے ساتھ کوئی حصہ یا میراث نہیں اور پردیسی اور یتیم بیوہ عورتیں جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہوں آئیں اور کھا کر سیر ہوں تا کہ خداوند تیرا خدا تیرے سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت بخشے۔ (ایضاً آیت ۲۸،۲۹)

اے مسافرانِ روشنی! بائبل کے دہ یکی (چیریٹی) سے متعلق یہ حوالہ جات آپ نے ملاحظہ کئے ان حوالہ جات کے بعد درج ذیل نکات سامنے آئے:۔

ا۔ دہ یکی ہیکل میں لائی جائے گی۔

۲۔ دہ یکی پادریوں، لاویوں کو دی جائے گی۔

۳۔ تیسری دہ یکی کی قسم کا استعمال ہر تیسرے سال ہو گا جس میں پردیسی، یتیم اور بیوہ عورتیں جو پھاٹکوں کے اندر ہوں دہ یکی کھا کر سیر ہوں۔

احبابِ من! بائبل میں ہمیں یہ نہیں ملتا کہ دہ یکی (دس فیصد) کیوں دی جائے؟

دہ یکی (دس فیصد) دینے کے مقاصد کیا ہیں دہ یکی دینے کا صلہ کیا ملے گا؟

کیا دہ یکی (دس فیصد) مذہبِ یہود و نصاریٰ کی شرط ہے یا نہیں؟ یا صرف محض ایک مشورہ ہے، چاہے تو عمل کرو یا نہیں۔

دہ یکی (دس فیصد) جمع کرنا ریاست کی ذمے داری ہے یا نہیں؟ منکرین دہ یکی (دس فیصد) کا انجام بھی بائبل بتانے سے قاصر ہے۔

دہ یکی کے مصارف کیا ہیں؟ بائبل ہمیں یہ بھی نہیں بتاتی سوائے اس کے کہ اس کو ہیکل میں لایا جائے اور لاویوں، پادریوں کو دے دیا جائے۔

دہ یکی کون دیگا؟ اس بارے میں کوئی واضح حکم بھی ہمیں بائبل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمودات میں نہیں ملتا۔ لیکن جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان تمام سوالات کے جوابات ہمیں قرآن دیتا ہے یہود و نصاریٰ کے یہاں ہر شخص پر خواہ وہ غریب ہو یا امیر دہ یکی (دس فیصد) لازم ہے۔ یہ قانون بھی انصاف کے بنیادی اصولوں سے مزاحم ہے۔

قرآن کا قانونِ زکوٰۃ

اب آیئے اور قرآن کا قانون زکوٰۃ ملاحظہ کیجئے:۔

زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں قرآن ہمیں بتاتا ہے۔

واقیموا الصلاۃ وآتوا الزکوۃ وارکعوا مع الراکعین (سورہ بقرہ۔ آیت ۴۳)

اور صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

واقیموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون (سورہ نور۔ آیت ۵۶)

اور صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول (پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

بائبل ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ دہ یکی (دس فیصد) کیوں دی جائے؟

دہ یکی کے مقاصد کیا ہیں؟

دہ یکی دینے سے شخصیت پر کیا اثرات مرتب ہوں گے بائبل ہمیں یہ بھی نہیں بتاتی۔ جبکہ قرآن ان تمام سوالوں کا جواب دیتا ہے۔

زکوٰۃ قربت الٰہی کا راستہ

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ زکوٰۃ قربتِ الٰہی کا راستہ ہے:۔

و من الاعراب من يؤمن بالله و اليوم الآخر ويتخذ ما ينفق قربات عند الله و صلوات الر

الا انها قربة لهم سيدخلهم الله فى رحمته ان الله غفور رحيم (سورہ توبہ۔ آیت ۹۹)

اور کچھ دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روزِ قیامت اور سمجھتے ہیں جو وہ خرچ کرتے ہیں قربِ الٰہی اور رسول (پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی دعائیں لینے کا ذریعہ ہیں ہاں ہاں وہ ان کیلئے باعثِ قرب ہیں ضرور داخل فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

زکوٰۃ باعثِ فلاح و نجات

زکوٰۃ باعثِ فلاح و نجات ہے، فرمایا:۔

قد افلح المؤمنون الذين هم فى صلاتهم خاشعون و الذين هم عن
اللغو معرضون و الذين هم للزكاة فاعلون (سورہ مومنون۔ آیت ۱تا۴)

بیشک دونوں جہان میں بامراد ہو گئے ایمان والے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور وہ جو ہر بے ہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

ادائیگی زکوٰۃ باعثِ افزائش مال رزق

اسلام اپنے ماننے والوں کو زکوٰۃ کے حکم کے ساتھ یہ خوش خبری بھی سناتا ہے کہ اگر تم زکوٰۃ ادا کرو گے تو تمہارے مال میں اور برکت ہوگی۔

و ما آتیتم من ربا لیربو فی اموال الناس فلا یربو عند اللہ و ما آتیتم من زکاۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ہم المضعفون (سورہ روم۔ آیت ۳۹)

اور جو روپیہ تم دیتے ہو سود پر تا کہ وہ بڑھتا رہے لوگوں کے مالوں میں (سن لو!) اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلب گار بن کر پس یہی لوگ ہیں (جو اپنے مالوں کو) کئی گناہ کر لیتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔

مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مئۃ حبۃ و اللہ یضاعف لمن یشاء و اللہ واسع علیم (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۶۱)

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جو اُگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

و مثل الذین ینفقون اموالہم ابتغاء مرضات اللہ و تثبیتا من انفسہم کمثل جنۃ بربوۃ اصابہا و ابل فآتت اکلہا ضعفین فان لم یصبہا و ابل فطل و اللہ بما تعملون بصیر

اور مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کیلئے اور اس لئے تا کہ پختہ ہو جائیں ان کے دل ان کی مثال اُس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو برسا ہو اس پر زور کا مینہ تو لایا ہو باغ دوگنا پھل اور اگر نہ برسے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۶۵)

مصارفِ زکوٰۃ اور معاشرتی بہبود

اسلام دین فطرت ہے اسکے عقائد و نظریات، احکامات و فرمودات اور معاملاتِ زندگی عین فطرت کے مطابق ہیں۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ زکوٰۃ اپنے بیٹے کو دے دو، بیوی کو دے دو، بیٹی کو دے دو یا پھر مسجد میں مولوی صاحب کے پاس جمع کرا دو بلکہ زکوٰۃ کے مصارف اور معاشرتی بہبود کی تعلیم دیتا ہے اور یہی طریقہ عین فطرت کے مطابق ہے۔

بائبل دہ یکی (دس فیصد) کے مصارف کے بارے میں خاموش ہے۔ لیکن قرآن اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کے مصارف کو یوں بیان کرتا ہے:۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب ولکن البر من آمن باللہ و الیوم الآخر والملائکۃ و الکتاب و النبیین وآتی المال علی حبہ ذوی القربی و الیتامی و المساکین و ابن السبیل و السآئلین و فی الرقاب و اقام الصلاۃ و آتی الزکاۃ و الموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء و الضراء و حین الباس اولئک الذین صدقوا و اولئک ھم المتقون

نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر اور دے دینا مال اللہ کی محبت سے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور (خرچ کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح ادا کیا کرے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیز گار ہیں۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۷۷)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔

انما الصدقات للفقراء و المساکین و العاملین علیھا و المؤلفۃ قلوبھم و فی الرقاب و الغارمین و فی سبیل اللہ و ابن السبیل فریضۃ من اللہ و اللہ علیم حکیم (سورہ توبہ۔ آیت ۶۰)

صدقات تو صرف ان کیلئے ہیں جو فقیر، مسکین، زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں اور جن کی دلداری مقصود ہے نیز گردنوں کو آزاد کرانے اور مقروضوں کیلئے اور اللہ کی راہ میں مسافروں کیلئے یہ سب فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے۔

ان آیات میں جو مصارف زکوٰۃ بیان کئے گئے وہ درج ذیل ہیں:۔

✢ زکوٰۃ کا پہلا مصرف فقراء کی امداد

فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو کمانے پر قادر ہے مگر ایک خوش حال زندگی بسر نہیں کر رہا، تنگ دستی کے سبب اس کو زکوٰۃ دی جائے گی۔

✢ زکوٰۃ کا دوسرا مصرف مساکین کی امداد

مسکین وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے بڑھاپے، بیماری یا مستقل معذوری کی صورت میں رزق کمانے کے لائق نہ رہے اس کو زکوٰۃ دی جائے گی۔

✢ زکوٰۃ کا تیسرا مقصد عاملین زکوٰۃ

عاملین زکوٰۃ سے مراد وہ لوگ جو گھر گھر جاکر زکوٰۃ کو جمع کرتے ہیں اور اُسے حق داروں میں تقسیم کرتے ہیں۔

✢ چوتھا مصرف مولفۃ القلوب

مولفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دینِ حق اسلام کو قبول کر لیا اور ان کے پاس اس امر کی وجہ سے اُن کے خاندان والے عزیز و اقرباء نے ان کو چھوڑ دیا اور ان سے انکے تمام سابقہ کمانے کے ذرائع چھین لئے جس کی وجہ سے یہ بے روزگار اور بے یار و مددگار ہو گئے۔

✢ ۵۔ زکوٰۃ کا پانچواں مصرف غلاموں کا آزاد کرنا

وہ غلام جو رقم دے کر آزاد نہیں ہو سکتے اُن کی اس رقم سے امداد کی جائے تا کہ یہ رقم وہ اپنے مالکوں کو دے کر آزاد ہو سکیں۔

✢ ۶۔ زکوٰۃ چھٹا مصرف مقروض لوگ

ایسے لوگ جنہوں نے کسی جائز حاجت کیلئے قرض لیا ہو اور اُسے فضول خرچی، اسراف میں نہ اُڑایا ہو اور نہ ہی اس قرض سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو اُن کا قرض بھی بیت المال سے دیا جائے گا۔

اگر ہم اسلامی نظام میں زکوٰۃ کے چھٹے مصرف کو بغور ملاحظہ کریں تو ہم پر عیاں ہو جائے گا کہ اسلام نے معاشرتی امن و سکون کی حسین تعلیمات دی ہیں۔ اسلام نے باہمی فسادات سے روکنے، انفرادی شخصیت کو تباہ ہونے اور خاندانی سکون تباہ ہونے سے بچانے کیلئے ہر ایسے شخص کا قرضہ ادا کرنے کی ذمے داری قبول کر لی جو اپنی غربت کی وجہ سے قرض ادا کرنے سے عاجز تھا۔

✦ زکوٰۃ کا ساتواں مصرف مسافر

اگر کوئی شخص خوش حال ہو دورانِ سفر اُس کی رقم چوری یا گم ہو جائے اور وہ دیارِ غیر میں پائی پائی کیلئے محتاج ہو جائے تو ایسے شخص کی بھی مالِ زکوٰۃ سے امداد کی جائے گی۔

✦ زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنا دین کے کاموں میں لگانا ہے۔

زکوٰۃ اور اسلامی ریاست کا بنیادی فرض

اسلام نے ریاست کو آزاد نہیں چھوڑا۔ اسلامی ریاست پر کئی ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں اور اسلام کے نظامِ سیاست میں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اسلامی ریاست کے فرماں رواں ربّ العالمین کے سامنے جواب دہ ہیں۔

اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے:۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ

وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (سورہ حج۔ آیت ۴۱)

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہے سارے کاموں کا انجام۔

کیا یہودیت اور عیسائیت میں ایسا کوئی نظام موجود ہے؟

کیا بائبل کے دہ یکی (دس فیصد) نظام میں یہ حسن، یہ رعنائی یہ معاشرتی مقاصد یہ اصلاحی تصور، یہ حقیقی فلاح و بہبود، یہ شخصیت سازی یہ معاشی و معاشرتی نظام کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے؟

نہیں ہر گز نہیں۔

پھر کیونکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن بائبل سے ماخوذ ہے۔

تعصب کے اندھیارے محل میں پرورش پانے والے تاریکی کے پروردہ پیغمبر اسلام پر عام بشر ہونے کا الزام یوں لگاتے ہیں جیسے کیرن آرمسٹرانگ الزام رقم کرتی ہیں:۔

Muslims have evolved a symbolic devotion to Muhammad, as I shall explain In Chapter 10, but they have never claimed that he is divine. Indeed, he is a very human figure in the early history. He does not even bear much resemblance to a Christian saint-though, of course, once one penetrates the veil of hagiography, the saints themselves become all human. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 5)

مسلمانوں کو حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ساتھ گہری عقیدت اور محبت ہے لیکن انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آپ خدائی اوصاف سے متصف تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابتدائی مورخوں نے آپ کو ایک انسان کے طور پر پیش کیا ہے بلکہ آپ کو ایک عیسائی سینٹ سے مشابہت رکھنے والی شخصیت بھی قرار نہیں دیا جاسکتا حالانکہ عیسائیوں کی برگزیدہ شخصیات کی سوانح عمریوں کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اصل میں وہ خود بھی انسان ہی تھے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۷۴)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

We never read of Jesus laughing, but we often find Muhammad smiling and teasing the people who were closest to him. We will see him playing with children, having trouble with his wives, weeping bitterly when a friend dies and showing off his new baby son like any besotted father. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 52)

ہم نے کبھی نہیں پڑھا کہ عیسیٰ ہنستے بھی تھے لیکن ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ حضور مسکراتے اور اپنے قریبی ساتھیوں سے دل لگی اور ہنسی مذاق کرتے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ آپ کو اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں تکلیف دہ صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے ایک دوست کی موت پر آپ دھاڑیں مار مار کر روتے رہے اور اپنے کمسن بیٹے کی وفات پر غمزدہ باپ کی طرح شدید صدمے سے نڈھال ہوگئے۔ (ایضاً، صفحہ ۷۵)

اپنی ایک اور کتاب میں لکھتی ہیں:۔

حضرت محمد نے اپنا مشن خاموشی سے شروع کیا آپ نے وحی کے متعلق دوستوں اور خاندان والوں کو بتایا جو پرجوش اور ہمدرد شاگرد بن گئے۔ انہیں یقین تھا کہ حضرت محمد ہی وہ عرب پیغمبر ہیں جس کا طویل عرصے سے انتظار تھا لیکن آپ نے محسوس کیا کہ زیادہ تر قریش کیلئے یہ چیز قبول کرنا ممکن تھا۔ اللہ کے تمام پیغمبر دراز قامت شخصیات، معاشرے کے بانی مبانی ہوا کرتے تھے۔ کچھ ایک نے تو معجزات بھی دکھائے۔ آنحضرت حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ کے ہم پلہ کیسے ہوسکتے تھے؟ قریش نے آپ کو جوان ہوتے دیکھا تھا۔ انہوں نے آپ کو بازار میں کاروبار کرتے، باقی سب لوگوں کی طرح کھاتے پیتے بھی دیکھا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۳۵)

احبابِ من! کہنا یہ چاہتی ہیں کہ یہ تمام افعال نبی سے صادر نہیں ہوتے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک عام بشر ہی کی مانند یہ تمام کام کرتے تھے۔

یعنی ایک عام بشر ہیں، ایک عام آدمی ہیں۔ (معاذاللہ)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک عام آدمی بنی نوع انسان کو عین انسانی فطرت کے مطابق قوانینِ زندگی بخش سکتا ہے؟

عرب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور شخصیت کیوں نہیں اُٹھی جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتی۔۔۔ جو غریبوں کی ہمدرد۔۔۔ یتیموں کا ماوا۔۔۔ بے چاروں کا چارا۔۔۔ اور مظلوموں کا سہارا بنتی۔

ایک عام بشر میں بھی تو یہ تمام صلاحیتیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہیں، ہونی چاہئے۔ ان خیالات نے یقیناً اس عصبیت زدہ خاتون کو پریشان کیا ہوگا، اسی لئے لکھتی ہیں:۔

If we could view Muhammad as we do any other important historical figure we surely consider him to be one of the greatest geniuses the world has known. To create a literary masterpiece, to found a major religion and a new world power are not ordinary achievements. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 52)

اگر ہم کسی بھی دوسری تاریخی شخصیت کی طرح حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی زندگی کا جائزہ لیں تو ہم آپ کو یقیناً دنیا کی سب سے عظیم، نابغۂ روزگار شخصیت اور غیر معمولی ذہانت رکھنے والا عالی دماغ شخص قرار دینگے۔ ایک عظیم ادبی شاہکار کو تخلیق کرنا اور ایک بڑے مذہب اور ایک نئی عالمی طاقت کی بنیاد رکھنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ (ایضاً، صفحہ ۷۵)

عزیزانِ گرامی! انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر عام بشر ہونے کا الزام کوئی نیا نہیں۔ اس سے پہلے بھی بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے اُن پر بھی ان کے مخالفین نے عام بشر ہونے کا الزام عائد کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو تبلیغ کی اُن کی قوم نے کہا:۔

فقال الملا الذین کفروا من قومه ما نراک الا بشرا مثلنا (سورہ ھود۔ آیت ۲۷)

تو کہنے لگے اُن کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا (اے نوح) ہم نہیں دیکھتے تمہیں مگر انسان اپنے جیسا۔

جس طرح مس کیرن آرمسٹرانگ پیغمبر اسلام پر اعتراض عائد کرتی ہیں بالکل اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر بھی حضرت نوح علیہ السلام پر یوں اعتراض کرتے تھے جیسا کہ قرآن بیان فرماتا ہے:

فقال الملا الذین کفروا من قومه ما هذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم (سورہ مومنون۔ آیت ۲۴)

وہ سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا اُن کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر۔

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت اس انداز میں کی:۔

فقالوا ابشرا منا و احدا نتبعه انا اذا لفی ضلال و سعر (سورہ قمر۔ آیت ۲۴)

پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے (اور) اکیلا ہے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ کی مخالفت میں اسی انداز کو اپنایا۔

و ما انت الا بشر مثلنا وان نظنک لمن الکاذبین (سورہ الشعراء۔ آیت ۱۸۶)

اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔

ایک اور قوم کیلئے فرمایا کہ اُس نے بھی اپنے نبی کے متعلق کہا:۔

و قال الملا من قومه الذین کفروا و کذبوا بلقاء الآخرۃ و اترفناھم فی الحیاۃ الدنیا
ما ھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منه و یشرب مما تشربون
و لئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخاسرون (سورہ مومنون۔ آیت ۳۳،۳۴)

تو بولے اُن کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوش حال بنا دیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم نقصان اُٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

سورۂ فرقان میں منکرینِ انبیاء کے اسی اعتراض کو یوں نقل فرمایا:۔

و قالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق
لولا انزل الیه ملک فیکون معه نذیرا (سورہ فرقان۔ آیت ۷)

اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں
ایسا کیوں نہ ہوا کہ اُتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) ڈراتا۔

کفار نے یہاں دو اعتراض کئے:۔

- یہ تو عام بشر ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔
- اور تبلیغ کیلئے اللہ نے بشر کو کیوں بھیجا کسی فرشتے کو کیوں نازل نہ کیا۔

پہلے اعتراض کا جواب قرآن نے یوں دیا:۔

و ما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام و یمشون فی الاسواق (سورہ فرقان:۲۰)

اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں۔

کیرن آرمسٹرانگ! بائبل کے مطابق ہی دیگر تمام انبیاء ہی کی زندگی کو لے لیجئے، وہاں تو ایسی ایسی باتیں انبیائے کرام سے منسوب ہیں جن کو آج کے دور میں گرے سے گرا انسان بھی گوارا نہیں کرے گا۔ بائبل کے مصنفین نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کو بھی داغ دار کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اس ضمن میں ہم تفصیل اپنی کتاب 'استشراقی فریب' میں لکھ چکے ہیں۔

کفار کے دوسرے اعتراض کا جواب یوں دیا:

قل لو کان فی الارض ملآئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السماء ملکا رسولا (سورہ بنی اسرائیل:۹۵)

فرمایئے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے

تو ہم (ان کی ہدایت کیلئے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر۔

کیرن آرمسٹرانگ کا یہ اعتراض ہی انہیں اندھیارے محل کی تاریکی سے نکلنے نہیں دے رہا جیسا کہ قرآن بیان فرماتا ہے:۔

و ما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا (سورہ بنی اسرائیل:۹۴)

اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی اُن کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا

کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر۔

احبابِ من! یہ استدلال تو ہم نے قرآن کریم سے پیش کئے تا کہ مسلمانوں کے درمیان اہلِ صلیب نے اپنے نو آبادیاتی نظام میں جن فرقوں کو جنم دیا اور اس قسم کے اعتراضات کے ذریعے مسلمانوں کے نظریات پر شب خون مارا اُن کا علمی محاسبہ ہو سکے۔

بنو اُمیہ سے لیکر سقوطِ سلطنت عثمانیہ تک اور غوری سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک ہمارے یہاں نہ کوئی بریلوی تھا نہ کوئی وہابی نہ کوئی دیوبندی۔ پھر اہلِ صلیب نے کرائے کے مولویوں کے ذریعے پیغمبر اسلام پر ہماری مثل بشر ہونے کے نظریئے کو ایک مربوط پلاننگ کے تحت پروان چڑھایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مخالفین کا اعتراض

بائبل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی آپ کے مخالفین نے آپ پر عام بشر ہونے کا الزام عائد کیا اور بائبل کے عقیدے کے مطابق صلیب کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام چیخے اور چلّائے بھی۔ انہوں نے موت کے پیالے کو دور ہٹانا چاہا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ بائبل میں مذکور ہے۔

مقدس متی کی یہ عبارت ملاحظہ کیجئے:۔

کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں؟ اور اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہوداہ نہیں؟ اور کیا اُسکی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں؟ پھر یہ سب کچھ اس نے کہاں سے پایا؟ اور انہوں نے اسکے سبب سے ٹھوکر کھائی لیکن یسوع نے ان سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا اور اُس نے ان کی بے اعتقادی کے سبب وہاں بہت معجزے نہ کئے۔ (کلام مقدس، مقدس متی باب ۱۳ آیت ۵۳ تا ۵۷ مطبوعہ ابلاغیات مقدس پولوس ۱۹۹۹ء)

بائبل کی اس عبارت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر عہد میں نبی کے مخالفین اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں کہ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں ہے کیا اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہوداہ نہیں اور کیا اُس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں پھر یہ سب کچھ اُس نے کہاں سے پایا۔ (ایضاً)

بائبل کی اس عبارت کی تفسیر میں میتھ یوہنری کا منٹری رقم طراز ہیں اور پادری میتھ یو کے یہ الفاظ صرف کیرن آر مسٹرانگ کیلئے ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے استشراق کیلئے بھی قابلِ توجہ ہیں، پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح اپنے وطن میں ہے۔ اس کے اپنے ہم وطنوں نے ایک دفعہ اسے رَدّ کر دیا تھا لیکن وہ دوبارہ ان کے پاس آیا۔ خدا انکار کرنے والوں کو پہلی ہی دفعہ چھوڑ نہیں دیتا بلکہ بار بار پیشکش کرتا ہے۔ اسے فطری طور سے اپنے وطن سے محبت تھی اس دفعہ بھی اسے پہلے کی طرح نفرت اور حقارت کے سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ ۱۵۷)

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

انہوں نے دو باتوں میں اس کی حقارت کی:۔

- اس کی رسمی تعلیم کی کمی انہوں نے اقرار کیا کہ اس میں حکمت ہے اور وہ بڑے بڑے کام کرتا ہے لیکن سوال یہ تھا کہ 'اس میں یہ حکمت اور معجزے کہاں سے آئے؟' اگر وہ دانستہ اندھے نہ بنتے تو ضرور اس نتیجہ پر پہنچتے کہ اسے خدا کی مدد حاصل ہے اور خدا نے مامور اور مقرر کیا ہے اس لئے وہ تعلیم پائے بغیر غیر معمولی حکمت اور قدرت کے ثبوت دیتا ہے۔
- اس کے رشتہ داروں کی قربت اور پست حالی 'کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں؟' اس میں کیا حرج تھا؟ دیانت دار پیشہ والے آدمی کا بیٹا ہونے میں سبکی اور کم قدری کی کوئی بات نہیں۔ یہ بڑھئی داؤد کے گھرانے کا تھا۔ وہ ابنِ داؤد تھا بڑھئی ضرور تھا مگر عزت دار شخص تھا۔ کچھ تاریکی کے فرزند یسی کی شاخ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے وہ اس کی ماں کے حوالے سے اس کی بے قدری کرتے ہیں 'کیا اس کی ماں کا نام مریم نہیں؟' یہ ایک عام سا نام تھا وہ سب اسے جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ایک معمولی شخص ہے۔ اس بات کو انہوں نے یسوع کیلئے حقارت بنا دیا گویا انسان کی قدر و قیمت سوائے بڑے بڑے القابات کے اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی قدر و قیمت لگانے کے کیسے گھٹیا معیار ہیں! وہ اس کے بھائیوں کے حوالہ سے اسکی بے قدری کرتے ہیں۔ وہ ان کے ناموں سے واقف تھے وہ اچھے اور نیک آدمی تھے مگر غریب تھے اس لئے حقیر تھے اور ان کی خاطر مسیح بھی حقیر ہے۔ 'کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں؟' اس وجہ سے تو چاہئے تھا کہ وہ اس کی زیادہ عزت کرتے، اس سے زیادہ محبت رکھتے کیونکہ وہ انہی میں سے تھا مگر اسی وجہ سے انہوں نے اسے حقیر جانا۔ انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی۔

(ایضاً، صفحہ ۱۵۷)

کیرن صاحبہ نے پیغمبر اسلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک تقابل پیش کرنے کی نادان کوشش کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہنستے تھے، جبکہ پیغمبر اسلام انسانی فطرت کے مطابق بچوں کے ساتھ کھیلتے بھی تھے۔ دوست اور اپنی اولاد کے انتقال پر افسردہ بھی ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

عزیزانِ گرامی! قبل اس کے کہ ہم اعتراض کا جواب بائبل کی روشنی میں دیں اپنے عقیدے کو بیان کرتا چلوں کہ ہم مسلمانانِ عالم انبیائے کرام کے بارے میں درج ذیل عقیدہ رکھتے ہیں:۔

لا نفرق بين احد من رسله (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۸۵)

ہم فرق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں۔

کیرن صاحبہ! اگر آپ نے بائبل کو ذرا توجہ سے پڑھا ہوتا تو آپ کو یہ اعتراض نہیں سوجھتا۔ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے وقت کیا صورت حال ہوئی متی کی انجیل میں ہے۔

تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر کہا ایلی۔ ایلی۔ لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑدیا۔ (متیٰ باب ۲۷ آیت ۴۶)

مزید آگے لکھا ہے:۔

یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلّا کر جان دے دی۔ (متیٰ باب ۲۷ آیت ۵۰)

لوقا کی انجیل میں ہے:۔

پھر یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر دَم دے دیا۔ (مرقس باب ۱۵ آیت ۳۴)

پادری میتھیو لکھتے ہیں، وہاں انہوں نے اسے صلیب پر چڑھایا اس کے ہاتھ اور پاؤں کیلوں سے صلیب کے ساتھ جڑ دیئے اور صلیب کو کھڑا کر دیا اور وہ اس پر لٹکا ہوا تھا۔ رومی اسی طرح صلیب دیا کرتے تھے۔ اپنے منجی کے اس انتہائی شدید درد اور تکلیف پر ہمارے دل بھر آنے چاہئیں اور یہ دیکھ کر کہ وہ کیسی موت مُوا ہمیں جان لینا چاہئے کہ اس نے ہم سے کیسی محبت رکھی اور رکھتا ہے۔

اس کے ساتھ بربریت اور نہایت سنگ دلی کا سلوک روا رکھا گیا گویا موت اور ایسی بڑی اور بری موت کافی نہ تھی انہوں نے اس کی تلخی اور ہیبت میں اضافہ کرنے کی تدبیر کیں۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ ۳۲۹)

مزید آگے لکھتے ہیں، اپنی جان کے سخت دکھ کے باعث ہمارا خداوند یسوع بڑی آواز سے چلایا اے میرے خدا! اے میرے خدا! تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

مزید آگے لکھتے ہیں، جب وہ دُکھ اٹھا رہا تھا تو ہمارے خداوند یسوع کو سورج کی روشنی سے محروم کر دیا گیا اس کا مطلب یہ تھا کہ خدا کے چہرہ کا نور اس سے دور ہٹ گیا ہے۔ اس بات کی اس نے سب سے زیادہ شکایت کی۔ اس کے شاگرد اسے چھوڑ گئے تو اس نے شکایت نہ کی مگر جب باپ نے اسے چھوڑ دیا تو اس نے شکایت کی۔ کیونکہ اس جدائی نے اس کی روح کو زخمی کر دیا تھا اسے برداشت کرنا بے حد مشکل تھا۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ ۴۴۱)

پادری میتھیو ہنری یسوع کا عام آدمی کی طرح چلانے کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

مسیح نے یہ لفظ کس طرح بولے؟ بڑی آواز سے چلا کر۔ اس طرح اس کے دُکھ کرب اور درد کی انتہا نظر آتی ہے۔ اس میں طبعی قوت باقی تھی۔ اس التجا میں اس کی روح کی دل سوزی نمایاں ہے۔ مسیح نے کیا شکایت کی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ یہ عجیب شکایت ہے جو ہمارے خداوند یسوع کے منہ سے نکلی کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ خدا ہمیشہ اس سے خوش تھا۔ باپ اب بھی اس سے محبت رکھتا تھا نہیں بلکہ وہ جانتا تھا کہ باپ مجھ سے اس لئے محبت رکھتا ہے کہ میں اپنی جان دیتا ہوں۔ کیسی حیرت ہے کہ پھر بھی خدا نے اُسے چھوڑ دیا اور وہ بھی ایسے دکھوں کے دوران! بیشک کوئی دکھ اتنا بڑا نہیں تھا جتنا یہ دکھ جس نے شکایت کرنے پر مجبور کر دیا۔ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ اس شکایت پر زمین لرز اُٹھی اور چٹانیں تڑک گئیں۔ ان دکھوں کے دوران ہمارے خداوند یسوع کے باپ نے تھوڑی دیر کیلئے اس کو چھوڑ دیا۔ مسیح نے یہ بات خود کہی ہے اور ہمیں پورا یقین ہے کہ اسے اپنی حالت کی بابت کوئی غلط فہمی نہ تھی اور نہ یہ بات تھی کہ اس کیلئے باپ کی محبت میں یا باپ کیلئے اس کی محبت میں کچھ کمی آگئی تھی لیکن اسکے باپ نے اسے چھوڑ دیا۔ باپ نے اس کو دشمنوں کے حوالہ کر دیا اور ان کے ہاتھوں سے چھڑانے کو نہ آیا (حاضر نہ ہوا) اسے چھڑانے کیلئے آسمان سے کوئی فرشتہ نہ بھیجا گیا، زمین پر کوئی دوست اس کی خاطر برپا نہ کیا گیا۔ جب پہلی دفعہ اس کی جان گھبرائی تھی تو اسے تسلی دینے کو آسمان سے آواز آئی تھی (یوحنا ۱۲: ۲۷، ۲۸) جب وہ باغ میں سخت کرب میں تھا تو آسمان سے ایک فرشتہ آکر اسے تقویت دینے لگا تھا لیکن اب نہ کوئی آواز تھی نہ فرشتہ، خدا نے اپنا چہرہ اس سے چھپا لیا۔ (تفسیر الکتاب جلد سوم صفحہ ۳۳۳)

مزید لکھتے ہیں:۔

مسیح کے باپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ یہ مسیح کیلئے سب سے بھاری اور کرب ناک دُکھ تھا۔ اس موقع پر اس نے انتہائی غمناک اور دکھی لہجہ میں بات کی۔ جب اس کا باپ دور جا کھڑا ہوا تو وہ اس طرح چلّا اُٹھا کیونکہ اس بات نے اس کے دُکھ اور مصیبت میں ناگدونا اور اندرائن بھر دیا۔ (ایضاً)

بائبل اور اس کی تفاسیر سے چند نکات سامنے آتے ہیں:۔

- مسیح کا عام آدمی / عام بشر کی طرح چلّا کر جان دینا۔
- مسیح کی طبعی قوت اور دُکھ درد کی انتہا۔
- خدا کا مسیح کو چھوڑ دینا۔
- شدید درد اور تکلیف سے موت۔

کیا کہیں گی مس کیرن آر مسٹرانگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بائبل کے مطابق عام آدمی کی طرح چلّا رہے تھے۔ کیا اس بنیاد پر آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کا انکار کر دیں گی۔

عزیزانِ گرامی! بائبل کے اس عقیدے پر انسانی عقل ورطۂ حیرت میں پڑ جاتی ہے۔

بائبل کا عقیدۂ کفّارہ اور اس کا رد

یہاں ہم ضمناً عرض کرتے چلیں کہ بائبل کا عقیدۂ کفارہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر جان دیکر گناہ کا کفارہ ادا کیا۔ وہ گناہ جو حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں پھل کھا کر کیا تھا (بائبل کے مطابق) مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔

جیسا کہ قاموس الکتاب میں ہے:۔

تمام بنی نوع انسان کیلئے موثر ہے اُس پر ایمان لانے سے میں بھروسہ کر سکتا ہوں کہ میرے گناہ مکمل طور پر ہمیشہ کیلئے مٹا دیئے گئے، معاف ہوئے، دور پھینک دیئے گئے کیونکہ مسیح یسوع نے کامل کفارہ دیا ہے۔

مزید آگے درج ہے:۔

یہاں پر انجیلی وعدہ ہے خدا نے جہان کے گناہوں کیلئے اپنے بیٹے کو کفارہ ٹھہرایا۔ (قاموس الکتاب صفحہ ۷۹۲)

احبابِ من! بائبل کے مطابق جب حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تو ان کو کیا سزا ملی، کتاب پیدائش میں ہے۔

پھر اُس نے عورت سے کہا میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچّے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا اور آدم سے اُس نے کہا چونکہ تُو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا اس لئے زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا۔ (پیدائش، باب ۳، آیت ۱۷،۱۶)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یسوع مسیح نے آدم علیہ السلام بلکہ تمام بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا تو عورت کو دردِ زہ اور مرد کو مشقت کی سزا ختم ہو جانی چاہئے، ایسا نہیں ہوا تو یقیناً یہ کفّارہ اور حضرت یسوع کا صلیب پر چڑھنا سوائے من گھڑت قصے کے اور کچھ نہیں ہے۔

پیغمبر اسلام پر مایوسی، دل شکستگی کا الزام

کیرن آرم سٹرانگ پیغمبر اسلام پر الزام عائد کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

It was a time of great desolation and some Muslim writers have attributed his suicidal despair to this period. Had he been deluded after all? Or had God found him wanting as of revelation and abandoned him? **(Muhammad a Biography of the Prophet page: 89)**

چند ابتدائی سورتیں نازل ہونے کے بعد تقریباً دو سال تک مکمل خاموشی چھائی رہی۔ آنحضرت کیلئے یہ تنہائی اور کسمپرسی کا دور تھا اور کئی مسلمان مصنفوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حد درجہ مایوس اور دل شکستہ رہے۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ذہن میں بار بار یہ سوال اُٹھتا کہ آپ صحیح راستے سے بھٹک گئے ہیں؟ یا خدا نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا ہے؟ یہ ایک ہولناک مصیبت تھی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۱۲۴)

یہ نتیجہ کیرن صاحبہ نے کیونکر اخذ کیا؟ آگے ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخیلاتی نتیجہ انہوں نے سورہ والضحیٰ سے اخذ کیا اور اس سورۃ کے ترجمہ میں دو چیزوں پر خصوصی فوکس کیا۔

- نہ تو تیرے ربّ نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا۔
- اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۱۲۴)

احبابِ من! قبل اس کے کہ ہم کیرن صاحبہ کے اس تخیلاتی وسوسے کا جواب دیں، ان آیات کا صحیح ترجمہ اور شانِ نزول بیان کرتے ہیں:۔

ما ودعک ربک وما قلی (سورہ والضحیٰ۔ آیت ۳)

۱۔ نہ آپ کے ربّ نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی ناراض ہوا۔

ووجدک ضالا فھدی (سورہ والضحیٰ۔ آیت ۷)

۲۔ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔

پہلی آیت کے شان نزول میں جسٹس پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، ابتدائے بعثت میں کچھ عرصہ نزولِ وحی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر یکدم رُک گیا۔ یہ انقطاع بارہ یا پندرہ یا پچیس یا چالیس دن تک باختلاف روایات برقرار رہا۔ حضور کی طبع مبارک پر بہت گراں گزرا۔ وہ کان جو کلام الٰہی سننے کے عادی ہو چکے تھے وہ دل جو ارشاداتِ ربانی کا خوگر ہو چکا تھا اس کیلئے یہ بندش ناقابلِ برداشت تھی۔ نیز کفار نے بھی طعنہ زنی شروع کر دی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو خدا نے چھوڑ دیا ہے، اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے اس لئے وحی کا نزول رک گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ان خرافات کی تردید

قسم اُٹھا کر کی اور اپنے محبوب کریم کو بھی تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی میں گوناگوں حکمتیں ہیں اسی طرح نزولِ وحی اور پھر اس کے بعد انقطاع میں بھی بڑی بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ ۵۸۵)

دوسری آیت کے ترجمہ میں کیرن صاحبہ نے غالباً نو آبادیاتی زمانے کے صلیبی مترجمین کے ترجمہ ٔ قرآن سے استفادہ کیا ہے، اس لئے انہوں نے اس کا ترجمہ یوں کیا:۔

Did he not find thee erring and guid thee. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 90)

اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی؟ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۱۲۴)

ہم نے جب مختلف تراجم کا مطالعہ کیا تو مولانا احمد رضا خان اور پیر کرم شاہ الازہری کا ہی ترجمہ سب سے بہتر پایا۔

اے متلاشیانِ فکر و نظر! مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اعلانِ نبوت سے قبل اور اس کے بعد بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی خلافِ اولیٰ بات بھی سرزد نہیں ہوئی چہ جائیکہ کہ گناہ، ضلالت، گمراہی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معصوم تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا۔

طلب گارانِ حق! سیرتِ پیغمبر اسلام کا مطالعہ کرلیجئے مکہ کی سرزمین پر ۳۶۰ خداؤں کا طوطی بول رہا ہے۔ لیکن کیا دامن پر کہیں ہلکا سا بھی شرک کا داغ نظر آتا ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ پیغمبر اسلام کے عہد کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کا مطالعہ کرلیجئے۔ سود کی تباہ کاریاں، جھوٹ، مکرو فریب، بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا، جہاں جاہلیت اپنے جوبن پر انسانیت کا گلا گھونٹ رہی ہے، لیکن کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ان تمام خرافات سے محفوظ نہ رہی۔ یقیناً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدترین دشمن بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صادق و امین کہہ کر پکارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سابقہ زندگی کی پاکیزگی و معصومیت کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا:۔

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون (سورہ یونس۔ آیت ۱۶)

میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) اس سے پہلے تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔

ایک اور آیت میں پیغمبر اسلام کی معصومیت کے بارے میں قسم کے ساتھ یوں فرمایا:۔

والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم وما غوی (سورہ نجم۔ آیت ۱،۲)

قسم ہے اس ستارے کی جب وہ نیچے اُترا تمہارا ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔

ان آیات کی روشنی میں والضحیٰ کی آیت میں موجود لفظ ضالاً کے معنی گمراہ یا بھٹکا ہوا لینا گمراہی وضلالت ہے۔ پیر کرم شاہ الازہری نے اس لفظ پر بڑی عمدہ بحث کی ہے ہم اسی کو یہاں نقل کرتے ہیں:-

❖ ضلالت کا لفظ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لا یضل ربی و لا ینسیٰ (طٰہٰ:۵۲) ای لایغفل: میرا ربّ نہ کسی چیز سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز کو فراموش کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں ضالًا بمعنی غافل مستعمل ہوا ہے یعنی آپ قرآن اور احکام شرعیہ کو پہلے نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کا علم بھی بخشا اور احکام شرعیہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ ای لم تکن تدری القرآن و الشرائع فھداک اللہ الی القرآن و شرائع الاسلام ۔ ضحاک، شہر بن حوشب وغیرہما سے یہ قول منقول ہے۔ (قرطبی)

❖ جب پانی دودھ میں ملا دیا جائے اور پانی پر دودھ کی رنگت وغیرہ غالب آجائے تو عرب کہتے ہیں ضل الماء فی اللبن کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا۔ اس استعمال کے مطابق آیت کا معنی ہو گا کنت مغمورا بین الکفار بمکۃ فقواک اللہ تعالیٰ حتیٰ اظھرت دینہ۔ (کبیر) یعنی آپ مکہ میں کفار کے درمیان گھرے ہوئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی اور آپ نے اس کے دین کو غالب کیا۔

❖ ایسا درخت جو کسی وسیع صحرا میں تنہا کھڑا ہو اور مسافر اس کے ذریعے اپنی منزل کا سراغ لگائیں اس کو بھی عربی میں الضّال کہتے ہیں العرب تسمی الشجرۃ الفریدۃ فی الفلاۃ ضلالۃ اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہو گا کہ جزیرۂ عرب ایک سنسان ریگستان تھا جس میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ایمان اور عرفان کا پھل لگا ہوا ہو، صرف آپ کی ذات جہالت کے اس صحرا میں ایک پھل دار درخت کی مانند تھی پس ہم نے آپ کے ذریعہ سے مخلوق کو ہدایت بخشی۔ (کبیر) فانت شجرۃ فریدۃ فی مغارۃ الجھل فوجدتک ضالا فھدیت بک الخلق۔

❖ کبھی قوم کے سردار کو خطاب کیا جاتا ہے لیکن اصلی مخاطب قوم ہوتی ہے یہاں بھی یہی معنی ہے۔ ای وجد قومک ضالا فھدا ھم بک ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو گمراہ پایا اور آپ کے ذریعہ سے ان کو ہدایت بخشی۔ علامہ ابو حیّان اندلسی اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک رات خواب میں مَیں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا تھا کہ فوراً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اصل میں عبارت یوں ہے۔ وجد رھطل ضالا فھدا بک ۔ پھر میں نے کہا کہ جس طرح و اسئلو القریۃ اصل میں

و اسئلوا اهل القرية ہے اور اھل جو مضاف ہے محذوف ہے اسی طرح یہاں بھی رھط مضاف محذوف ہے۔ (البحر المحیط)

❖ حضرت جنید قدس سرہ سے منقول ہے کہ ضالاً کا معنی متحیراً یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے بیان میں حیران پایا تو اس کے بیان کی تعلیم فرمادی۔

❖ امام رازی کہتے ہیں کہ الضلال بمعنی المحبة کما فی قوله تعالیٰ انک فی ضلالک القدیم یعنی یہاں ضلال سے مراد محبت ہے جس طرح سورۂ یوسف کی اس آیت میں ہے۔ مذکورہ آیت کا معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو ایسی شریعت سے بہرہ ور فرمایا جس کے ذریعہ آپ اپنے محبوبِ حقیقی کا تقرب حاصل کر سکیں گے، علامہ پانی پتی نے اس قول کو بایں الفاظ بیان کیا ہے:۔

قال بعض الصوفية معناه وجدک محباً عاشقاً مقرطا ول الحب والعشق ----
فهداک ---- الی وصل محبوبک حتی کنت قاب قوسین او ادنیٰ

یعنی بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اپنے عشق میں از حد بڑھا ہوا پایا تو آپ کو اپنے محبوب کے وصال کی طرف رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر فائز ہوئے۔

(ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ ۵۸۹،۵۹۰)

پیغمبر اسلام کی مستقبل بینی پر اعتراض

پیغمبر اسلام پر مستقبل بینی پر اعتراض کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

It would lead him in a direction that he had never imagined. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 90)

دینِ حق کا یہ راستہ آپ کو کس سمت لے جائے گا اس کا آپ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات ۱۲۵)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

In 612, at the start of his mission. Muhammad had a modest conception of his role. He was no saviour or messiah; he had no universal mission, at this date he did not even feel that he should preach to the other Arabs of the peninsula. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 91)

رسول اللہ نے ۶۱۲ عیسوی میں اپنے مشن کا آغاز کیا تو آپ کو اپنے رول کا صحیح اندازہ نہیں تھا، اُس وقت آپ کوئی نجات دہندہ یا مسیح نہیں تھے اور نہ ہی آپ کو مشن آفاقی نوعیت کا تھا۔ شروع شروع میں تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ آپ کو جزیرہ نما کے دوسرے عربوں میں تبلیغ کرنی چاہئے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات ۱۲۶)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

When he began he simply believed that he had been sent to warn the Quraysh of the dangers of the course. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 91)

جب آپ نے تبلیغ کا مشن شروع کیا تو اس وقت آپ کو یقین تھا کہ آپ صرف قریش کو اس پُر خطر راستے کے خطرات سے ڈرانے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۲۷)

اس عبارت سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:۔

- پیغمبر اسلام کو علم نہیں تھا کہ دینِ حق کا راستہ جس کی آپ تبلیغ کر رہے تھے آپ کو کس سمت لے جائے گا۔
- مشن کے آغاز کے وقت آپ کو اپنے رول کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔
- اُس وقت آپ کوئی نجات دہندہ یا مسیح نہیں تھے۔
- آپ کا مشن آفاقی نوعیت کا نہیں تھا۔
- ابتداء میں تو آپ کو صرف قریش کے علاوہ دیگر عربوں کو تبلیغ کا خیال نہیں آیا۔
- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ آپ صرف قریش کیلئے نذیر بنا کر مبعوث ہوئے ہیں۔

اس کے حق میں کیرن صاحبہ نے دلیل کوئی نہیں دی اور دعویٰ بلا دلیل باطل ہوتا ہے۔

احبابِ من! پیغمبر اسلام پر یہ الزام کہ آپ نے کبھی یہ تصور نہیں کیا یہ راستہ آپ کو کہاں لے جائے گا (آپ کوئی نجات دہندہ نہیں تھے) ایک صریح بہتان اور حقائق کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

سچائی اور روشنی کی تلاش میں سرگرداں مسافرو!

یہ الزام اتنا بھونڈا ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے کہ مستشرقین یوں بھی حقائق کو جھٹلا سکتے ہیں۔ آفتاب عالم عین نصف النہار پر اپنی کرنوں کو پھیلا رہا ہو اور یہ عصبیت زدہ محققین یہ پوچھ رہے ہیں کہ اس آفتاب عالم کے روشن ہونے کی دلیل کیا ہے؟

سرپرستانِ علم وادب!

مستقبل میں کس طرح کے حالات پیش آئیں گے؟

آنے والا کل کیسا ہوگا؟

عروج وزوال کی بساط میں کل عروج کس کو نصیب ہوگا اور زوال کس کا مقدر ہوگا؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس وقت جب مکہ کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ کی جارہی تھی۔ جب اسلام ہر سمت سے مخالفین کی آندھیوں اور الحاد کے طوفانوں میں گھرا ہوا تھا کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ عنقریب یہ اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔

لائق وفائق رفیقو!

اسلام کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ کرلو اس مذہب کے بارے میں کوئی عروج کی پیشن گوئی اس وقت کر سکتا تھا جب یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ چراغ اسلام اب بجھا جاتا ہے کہ تب۔

قارئین عالی مناصب!

کیا اُس وقت جب گنتی کے مسلمان ایمان لائے تھے کیا اسلام کے عروج کی پیشن گوئی کی جاسکتی تھی۔

جی نہیں۔

مگر پیغمبر اسلام کی نگاہِ علم غیب اس کو دیکھ رہی تھی۔ اسلامی کتب ان حوالوں سے بھری پڑی ہیں، قربِ قیامت کی نشانیاں، مستقبل کی پیشن گوئیاں، ہم یہاں صرف چند ایک واقعات بیان کرتے ہیں۔

سراقہ اور کسریٰ کے کنگن

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی تو قریشِ مکہ نے یہ اعلان کیا کہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق کو قتل یا گرفتار کر کے لائے گا اُسے سو اونٹ بطور انعام دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن مالک نے بھی انعام کے لالچ میں یہ کوشش کی لیکن جیسے ہی وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب پہنچا۔ سنگلاخ زمین میں اُس کے گھوڑے کی ٹانگیں گھٹنوں تک دھنس گئیں۔ اُس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشارے پر زمین نے اس کے گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دیئے اور سراقہ بن مالک واپس لوٹ گئے اور کچھ عرصہ کے بعد اسلام قبول کر لیا۔

علامہ ابن اثیر الکامل التاریخ میں لکھتے ہیں، جب سراقہ نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا اے سراقہ! اس وقت تمہاری کیا شان ہو گی جب کسریٰ کے کنگن تمہیں پہنائے جائیں گے؟ اُس نے سراپا حیرت ہو کر عرض کی کسریٰ ابنِ ہرمز کے کنگن حضور نے فرمایا: ہاں! (الکامل التاریخ از علامہ ابن اثیر بحوالہ ضیاء النبی ج ۳ ص ۹۴)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پیغمبر اسلام کی پیشن گوئی کے مطابق جب کسریٰ کے کنگن مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے تو حضرت عمر نے یہ کنگن حضرت سراقہ کو پہنائے۔ علامہ عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی شرح سیرت ابن ہشام الروض الانف میں لکھتے ہیں:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب کچھ حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لئے پہنایا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس وقت بشارت دی تھی جب انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عن قریب ایران کے شہر فتح ہو جائیں گے اور کسریٰ کا ملک مسلمانوں کے زیر نگین ہو گا لیکن حضرت سراقہ نے دل میں اسے ناممکن سمجھا اور کہا کیا وہ کسریٰ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا عن قریب اس کے زیورات اسے پہنائے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ اسلئے فرمایا تھا تا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر کی تحقیق ہو جائے۔ حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ ایک بدو تھے لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسلام کے ساتھ اعزاز بخشتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمتِ مرحومہ پر فضل و کرم کا ابر رحمت برساتا ہے۔ (الروض الانف جلد دوم صفحہ ۴۵۴)

کیا فرمائیں گی مس کیرن آرمسٹرانگ پیغمبر اسلام تو اپنے غلاموں کو کسریٰ کے کنگن پہننے کی پیشن گوئی فرما رہے ہیں جو پوری بھی ہوئی۔

مسلمانوں کا سیاسی غلبہ اور قرآن کریم کی پیشن گوئی

کیرن صاحبہ کا یہ الزام کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آئندہ مستقبل کے حوالے سے کچھ معلوم نہیں تھا ایک بہتان اور حقائق کو مسخ کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

قرآن کریم مسلمانوں کے سیاسی غلبے کی پیشن گوئی اُس وقت فرمارہا ہے جب وہ وطن چھوڑ چکے ہیں۔ مال و اسباب لٹ چکا ہے مگر پیغمبر اسلام کے دامن سے وابستہ ہیں مدینے میں یہود و منافقین اور دوسری جانب کفارِ مکہ کی دھمکیاں ایسے عالم میں قرآن کریم نے کیا پیشن گوئی فرمائی:۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا و من کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون (سورہ نور۔ آیت ۵۵)

وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو اُن سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کیلئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے۔ ان کیلئے وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالتِ خوف کو امن سے وہ میری عبادت کرتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں بناتے اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں مستقبل کے حوالے سے درج ذیل پیشن گوئیاں فرمائیں:۔

- زمین پر مسلمانوں کو خلافت دے گا۔
- دینِ اسلام کو استحکام عطا فرمائے گا۔
- مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

اور یہ سارے وعدے پورے ہوئے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے دیکھے خلفائے راشدین کی خلافت، دین اسلام کا روز افزوں ترقی کرنا اور وہ مسلمان جنہیں ایک طرف یہود و منافقین اور دوسری جانب کفارِ مکہ کا خوف تھا امن میں بدل دیا۔

جہاں جہاں مسلمانوں نے آج سے چودہ سو سال قبل فتوحات کے جھنڈے گاڑے وہاں آج تک پرچم اسلام لہرا رہے ہیں۔ کیا قیامِ امن کے وعدے کے ایفا کی اس سے بہتر صورت ممکن ہے جن اقوام کے ممالک کو مسلمانوں نے فتح کیا اُن قوموں نے دین اسلام کو قبول کیا۔ اس کے فاتح و مفتوح دونوں ہی آپس میں رحم دلی کی زندہ مثال بنے اور کلمہ حق کی سربلندی کیلئے سرگرم عمل ہو گئے۔

عزیزانِ گرامی! پیغمبر اسلام کی نگاہِ علم غیب وہاں بھی دیکھ رہی تھی جہاں آج کی دنیا پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ قربِ قیامت کی نشانیاں، فتنوں کا ظہور، مسلمانانِ عالم کی کسمپرسی اقوام عالم کا مسلمانوں کو بھنبوڑنے کیلئے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دینا جس طرح دستر خوان پر ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے۔ یہ پیشن گوئیاں آج سے چودہ سو سال قبل ہی فرمادی تھیں۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی کتاب 'البدایہ و النہایہ' کے آخری جلد میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ علامہ اسمٰعیل یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ نے معجزات سید المرسلین میں پیغمبر اسلام کی مستقبل کی خبروں پر کلام کیا ہے۔ تفصیل کیلئے اُسے ملاحظہ فرمائیے۔

کیرن صاحبہ پیغمبر اسلام کے اسلوب تبلیغ سے اپنے من پسند نتائج یوں اخذ کرتی ہیں:۔

In 612, at the start of his mission. Muhammad had a modest conception of his role. He was no saviour or messiah; he had no universal mission- at this date he did not even feel that he should preach to the other Arabs of the peninsula. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 91)

رسول اللہ نے ۶۱۲ عیسوی میں اپنے مشن کا آغاز کیا تو آپ کو اپنے رول کا صحیح اندازہ نہیں تھا اس وقت آپ کوئی نجات دہندہ یا مسیح نہیں تھے اور نہ ہی آپ کا مشن آفاقی نوعیت کا تھا۔ شروع شروع میں تو آپ کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ آپ کو جزیرہ نما کے دوسرے عربوں میں تبلیغ کرنی چاہئے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۲۶)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

When he began he simply believed that he had been sent to warn the Quraysh of the dangers of the course. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 91)

جب آپ نے تبلیغ کا مشن شروع کیا تو اس وقت آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو یقین تھا کہ آپ صرف قریش کو اس پر خطر راستے سے ڈرانے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۲۷)

اپنی ایک اور کتاب **Muhammad Prophet For our Time** میں لکھتی ہیں:۔

Muhammad's horizons were beginning to expand. He had been certain that he had been send simply as a 'Warner' to his own tribe and that `Islam was only for the people of Mecca. But now he was beginning to look further afield to the people of the Book, who had received earlier revelations. Despite confidence that this gave him, he was now desperte. **(Muhammad a Biography of the Prophet Page 92, 93)**

حضرت محمد کے فکری اُفق وسعت اختیار کرنے لگے۔ آپ کو یقین تھا کہ محض اپنے قبیلے کیلئے نذیر (خبر دار کرنے والا) بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہ کہ آپ صرف اہلِ مکّہ کیلئے پیغمبر ہیں لیکن اب آپ اہل الکتاب کی طرف بھی دیکھنے لگے جو سابقہ الہامی کتابوں کو مانتے تھے اس خیال سے ملنے والے اعتماد کے باوجود آپ بے چین رہے۔ (پیغمبر امن صفحہ ۲۶)

ہمیں کیرن صاحبہ کے اس بیان پر کوئی حیرت نہیں کیونکہ بازاروں میں عقل کے خریدار اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں کیرن صاحبہ یہاں یہ بتانا چاہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس مستقبل کے حوالے سے کوئی وِژن نہیں تھا اور نہ ہی کوئی مربوط پلاننگ تھی ابتدا میں آپ نے اپنے خاندان کو ڈرایا پھر دوسرے عربوں کی جانب دیکھنے لگے اور پھر یہود و نصاریٰ کی جانب بھی آپ کی نگاہیں اُٹھنے لگیں۔ بس آپ حالات کو دیکھتے رہے اور حالات کی مناسبت سے نمٹتے رہے جیسا کہ ایک اور جگہ لکھتی ہیں:۔

ہجرت کے وقت نبی کریم کے پاس کوئی قطعی خاکہ اور وِژن نہیں تھا اور نہ ہی آپ نے ایسی کوئی مربوط پالیسی وضع کی تھی جس کے ذریعے آپ اپنے نصب العین کو حاصل کر لیتے۔ آنحضرت نے کبھی کوئی لمبے چوڑے منصوبے نہ بنائے بلکہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو حالات کی مناسبت سے آپ اس سے نمٹ لیتے۔ آپ بتدریج ایک نامعلوم اور انجان منزل کی طرف بڑھ رہے تھے جس کی اس سے پہلے کوئی نظیر موجود نہیں تھی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۲۲۵)

ایسا کیوں تھا۔۔۔؟

کیرن آر مسٹر انگ کے عقیدے اور نظریئے کے مطابق پیغمبر اسلام نبی نہیں تھے بلکہ موقع و محل کو دیکھتے ہوئے آپ نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا اور قرآن نامی کتاب لکھ ڈالی جب وحی کا آپ پر نزول ہوا تو آپ نہیں جانتے تھے کہ یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور آپ کو اپنے نبی ہونے کا بھی یقین نہیں تھا جیسا کہ لکھتی ہیں:۔

He insisted, thinking that the angle had mistaken him for one of the disreputable kahins. **(Muhammad a Biography of the Prophet Page 83)**

آپ کا خیال تھا کہ یہ فرشتہ عرب کے کسی بدنام نجومی کاہن کے بجائے غلطی سے آپ کے پاس آگیا ہے۔ (ایضاً، ص ۱۱۵)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

The idea that he had, against his will, probably become a jinn-possessed kahin filled him with such despair, says the historian Tabari that he no longer wanted to go on living. Rushing from the cave, he began to climb to the summit of the mountain to fling himself to his death. But on the mountainside he had another vision of a being which, later, he identified with Gabriel.
(Muhammad a Biography of the Prophet Page 83)

آپ کو جب یہ خیال گزرا کہ آپ اپنی مرضی کے خلاف جن رکھنے والے کاہن بن گئے ہیں تو آپ اس قدر پریشان ہو گئے کہ آپ زندہ رہنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ نے غارِ حرا سے تیزی کے ساتھ نکل کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا شروع کر دیا تا کہ خود کو پہاڑ سے نیچے گرا کر زندگی کا خاتمہ کر دیں لیکن جب آپ پہاڑ کے درمیان میں تھے تو وہی فرشتہ دوبارہ نظر آیا اور آپ پہچان گئے کہ یہ جبرئیل ہیں۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۱۶)

تخیلات کی تاریکی میں اضافہ کرتے ہوئے مزید آگے لکھتی ہیں:۔

Crawling on his hands and knees, the whole upper part of his body shaking convulsively, Muhammad flung himself into her lap. 'Cover me !Cover me!' he cried, begging her to shy him from this terrifving persence .Despite his contempt for the kahin, who always covered themselves with a cloak when delivering an oracle, Muhammad had instinctively adopted the same posture .
(Muhammad a Biography of the Prophet Page 84)

رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتے ہوئے اس حال میں جناب خدیجہ کے پاس پہنچے کہ آپ پر کپکپی طاری تھی آپ نے خود کو حضرت خدیجہ کی آغوش میں گرا دیا اور زور سے کہا مجھے ڈھانپ دو! مجھے ڈھانپ دو! حضور نے خدیجہ سے کہا کہ وہ آپ کو خوف اور ڈر کی کیفیت سے نجات دلائیں، کاہنوں سے نفرت کے باوجود جو استخارے اور فال نکالنے کے وقت لبادہ اوڑھ لیتے تھے۔ آنحضرت نے جبلی طور پر یہی انداز اختیار کیا۔ (ایضاً، صفحہ ۱۱۷)

تخیل کے بازار میں اپنی ناقص عقل کو یوں نیلام کرتی ہیں:۔

When the fear receded on that first occasion, Muhammad asked her if he had become a kahin; it was the only from of inspiration that was familiar to him and despite its towering holiness it also seemed disturbingly similar to the experience of the jinn-possessed people of Arabia. Thus Hussan ibn Thabit, the poet of yathrib who latter become a Muslim, says that when he received his poetic vocation, his jinni, had appeared to him, thrown him to the ground and forced the inspired words his mouth. Muhammad had little respect for the jinn ,who could be capricious and make mistakes. If this was how al-Llah had rewarded him for his devotion, he did not want to live throughout his life, Qu'ran shows how sensitive Muhammad was to any suggestion that might simply be majnun ,possessed by a jinni, and carefully distinguishes.
(Muhammad a Biography of the Prophet Page 84, 85)

جب خوف اور ڈر ختم ہوا تو حضور نے حضرت خدیجہ سے پوچھا کہ آیا وہ کاہن بن گئے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ وجدان اور الہام کی صرف اسی صورت سے واقف تھے اور تقدس کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود وحی کا مشاہدہ جن رکھنے والے عربوں سے گہری مماثلت رکھتا تھا۔ چنانچہ یثرب کے شاعر حسن ابن ثابت نے جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے کہا ہے کہ جب ان پر شعر گوئی کی کیفیت طاری ہوتی تو ان کا جن ظاہر ہو کر انہیں زمین پر گرا دیتا اور الہامی الفاظ ان کے منہ سے کہلواتا۔ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے نزدیک جن کی کوئی توقیر نہیں تھی جو وسوسے ڈالتا اور غلطیوں کا ارتکاب کر سکتا تھا اللہ نے حضور کو زہد اور ریاضت کا صلہ دیا تھا لیکن آپ زندہ نہیں رہنا چاہتے تھے قرآنِ حکیم کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ پوری زندگی میں جب کوئی شخص آپ کو جن رکھنے والا مجنوں کہتا تو آپ ہمیشہ شدید ردِ عمل ظاہر کرتے تھے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۱۱۸)

گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کا یقین نہیں تھا۔ جبھی آپ کے مشن میں وژن اور مربوط پلاننگ نظر نہیں آتی۔

جھوٹے اور بدگمان تخیلات۔۔۔ سینوں میں جلتی بغض وحسد کی آگ۔۔۔ کیرن آرمسٹرانگ کے قلم کو جارحیت پر اُکساتی رہی۔ اُن کے ان جھوٹے بدگمان تخیلات کا جواب ہم اپنی کتاب 'استشراقی فریب' میں دے چکے ہیں۔

یہاں ہم پیغمبر اسلام کی مربوط پلاننگ اور اسلوب تبلیغ، منہاج دعوت پر بات کریں گے۔

کیرن صاحبہ کا یہ اعتراض کہ آپ کو اپنی نبوت پر یقین نہیں تھا اس سبب سے آپ کے پاس کوئی وِژن نہیں تھا۔ ابتدا میں آپ نے صرف قریش کو دعوت دی اور آپ سمجھتے رہے کہ آپ صرف قریش کیلئے مبعوث ہوئے پھر آپ نے دیگر عربوں کو اپنے اس خدائی پلان میں شامل کرنے کا سوچا اور پھر آپ کی وسعت اور بڑھی اور آپ نے یہود و نصاریٰ کو بھی اس دین میں شامل کرنا چاہا۔

غالباً کہنا یہ چاہتی ہیں کہ اگر آپ نبی ہوتے تو ایک ساتھ سب کو دعوتِ اسلام دے دیتے۔

مس کیرن آرمسٹرانگ! غارِ حرا میں حکم ربی کو پالینے کے بعد یہی مقصد پیش نظر تھا کہ حکم خداوندی کی تعمیل اور دعوتِ تبلیغ کا جلد از جلد آغاز کیا جائے۔

مگر کیسے؟

کیا حکمت عملی اختیار کی جائے؟

کیا اسلوب دعوت ہونی چاہئے؟

کیا منہاجِ تبلیغ ہونا چاہئے؟

کیا یہ دعوت سب لوگوں کے سامنے رکھ دی جائے؟

کیا وہ لوگ جو مادّیت کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں ابتدائی زمانۂ تبلیغ میں یہ لکیر کے فقیر اس دعوتِ حق کو قبول کرلینگے؟

کیا شراب و شباب سے دل بہلانے والے ابتدائی زمانۂ تبلیغ میں اسلام کی دل نشیں دعوت سے مسرور ہو سکتے تھے؟

کیا اپنے ہاتھوں تراشے ہوئے صنم کے سامنے اپنی جبین جھکانے والے مستانۂ توحید کے عَلم بردار بن سکتے تھے؟

انسانیت کو اپنے پنجۂ خونیں سے بھنبوڑنے والے انسان کیا ایک فلاحی معاشرہ قائم کرسکتے تھے؟

کیا اُن لوگوں کے سامنے دعوتِ اسلام ایک دم رکھ دینی چاہئے تھے؟

حکمتِ عملی کا تقاضا کیا ہونا چاہئے تھا؟

کیرن صاحبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حکمت عملی اور منہاجِ تبلیغ سے جانتے بوجھتے انجان بن رہی ہیں اور اپنے اس ناجائز تاثر کو اُبھارنے کی کوشش کر رہی ہیں کہ آپ صرف عرب کیلئے مبعوث ہوئے اور بعد میں اپنے دین میں لوگوں کو جمع کرنے کیلئے یہودیت و عیسائیت کو بھی شامل کرنے لگے۔

دعوتِ اسلامیہ کا پہلا دور

پیغمبر اسلام نے دعوتِ اسلام کیلئے سب سے پہلے ان لوگوں کو چنا جنہوں نے آپ کے شب و روز کو قریب سے دیکھا تھا۔ جو آپ کی جلوتوں اور خلوتوں کے امین تھے۔ جن کے سامنے کردار و سیرت کی تابندگی عیاں تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی من موہنی زندگی کا لمحہ لمحہ اُن کے سامنے تھا۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ جو آپ کی زوجہ تھیں کو دعوتِ اسلام دی۔ بیوی پر شوہر کے تمام راز عیاں ہوتے ہیں۔ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا اور خاتونِ اوّل کی حیثیت سے اسلام کے دامن میں آ گئیں۔

کسی بھی انسان کا دوسرا محرمِ راز اُس کا قریب ترین دوست ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئی۔

بچوں میں حضرت علی اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ نے اسلام قبول کیا پھر یہ ان تمام حضرات کی کوششوں سے کارواں بڑھتا چلا گیا اور پیغمبر اسلام کی زیر نگرانی تربیت پانے والے صدق و صفا کی منزلیں طے کرنے لگے۔

ذرا چشمِ تصور سے دیکھئے! اگر دعوتِ اسلام یک دم ہی سب کو دے دی جاتی تو کیا صورت حال سامنے آتی؟

کیا وہ لوگ جو فتنوں کے رسیا اور فسادات کے جویا تھے اس دعوتِ اسلام سے اُن کے مفادات کو لازمی ٹھیس پہنچتی؟ کیا وہ اپنے سوختہ مفادات پر پڑنے والی ضرب کو ٹھنڈے پیٹوں ہضم کر لیتے؟ بتوں کی چاکری کرنے والے اور مال و دولت کو بتوں کے نام بھینٹ چڑھانے والے پنڈت اس دعوت کو اپنے پیٹ کا دشمن خیال نہیں کرتے؟

اگر دعوتِ اسلام سب کو دی جاتی تو وہ کیا کرتے؟

کیا وہ اسلام کی اس کونپل کو کھلنے سے پہلے ہی مسل نہ ڈالتے؟

اس سے قبل کہ اسلام تناور درخت بنتا وہ اس شجرِ اسلام کو اُکھاڑ نہیں پھینکتے؟

اے شمعِ حق کے پروانو!

دعوتِ اسلام کا یہ طریقہ تین سال تک جاری رہا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعوتِ اسلام کو اپنی حکمتِ عملی سے آگے بڑھاتے رہے جب السابقون الاولون کی ایک جماعت تیار ہو گئی اور پھر دنیا نے دیکھا کہ جب کفر و شرک کی آندھیوں نے ان کے پائے استقامت کو منہدم کرنا چاہا تو ان میں لغزش بھی پیدا نہ کر سکے۔

دعوتِ اسلامیہ کا دوسرا دور

بعثت کے بعد تین سال کا عرصہ خاموشی سے تبلیغ کرنے میں گزرا۔ اس کے بعد حکم ہوا۔

و انذر عشیرتک الا قربین (سورہ الشعراء۔ آیت ۲۱۴)

اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔

اپنے ربّ کے حکم کی تعمیل کیلئے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوہِ صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے اعلان کیا یاصباحاہ! میری فریاد سنو! میری فریاد سنو! لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ بلانے والا کون ہے؟ یہ اعلان کرنے والی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی، خدا کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ لہٰذا اس اعلان پر لوگ لبیک کہتے ہوئے جمع ہوگئے اور جو خود نہیں پہنچ سکا اُس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تاکہ صورت حال کے بارے میں جان سکے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

جب آیت اور اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ (سورہ الشعراء۔ آیت ۲۱۴) نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوہِ صفا پر چڑھے اور آپ نے آواز دی اے بنی فہر، اے بنی عدی، قریش کی شاخو! یہاں تک کہ تمام لوگ جمع ہوگئے اور جو نہ جاسکا اُس نے اپنا نمائندہ بھیجا تاکہ آکر بتائے کہ بات کیا ہے۔ ابولہب بھی آیا اور سارے قریش آئے۔ آپ نے فرمایا ذرا یہ تو بتائیے اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ وادی کے اس طرف ایک لشکر جرّار ہے جو آپ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا آپ مجھے سچا جانیں گے؟ سب نے کہا ہاں کیونکہ ہم نے آپ سے ہمیشہ سچ بولنا ہی سنا ہے۔ فرمایا تو میں آپ لوگوں کو قیامت کے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو سب کے سامنے ہے۔ پس ابولہب نے کہا ہلاک ہوئے، کیا ہمیں اسی لئے جمع کیا ہے؟ پس یہ سورت نازل ہوئی: تباہ ہوجائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہوگیا اُسے کچھ کام نہ آیا اُس کا مال اور نہ وہ جو کمایا۔ اب دھنستا ہے لپٹ مارتی آگ میں وہ اور اس کی جورو۔۔۔۔(سورہ لہب)

(صحیح بخاری شریف مترجم کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۹۰۶ مترجم عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۹۹۱ء)

دعوتِ اسلامیہ کا تیسرا دور

قریبی رشتے داروں کوڈرانے کے بعد حکم ہوا:

فاصدع بما تومرواعرض عن المشرکین (سورہ حجر۔آیت ۹۴)

اے میرے حبیب! حق کوکھول کربیان کیجئےاور مشرکین کی طرف سے منہ پھیر لیجئے۔

یہ تھادعوتِ اسلامیہ کاتیسرا دور جس میں دعوتِ اسلام کادائرہ رشتے داروں سے بڑھاکر سب انسانوں تک بڑھادیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی عطاکردہ اس مربوط پلاننگ، اس خوب صورت وِژن کے بارے میں کیرن صاحبہ لکھتی ہیں کہ آپ کے پاس کوئی پلاننگ نہیں تھی۔

ہم یہاں کیرن آرمسٹرانگ سے چندسوالات کرنے میں حق بجانب ہیں:۔

- ایک ایسی شخصیت جوآپ کی نظر میں پیغمبر نہ ہو۔اس کے پاس مستقبل کی کوئی پلاننگ بھی نہ ہوکوئی وِژن بھی نہ رکھتاہو کیااُس کی دعوت اُس کے وصال کے بعد بھی اسی تیزی سے پھیلتی رہی؟
- کیا کیرن صاحبہ کسی ایسی شخصیت کو جانتی ہیں جس نے بنی نوع انسان کوایسے قواعد و نظریات، قوانین دیئے جن کااسلوب اور افادیت بائبل سے کئی درجہ بہتر ہے۔
- کیا کیرن صاحبہ کسی ایسی شخصیت کے بارے میں اس دنیاکوبتاسکتی ہیں جس نے چودہ سوسال قبل وہ قوانین دیئے جن کی افادیت سے آج کی جدید دنیا بھی اُن کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتی۔
- کیا ایسی شخصیت جوحالات کو دیکھ کر فیصلہ کرتی ہوچودہ سوسال کے بعد بھی اس کے بنائے ہوئے قوانین اس کے عطاکردہ فیصلے فطرت انسانی کے عین مطابق ہوسکتے ہیں۔

اگر کیرن صاحبہ کسی بھی ایسی شخصیت کو نہیں جانتی اور یقیناً نہیں جانتی تو پھر وہ کیونکر کہہ سکتی ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کوئی وِژن اور مربوط پالیسی نہیں تھی؟

یقیناً یہ تمام باتیں کیرن آرمسٹرانگ کے ذہن میں آئی ہوں گی اسی لئے نادانستہ طور پران کا قلم اپنے ہی قول کی یوں تردید کرتا ہے، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نخلستان میں خدائی پلان کے مطابق معاشرہ تشکیل دینے میں مصروف تھے۔(پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۲۲۷)

یعنی کوئی پلان موجود تھا۔

آج جب دنیا ایک گلوبل ولیج میں تبدیل ہو چکی ہے۔ مغرب میں ہونے والے حادثے اور مشرق میں پھوٹنے والی شفق پل بھر میں ٹی وی کی اسکرین پر آکر حقیقتِ حال بیان کرنے لگتی ہے۔

آج کے اس دورِ جدید میں جب 9/11 کی صبح اپنے دامن میں آگ وخون کی وہ شفق لے کر طلوع ہوئی جس کی لالی آج بھی آنکھوں کو آنسوؤں، دِلوں کو دُکھوں اور بنی نوع انسان کو صدمات سے گھائل کر رہی ہے۔

9/11 آٹھ برس کی وہ تاریخ جب 2752 انسان، آگ میں جل کر بھسم ہو گئے ہر سال اُن مظلوم انسانوں کیلئے ہر جگہ اجتماعات، ٹاک شو، ڈاکومینٹریز، تقریریں، منظوم کلام، ورثاء، پھول، گجرے، گل دستے، شمعیں، موم بتیاں، گیت، نغمے، آنسو، آہیں، سسکیاں ہیں اور بش سے لے کر اوباما تک مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا عزم۔

اور آج ۱۱ ستمبر کو جب نیویارک میں آہوں، سسکیوں، موم بتیوں کی روشنیوں میں اُن مظلوموں کی یاد منائی جارہی ہے۔ اس سانحے کی آڑلے کر اہلِ صلیب نے مسلمانوں پر اپنے لشکروں کے پھاٹک کھول دیئے۔

اور عراق وافغانستان میں ان صلیبیوں کی آتشِ قہر کا نشانہ بننے والے لاکھوں انسانوں کیلئے نہ کوئی تقریب ہے اور نہ کوئی موم بتی، نہ کوئی آہ ہے نہ کوئی سسکی، دبی دبی سی آوازیں اور گھٹی گھٹی سی بس چند مظلوموں کی چیخیں سنائی دے رہی ہیں۔

ان کیلئے نہ کسی نے گلدستے رکھے اور نہ ہی کسی نے شمعیں روشن کیں، یہ خاک نشینوں کا لہو تھا جو رزقِ خاک ہو گیا۔

آخر 2752 افراد کے قتل کا بدلہ عراق وافغانستان کے لاکھوں مظلوم انسانوں سے کیوں لیا گیا۔

کیا اس لئے کہ ان کا تعلق گوری چمڑی والوں سے نہیں تھا؟

کیا اس لئے کہ ان کا رشتہ دیارِ حجاز سے جڑا تھا؟

کیا اس لئے کہ ان کے لبوں پر نبی آخر الزماں کا کلمہ تھا؟

اے تہذیب کے لبادوں میں مہذب درندو! جن مظلوم مسلمان عورتوں، بہنوں، بیٹیوں، بچوں، بھائیوں، باپوں کو تم نے اپنے آتشیں اسلحہ، میزائل، راکٹ، بارود اور فاسفورس سے بھسم کر ڈالا انہیں تو معلوم بھی نہیں تھا کہ 9/11 کیا ہے۔

جہاں اس صلیبی جنگ کے نائٹوں کی بمباری سے لاکھوں ہلاک اور لاکھوں عمر بھر معذور ہو بیٹھے ہوں جہاں ہر شام، شامِ غریباں اور ہر دن دامن میں بموں، میزائلوں کی سوغات لاتا ہو۔ جہاں روزانہ مرنے والوں کی تعداد سو سے کم نہ ہو اس دورِ جدید میں اہلِ صلیب کے ایک کیمپ سے فکری محاذ پر گولہ باری میں مصروف کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

Muhammad was no plaster saint. He lived in a violent and dangerous society and sometime adopted methods which those of us who have been fortunate enough to live in a safer world will find disturbing. **(Muhammad a Biography of the Prophet Page 51/52)**

آپ ایک متشدد اور خطرناک معاشرے میں رہتے تھے اور بعض اوقات آپ نے کئی ایسے ذرائع اختیار کئے جو آج کی قدرے محفوظ دنیا میں رہنے والے ہم جیسے خوش نصیبوں کیلئے تشویش کی باعث ہیں۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۷۵)

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ! آج کی اس قدرے محفوظ دنیا میں زندگی گذارنے والی شہزادی کیا آپ عراق و افغانستان میں ہونے والے حملوں اور لاکھوں مظلوم انسانوں کی ہلاکت کو اپنی خوش نصیبی سمجھتی ہیں؟

کیا اہلِ صلیب کے عراق و افغانستان پر حملے انصاف اور اخلاق کے تقاضوں کے مطابق ہیں؟

کیا کیرن صاحبہ بتائیے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں جب صدام حسین ایران کے خلاف امریکہ کا اتحادی تھا اس خوش نصیب دنیا کے گوری چمڑے والے خوش نصیب اس آمر کو سیاسی اور مالی امداد مہیا کر رہے تھے۔ یہ یقیناً آج کی محفوظ دنیا میں بسنے والی شہزادی کیلئے تشویش کا باعث نہیں۔

صدام حسین کی بدمزاجی کی بنیاد پر عراق کو کھنڈرات میں تبدیل کر دینا یقیناً کیرن صاحبہ کیلئے تشویش کا باعث نہیں۔

عراق کے کھیتوں اور میدانوں میں سینکڑوں ٹن تخفیف شدہ یورینیم برسا دینا آج کی قدرے محفوظ دنیا میں تشویش کا باعث نہیں۔

عراق کی فراہمی آب کے نظام کو درہم برہم کر دینا آج کی قدرے غیر محفوظ دنیا میں تشویش کی باعث نہیں۔

اہلِ صلیب کی اقتصادی پابندیوں کے سبب 5 لاکھ بچوں کی ہلاکت کچھ بھی تو تشویش کا سبب نہیں۔

صرف آج ہی کی بات نہیں کیرن صاحبہ! ۱۸۷۶ء اور ۱۸۹۲ء کے درمیانی عرصے میں برصغیر میں جو قحط پڑے لاکھوں افراد فاقہ زدگی کے باعث لقمۂ اجل بن گئے لیکن آپ کی برطانوی حکومت نے انگلستان کو غلے اور دیگر خام مال کی برآمد کا سلسلہ ترک نہیں کیا۔ تاریخی ریکارڈ اس قحط میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ سے دو کروڑ نوّے لاکھ کے درمیان بتاتا ہے لیکن آج کے خوش نصیبوں کیلئے یہ یقیناً تشویش کا باعث نہیں ہوگا۔

آج کی محفوظ دنیا کے بارے میں ہماری نہیں 'ارون دھتی رائے' کے یہ اقتباسات ملاحظہ کیجئے:-

Perhaps this belief in its own divinity also explains why the U.S. government has conferred upon itself the right and freedom to murder and exterminate people 'for their own good.'

When he announced the U.S. air strikes against Afghanistan, President Bush Jr. said' ,We're a peaceful nation.' He went on to say, 'This is the calling of the United States of America, the most free nation in the world, a nation built on fundamental values, that rejects hate, rejects violence, rejects murderers, rejects evil. And we will not tire'.

The U.S. Empire rests on a grisly foundation: the massacre of millions of indigenous people, the stealing of their lands, and following this, the kidnapping and enslavement of millions of black people from Africa to work that land. Thousands died on the seas while they were being shipped like caged cattle between continents. (www.countercurrents.org/us-roy240803.htm)

لوگوں کو (اُن کی بہتری کیلئے) قتل اور ملیامیٹ کر دینے کا جو حق اور آزادی اس نے خود حاصل کر رکھی ہے، شاید امریکی حکومت کا اپنی 'خداوندانہ صفات' پر یہی اعتقاد اس کی وضاحت کرتا ہے۔

افغانستان پر فضائی حملوں کا اعلان کرتے وقت صدر جارج بش جونیئر نے کہا تھا 'ہم ایک امن پسند قوم ہیں'۔ انہوں نے مزید کہا کہ 'یہ دنیا کی آزاد ترین قوم، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا فرض ہے۔ ایسی قوم جس کی بنیاد، بنیادی اقدار پر رکھی گئی ہے۔ وہ اقدار جو نفرت، تشدد، قاتلوں اور برائی کو مسترد کرتی ہیں۔ ہم تھکنے والے نہیں ہیں'۔

امریکی سلطنت ایک دہشت انگیز بنیاد پر کھڑی ہے اس کی بنیادوں میں لاکھوں مقامی باشندوں کا خونِ ناحق اور ان سے چھینی گئی زمینیں شامل ہیں۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی اس زمین پر کام کرنے کیلئے افریقا سے لاکھوں سیاہ فاموں کو اغوا کر کے غلام بنایا گیا۔ ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک، انسانوں کو بحری جہازوں پر اس طرح لاد کر لایا گیا، جس طرح مویشیوں کو پنجروں میں بند کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کئی سفر کی تکلیفیں برداشت نہ کر سکے اور دورانِ سفر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ (ایک عام آدمی کا تصورِ سلطنت، از ارون دھتی رائے مترجم شفیق الرحمٰن میاں صفحہ ۴۸،۴۷ وین گارڈ بکس اسلام آباد ۲۰۰۹ء)

آج کی قدرے محفوظ دنیا جہاں ہیروشیما کی داستانوں سے خون ٹپک رہا ہے ارون دھتی رائے لکھتی ہیں:۔

In the best-selling version of popular myth as history, U.S. 'goodness' peaked during World War II (aka America's War against Fascism). Lost in the din of trumpet sound and angel song is the fact that when fascism was in full stride in Europe, the U.S. government actually looked away. When Hitler was carrying out his genocidal pogrom against Jews, U.S. officials refused entry to Jewish refugees fleeing Germany. The United States entered the war only after the Japanese bombed Pearl Harbour .Drowned out by the noisy hosannas is its most barbaric act, in fact the single most savage act the world has ever witnessed: the dropping of the atomic bomb on civilian populations in Hiroshima and Nagasaki. The war was nearly over. The hundreds of thousands of Japanese people who were killed, the countless others who were crippled by cancers for generations to come, were not a threat to world peace. They were civilians. Just as the victims of the World Trade Center and Pentagon bombings were civilians. Just as the hundreds of thousands of people who died in Iraq because of the U.S.-led sanctions were civilians. The bombing of Hiroshima and Nagasaki was a cold, calculated experiment carried out to demonstrate America's power. At the time, President Truman described it as "the greatest thing in history .'

The Second World War, we're told, was a 'war for peace'. The atomic bomb was a 'weapon of peace'. We're invited to believe that nuclear deterrence prevented World War III. (That was before President George Bush Jr. came up with the 'pre-emptive strike doctrine'. Was there an outbreak of peace after the Second World War? Certainly there was (relative) peace in Europe and America - but does that count as world peace? Not unless savage ,proxy wars fought in lands where the coloured races live (chinks, niggers ,dinks, wogs, gooks) don't count as wars at all.

(www.countercurrents.org/us-roy240803.htm)

تاریخ کے جس دور میں امریکا کو بہت سراہا گیا، وہ دوسری جنگ عظیم (یعنی فسطائیت کے خلاف امریکا کی جنگ) کا دورانیہ تھا جب اس کی اچھائیاں عروج پر تھیں ان دنوں اس کی خوبیوں کے چرچے عام تھے لیکن حقیقت کیا تھی؟ فسطائیت جب یورپ میں پورے عروج پر تھی تو امریکی حکومت نے فی الحقیقت اس سے آنکھیں چرالی تھیں۔ جب ہٹلر یہودیوں کی نسل کشی میں مصروف تھا اور جب یہودی، جرمنی کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لے رہے تھے تو امریکی حکام نے انہیں پناہ گزینوں کے طور پر اپنے ہاں آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ امریکا جنگ میں اس وقت داخل ہوا جب جاپانیوں نے پرل ہاربر (Pearl Harbour) پر بمباری کی۔ وہ بھی اس طرح کہ دنیا اس کی بربریت پر حیران و ششدر رہ گئی۔ اُس نے ایک ایسا کام کر دکھایا جسے انسانی تاریخ میں ہمیشہ وحشیانہ اور قابل مذمت سمجھا جاتا رہے گا۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کی آبادی پر اس فرشتہ صفت اور مہربان ملک کے جوہری حملے کو تاریخ کبھی بھلا نہیں پائے گی۔ یہ بمباری تب کی گئی جب جنگ تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ ہزاروں لاکھوں جاپانی مارے گئے اور اس سے زیادہ تعداد اُن کی تھی جو معذور ہوئے اور جن کی کئی نسلیں کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو گئیں۔ وہ کسی دور میں کبھی امن کیلئے خطرہ نہیں بنے تھے وہ عام شہری تھے بالکل اسی طرح جس طرح ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پینٹاگون پر حملوں کے دوران مرنے والے عام شہری تھے اسی طرح عراق میں امریکی پابندیوں کے باعث موت کو گلے لگالینے والے لوگ عام شہری تھے۔ ناگاساکی اور ہیروشیما پر جوہری حملہ بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ یہ احساسات سے عاری مگر سوچا سمجھا تجربہ دراصل امریکا کی طرف سے اپنی طاقت کا مظاہرہ تھا۔ اس وقت کے امریکی صدر ٹرومین (Truman) نے اس جوہری حملے کو The greatest thing in history (تاریخ کا عظیم ترین کام) قرار دیا تھا۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ جنگ عظیم دوم ایک ایسی جنگ تھی جو 'امن' کی خاطر لڑی گئی۔ جوہری بم 'امن' کا ہتھیار تھا۔ ہمیں باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ نیوکلیئر ڈیٹرنس (Nuclear Deterrence) نے تیسری جنگ عظیم کو روک رکھا ہے (یہ نظریہ اس وقت بیان کیا جاتا تھا جب امریکی صدر جارج ڈبلیو بش جونیئر نے حملے کا انتظار کئے بغیر دشمن پر حملہ کر کے اسے ناکارہ بنا دینے کا خیال پیش نہیں کیا تھا) کیا دوسری جنگ عظیم کے بعد امن قائم ہوا؟ یقیناً (نسبتاً) امن ہوا لیکن صرف امریکا اور یورپ کی حد تک، لیکن کیا اسے عالمی سطح پر امن کا نام دیا جا سکتا ہے جب تک مختلف ممالک یا خطوں میں پروکسی وار (Proxy War) کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں رنگ دار نسل کے لوگ رہتے ہیں (چینی، سیاہ فام، سانولے غیر ملکی، جو گورے نہیں اور بدیسی ہیں) وہاں جنگوں کو جنگیں نہیں سمجھا جاتا۔ (ایک عام آدمی کا تصورِ سلطنت، از اروندھتی رائے مترجم شفیق الرحمٰن میاں صفحہ ۵۰ وین گاڈ بکس اسلام آباد ۲۰۰۹ء)

کیرن آرمسٹرانگ کی قدرے محفوظ دنیا کے بارے میں ارون دھتی رائے یوں تبصرہ کرتی ہیں:۔

اقوام متحدہ کے سفارتی اثر و رسوخ (اقتصادی پابندیاں اور ہتھیاروں کی معائنہ کاری) کے توسط سے اس امر کو یقینی بنانے کے بعد کہ عراق گھٹنے ٹیک چکا ہے، عراقی عوام بھوکی مر رہی ہے، تقریباً پانچ لاکھ عراقی بچے اپنی جانیں گنوا بیٹھے ہیں اس کا انفراسٹرکچر بری طرح تباہ ہو چکا ہے، 'یہ یقین کر لینے کے بعد کہ اس کے اکثر ہتھیار ضائع کئے جا چکے ہیں' ایک اور بزدلانہ قدم اٹھایا گیا جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی کہ اتحادیوں کے تیار کئے گئے بر سر جنگ ممالک کے مخلوط اتحاد جسے خوف زدہ یا خریدے جانے والے ملکوں کا مخلوط اتحاد کہنا زیادہ مناسب ہوگا، نے عراق پر حملے کیلئے فوج بھجوا دی۔ (ایضاً صفحہ ۹۳)

فرخ سہیل گوئندی لکھتے ہیں:۔

امریکہ نے عراق پر پہلی یلغار ۱۷ جنوری ۱۹۹۱ء میں کی۔ اس فوجی حملے سے پہلے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے Sanctions بھی لگادیں۔ اس فوجی یلغار سے پہلے مغرب کی کئی نام نہاد امن تحریکوں نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طرف سے مسلط کردہ جنگ کی مخالفت کرتے ہوئے نعرہ دیا کہ Sanctions Not War لیکن اگلے بارہ سالوں میں عراقی عوام نے Sanctions کی وجہ سے جو مصائب برداشت کئے اس نے ثابت کر دیا کہ Sanctions درحقیقت عسکری تباہ کاریوں سے بھی زیادہ ہلاکت انگیز ہیں۔ ان Economic Sanctions کے نتیجے میں ہلاک ہونے والے صرف بچوں کی تعداد ساڑھے پانچ لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ Sanctions ہیروشیما اور ناگاساکی کے ایٹمی حملوں سے زیادہ ہلاکت کا سبب بنیں۔ اسی لئے ان کو Sanctions as a weapon قرار دیا گیا۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ان Sanctions کی بنیاد پر عراق جیسے مالا مال ملک کو اندر سے کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ جس کی تفصیل بڑی لمبی ہے۔ اقتصادی اور معاشی طور پر جس ہلاکت انگیزی کا انتظام کیا گیا وہ اپنی نوعیت کا ایک نیا انتقام تھا۔ (عراق میں امریکی کے جنگی جرائم، صفحہ ۸۔ از رمزے کلارک مطبوعہ جمہوری پبلی کیشنز لاہور)

کیرن آرمسٹرانگ کی آج کی قدرے محفوظ دنیا کے بارے میں سارا فلونڈرس رقم طراز ہیں:۔

جنگ جہنم ہوتی ہے۔ محکمہ دفاع کے ترجمان پیٹ ولیمز نے یہ تبصرہ اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے کیا تھا کہ امریکی فوج نے آٹھ ہزار عراقی فوجیوں کو زندہ دفن کر دیا تھا۔ فوج کے بیانات کے مطابق وہ خندقوں میں موجود تھے اور مایوسی کے عالم میں ہتھیار ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے اور کسی بھی قسم کی مزاحمت کرنے سے قاصر تھے۔ پیٹرک سلوین نے ۱۲ ستمبر ۱۹۹۱ء کے 'نیویارک نیوز ڈے' میں یہ انکشاف کیا ہے۔ امریکی فوج کا یہ اقدام بھی جنگ کے

حوالے سے بین الاقوامی قوانین کی ایک اور خلاف ورزی تھی۔ اس اجتماعی قبر سے ایک اور قانون کی خلاف ورزی ہوئی ہے جس کے مطابق کمانڈنگ افسر کو ہلاک ہونے والے دشمن فوجیوں کی گنتی کرنے کی کوشش کرنا ہوتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ پینٹاگون نے ریڈ کراس کو اس اجتماعی قبر کا محل وقوع بتانے سے بھی انکار کر دیا۔ (ایضاً صفحہ ۲۲)

کیرن کی آج کی قدرے محفوظ دنیا کے بارے میں رمزے کلارک لکھتے ہیں:۔

جب دسمبر ۱۹۸۹ء میں امریکہ نے پانامہ پر حملہ کیا تو اس نے بھی اسی بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی تھی جس کی خلاف ورزی عراق نے کویت پر حملہ کر کے کی تھی۔ امریکی حملے میں ایک ہزار سے لے کر چار ہزار تک پانامیوں (Panamanians) کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔ امریکی حکومت آج بھی ان ہلاکتوں کو چھپا رہی ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۹)

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

امریکہ نے شہری حیات، تجارتی اور کاروباری علاقوں، اسکولوں، ہسپتالوں، مسجدوں، گرجا گھروں، پناہ گاہوں، رہائشی علاقوں، تاریخی مقامات، نجی گاڑیوں اور شہری حکومت کے دفاتر پر اراداتاً بمباری کی۔

سویلین تنصیبات کی تباہی کی وجہ سے تمام تر غیر فوجی آبادی حرارت، خوراک تیار کرنے کے ایندھن، ریفریجریشن، پینے کے قابل پانی، ٹی فون، ریڈیو اور ٹی وی چلانے کیلئے بجلی، پبلک ٹرانسپورٹ اور نجی گاڑیوں کیلئے ایندھن سے محروم ہوگئی ہے۔ اس تباہی کی وجہ سے خوراک کی رسد محدود، اسکول بند، بے روزگاری عام، معاشی سرگرمی انتہائی محدود اور ہسپتال اور طبی خدمات بند ہوگئی ہیں۔ مزید برآں ہر بڑے شہر کے رہائشی علاقوں اور بیش تر قصبوں اور بستیوں کو ہدف بنایا اور تباہ کر دیا گیا۔ بدوؤں کے الگ تھلگ نصب خیموں پر بھی امریکی جہازوں نے حملے کئے۔ لوگوں کو ہلاک اور زخمی ہونے کے علاوہ دس سے بیس ہزار تک مکان، اپارٹمنٹ اور دیگر رہائش گاہیں تباہ ہوگئیں۔ تجارتی مراکز کو نشانہ بنایا گیا اور ہزاروں دکانیں، دفاتر، ہوٹل اور ریسٹورنٹ تباہ کر دیئے گئے۔ لاتعداد مساجد، گرجا گھر، ہسپتال اور اسکول یا تو تباہ ہوگئے یا انہیں نقصان پہنچا۔ ہائی وے اور سڑکوں پر رواں یا گلیوں اور گیراجوں میں پارک کی گئیں ہزاروں غیر فوجی گاڑیوں کو نشانہ بنایا اور تباہ کر دیا گیا۔ ان میں بسیں، نجی وینیں اور منی بسیں، ٹرک، ٹریکٹر ٹریلر، لاریاں، ٹیکسیاں اور نجی کاریں شامل ہیں۔ اس بم باری کا مقصد پورے ملک کو دہشت زدہ کرنا، لوگوں کو قتل، املاک کو تباہ کرنا، نقل و حرکت کو روکنا، لوگوں کو بے حوصلہ اور حکومت کا تختہ اُلٹنے پر مجبور کرنا تھا۔

آگے امریکی دہشت گردی پریوں روشنی ڈالتے ہیں:۔

امریکہ نے پورے عراق پر اندھا دھند بمباری کی۔ امریکی ہوائی جہازوں نے شہروں، قصبوں، دیہاتوں اور ہائی ویز پر اندھا دھند بم باری کی۔ شہروں اور قصبوں میں عسکری اہداف کے علاوہ غیر فوجی تنصیبات پر بم گرائے گئے۔ دیہاتوں میں مسافروں، بستی والوں اور حد تو یہ ہے کہ بدوؤں پر بھی اندھا دھند حملے کئے گئے۔ ان حملوں کا مقصد جان ومال کو تباہ کرنا اور غیر فوجی آبادی کو دہشت زدہ کرنا تھا۔ ہائی ویز پر بسوں، ٹیکسیوں اور کاروں سمیت غیر فوجی گاڑیوں پر بم برسائے گئے تاکہ وہ خوراک، طبّی امداد، کھوئے ہوئے عزیزوں کی تلاش یا دوسرے مقاصد کیلئے ہائی ویز کو استعمال نہ کر سکیں۔ ان حملوں میں ہر صنف، ہر عمر، ہر مذہب اور ہر قومیت کے اور امیر و غریب افراد، سب نسلی گروہوں کے لوگوں اور حد تو یہ ہے کہ امریکیوں سمیت تمام تارکین وطن کا جانی نقصان ہوا۔ عراق میں غیر فوجی اور فوجی ہلاکتوں کے حوالے سے امریکہ کی دانستہ لاپروائی کا انکشاف جنرل کولن پاوٗل کے اخبارات کو ہوائی اور زمینی مہمات میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کے حوالے سے دیئے گئے درج ذیل بیان سے ہوا 'مجھے اعداد و شمار سے کوئی دلچسپی نہیں'۔ (ایضاً، صفحہ ۳۵،۳۴)

اس داستانِ ستم کو کہاں تک رقم کروں۔ کہاں سے وہ جگر لاؤں جو اِن اقتباسات کو پڑھ کر پارہ پارہ نہ ہو۔ کہاں سے وہ دل لاؤں جو صدمات سے گھائل نہ ہوں۔

کیرن آرمسٹرانگ اہلِ صلیب کے اقتدار ہی کو محفوظ سمجھتی ہیں اور اس کے علاوہ باقی دنیا ان کی نظر میں نہ دنیا ہے اور نہ ہی وہاں بسنے والے لوگ انسان ہیں۔

غالباً اسی تناظر میں ارون دھتی رائے اپنے مضمون **Instant-Mix Imperial Democracy, Buy One Get One Free** لکھتی ہیں:۔

Meanwhile, a small white minority that has been historically privileged by centuries of brutal exploitation is more secure than ever before. They continue to control the land, the farms, the factories, and the abundant natural resources of that country. For them the transition from apartheid to neo-liberalism barely disturbed the grass. It's apartheid with a clean conscience. And it goes by the name of Democracy. **(http://www.informationclearinghouse.info/article3441.htm)**

اس دوران تاریخی اعتبار سے وحشیانہ استحصال کے ذریعے، صدیوں سے مراعات یافتہ ایک چھوٹی سی سفید فام اقلیت اس خطۂ زمین پر پہلے سے زیادہ محفوظ رہی۔ ماضی کے مقابلے میں بے تحاشا قدرتی وسائل، زمین کھیت اور فیکٹریاں بدستور اسی اقلیت کے تصرف میں ہیں۔ ان پر نسلی عصبیت سے نئی ذہنی کشادگی تک سفر کا عبوری دورانیہ بالکل بھی اثر انداز نہیں ہوا۔ یہ اقلیت نسلی تعصب کی عَلَم بردار بھی ہے اور اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ بھی محسوس نہیں کرتی۔ (ایک عام آدمی کا تصورِ سلطنت، صفحہ ۱۲۴)

محفوظ برطانیہ، محفوظ امریکہ، ساری دنیا محفوظ ہے کا دل فریب نظریہ، رمزے کلارک' صدر بش کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے ۲۰ جنوری ۲۰۰۴ء کے اپنے سٹیٹ آف دی یونین پیغام میں جارحانہ جنگ جاری رکھنے کا اعلان دوبارہ کیا۔ انہوں نے کہا، آج رات ہم یہاں اکٹھے ہیں جبکہ سینکڑوں ہزاروں امریکی مرد و خواتین فوجی دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑنے کیلئے ساری دنیا میں متعین ہیں۔ وہ مجبوروں کو امید اور مظلوموں کو انصاف دے کر امریکہ کو زیادہ محفوظ بنا رہے ہیں۔ (عراق میں امریکہ کے جنگی جرائم صفحہ ۱۱)

ساری دنیا میں خون اور آگ کی ہولی کھیل کر اہلِ صلیب کو محفوظ بنانے کی یہ بات ہی شاید کیرن صاحبہ کے پیش نظر تھی۔

عزیزانِ ملت! اخلاقیات، پیار، محبت، انسان دوستی کسی سے بغض نہ کرو، حسد کی آگ میں مت جلو، مروت، لحاظ شرم وحیا، شرافت وانسانیت اخلاقیات کے معنی ہی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ صرف اخلاقیات کا ایک رخ ہے۔ یہ اخلاقی اقدار کا صرف ایک حصہ ہے۔ ایک پارٹ اور بھی ہے اخلاقیات کا، ایک حصہ اور بھی ہے، ایک جز اور بھی ہے اس اخلاقیات کا۔

اس اخلاقیات کا دوسرا جز کیا ہے؟ دوسرا رخ کیا ہے؟

اخلاقیات کا دوسرا جز عملی شکل میں سامنے آتا ہے۔

یہ چور کو قید کرتا ہے۔ قاتل کو پھانسی دیتا ہے۔ نیکی کی دعوت دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے۔ بدی کی اتنی ہی برائی کرتا ہے جتنی بھلائی کی تعریف کرتا ہے۔

زید کی اچھائی کے سبب اُس کی تعریف کرتا ہے تو بکر کو اس کی بداعمالی کے سبب برا بھی کہتا ہے۔

ظالم سے اس کے ظلم اور مجرم سے اس کے جرم کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس اخلاقیات کا پہلا حصہ اگر عاجزی کا تصور بناہوا ہے تو اہلِ دنیا کی نظر میں دوسرا حصہ تکبر و غرور کا پیکر۔

پہلے اگر عاجزوں کے جھکے ہوئے سروں کو اُٹھا کر سینے پر جگہ دیتا تھا تو اب سرکشوں کے سروں کو اپنی ٹھوکروں سے پامال کر رہا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ان دو متضاد حالتوں میں راہِ تطبیق کیا ہے۔ صرف معافی و درگزر کے اصول کو لیجئے تو دنیا میں نیکی وبدی کا تصور اُٹھا جاتا ہے اور اگر انتقام و پاداش کے راستے کو اپنائیے تو دنیا سے رحم و محبت ختم ہوئی جاتی ہے۔ سب کو اچھا کہا جائے تو پھر اچھوں کیلئے ہمارے پاس کیا بچتا ہے۔

اُمتِ مسلمہ کے نوجوانو! کیا اخلاقیات کے ان دونوں حصوں میں کوئی تضاد ہے۔ --- نہیں ہرگز نہیں۔

ایک چیز جو بعض حالتوں میں نیکی ہے تو بعض حالتوں میں بدی۔ یہی حال اس مسئلے کا بھی ہے۔ معافی، درگزر، محبت، نرمی، عاجزی انسان کیلئے سب سے بڑی نیکی ہے لیکن کن لوگوں کے سامنے؟ جو لوگ عاجزی وانکساری کے پیکر ہوں اُن کیلئے نہیں جو ظلم وستم کے رسیا اور فسق وفجور کے شیدائی ہیں۔ ایک مفلوک الحال مسکین پر رحم کیجئے تو یہ بڑی نیکی ہے اور یہی رحم اگر کسی ظالم پر کیجئے تو سب سے بڑی بدی ہے۔ گرے ہوئے لوگوں کو اُٹھائیے تاکہ یہ چل سکیں لیکن اگر سرکشوں کو ٹھوکر نہ لگائیے گا تو یہ گرے ہوؤں کو اور گرا دیں گے۔

قاتل کو قتل کرنا بدی تھا مگر قانون اور عدالت کا اس قاتل کو سزا کے طور پر قتل کرنا نیکی ہو گیا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نیکی کو اگر پسند کرو گے تو اس کی خاطر بدی کو برا کہنا پڑے گا۔

بائبل کا مفسر لکھتا ہے، خداوند کا دن اپنے ساتھ سزا اور رحم دونوں لایا ہے رحم خدا کی کلیسیا کیلئے اور سزا اس کے دشمنوں اور ستانے والوں کیلئے۔ (تفسیر الکتاب جلد دوم صفحہ ۱۳۲۶)

اخلاقیات کی روح کو سمجھنے میں مغرب کے مؤرخین جب تعصب و جہل کی تاریکی میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں اخلاقیات کا وہی مفہوم سمجھ آتا ہے یا وہ صرف وہی مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں جو اندھیارے محلات میں ملنے والی تربیت ہی کا خاصہ ہے اور اس اندھیرے و تاریکی کے سبب وہ کہنے لگتے ہیں کہ جب تک اسلام بے بسی اور محتاجی کی حالت میں تھا نرمی وعفو درگزر کی تعلیم سے زندگی کا سرمایہ ڈھونڈتا تھا لیکن مدینے میں آکر جب تلوار ہاتھ آگئی تو پھر حکومت اور طاقت کی حالت میں عاجزی ومسکنت کی ضرورت نہ تھی۔

اور یہ اہلِ ستم جہاد، جنگ اور دہشت گردوں کی تمیز کئے بغیر اسلام پر تشدد آمیزی کا الزام عائد کرنے لگتے ہیں۔ یہاں ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے تصورِ جہاد اور بائبل کے نظریۂ جنگ کا تحقیقی و تقابلی جائزہ لیا جائے۔

قرآن کا شعورِ جہاد اور بائبل کے تصورِ جنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بائبل میں ہمیں کہیں بھی جہاد سے متعلق کوئی مضمون نہیں ملتا۔اس ضمن میں صرف جنگ، تلوار اور قتال سے متعلق ہی مضامین نظر آتے ہیں جبکہ اسلام کا تصورِ جہاد انسانیت کی فلاح کیلئے اپنے دامن میں ایک وسیع دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔

جیسا کہ خود کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

This would involve fighting and bloodshed, but the root jhd implies more than a 'holy war'. It signifies a physical, moral ,spiritual and intellectual effort. There are plenty of Arabic words denoting armed combat, such as harb (war), sira'a (combat), ma'araka (battle) or qital) killing), which the Qu'ran could easily have used if war had been the Muslims 'principal way of engaging in this effort. Instead it chooses a vaguer, richer word with a wide range of connotations. The jihad is not one of the five pillars of Islam. It is not the central prop of the religion, despite the common western view. But it was and remains a duty for Muslims to commit themselves to a struggle on all fronts_ moral, spiritual and political_ to create a just and decent society, where the poor and vulnerable are not exploited, in the way that God had intended man to live. Fighting and warfare might sometime be necessary ,but, it was only a minor part of the whole jihad or struggle. A well- known tradition (hadith) has Muhammad say on returning from a battle, 'we return from the little jihad to the greater jihad, the more difficult and crucial effort to conquer the forces of evil in oneself and in one's own society in the details of daily life. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 168)

لفظِ جہاد کا مادّہ جہد یا مقدس جنگ سے کہیں زیادہ وسیع معنوں کا حامل ہے جس میں جسمانی، اخلاقی، روحانی اور علمی جدوجہد کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں مسلح جنگ کیلئے بے شمار الفاظ موجود ہیں جن میں حرب، سریہ، معرکہ اور قتال کے الفاظ شامل ہیں۔ اگر جنگ مسلمانوں کا مطمحِ نظر ہوتی تو قرآن حکیم ان لفظوں کو آسانی کے ساتھ استعمال کر سکتا تھا لیکن اس نے جہاد کے مبہم لیکن وسیع مفہوم رکھنے والے لفظ کا انتخاب کیا ہے۔ جہاد اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں شامل نہیں ہے اور مغرب کے عمومی نقطۂ نظر کے برعکس دینِ اسلام میں جہاد کو مرکزی ستون کا درجہ حاصل نہیں۔ البتہ تمام مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایک منصفانہ اور مہذب معاشرے کے قیام کیلئے جس میں غریبوں اور بے کسوں کا استحصال نہ ہو، جہاں لوگ خدا کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں اور اخلاقی، روحانی اور سیاسی تمام محاذوں پر جدوجہد جاری رکھیں۔ بعض اوقات لڑائی اور جنگ وجدل ناگزیر ہو جاتی ہے لیکن یہ پورے جہاد کا ایک مختصر حصہ ہے۔ ایک مشہور حدیث کے مطابق ایک غزوے سے واپسی پر رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے

جہادِ اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانی وجود اور معاشرے میں روزمرہ زندگی میں پائی جانے والی برائیوں کے خلاف جہاد کرنا ایک مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۲۲۸)

بائبل کا تصورِ جنگ

بائبل میں جہاں جہاں جنگ کا تذکرہ آیا ہے وہاں پر صرف تلوار اور قہر نازل ہوتا رہا۔ کہیں بھی ہمیں جنگ کے اُصول، جنگ کے قواعد و ضوابط، اخلاقیات کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ اسلام کے تصورِ جہاد کو تنقید کا نشانہ بنانے والے مستشرقین بائبل کی ان عبارات کو کیوں بھول جاتے ہیں جہاں جنگ اور تلوار کے بیانات موجود ہیں۔

کتابِ خروج میں جنگ کا تذکرہ

خروج کی کتاب میں ہے، خداوند تمہاری طرف سے جنگ کرے گا اور تم خاموش رہو گے۔ (خروج باب ۱۴ آیت ۱۴)

دشمنوں سے متعلق لکھا ہے، اور اُس نے ان کے رتھوں کے پہیوں کو نکال دیا سو اُن کا چلانا مشکل ہو گیا تب مصری کہنے لگے آؤ اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگیں کیونکہ خداوند ان کی طرف سے مصریوں کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ (خروج باب ۱۴ آیت ۲۵)

اللہ تعالیٰ کیلئے لکھا ہے، خداوند صاحب جنگ ہے یہوواہ اس کا نام ہے۔ (خروج باب ۱۵ آیت ۳)

جنگ کے بارے میں مزید لکھا ہے، اور اُس نے کہا خداوند کی قسم کھائی ہے سو خداوند عمالقیوں سے نسل در نسل جنگ کرتا رہے گا۔ (خروج باب ۱۷ آیت ۱۶)

کتاب احبار میں جنگ و تلوار کا تصور

کتاب احبار میں ہے، اور تم اپنے دشمنوں کا پیچھا کرو گے اور وہ تمہارے آگے آگے تلوار سے مارے جائیں گے اور تمہارے پانچ آدمی سو کو رگیدیں گے اور تمہارے سو آدمی دس ہزار کو کھدیڑ دیں گے اور تمہارے دشمن تلوار سے تمہارے آگے مارے جائیں گے۔ (باب ۲۶ آیت ۷،۸)

کتاب گنتی میں جنگ و تلوار کا تصور

کتاب گنتی میں ہے:۔

اور بسن کا بادشاہ عوج اپنے سارے لشکر کو لے کر نکلا تاکہ اور عی میں اُن سے جنگ کرے اور خداوند نے موسیٰ سے کہا اس سے مت ڈر کیونکہ میں نے اسے اور اس کے پورے لشکر کو اور اس کے ملک کو تیرے حوالہ کر دیا ہے، سو جیسا تو نے اموریوں کے بادشاہ سیحون کے ساتھ حسبون میں رہتا تھا، کیا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ بھی کرنا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو اور اس کے بیٹوں اور سب لوگوں کو یہاں تک مارا کہ اس کا کوئی باقی نہ رہا اور اس کے ملک کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ (گنتی باب ۲۱ آیت ۳۵،۳۴)

باب ۳۱ میں یوں درج ہے:۔

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا مدیانیوں سے بنی اسرائیل کا انتقام لے۔ اس کے بعد تو اپنے لوگوں میں جا ملے گا۔ تب موسیٰ نے لوگوں سے کہا اپنے میں سے جنگ کیلئے آدمیوں کو مسلح کرو تاکہ وہ مدیانیوں پر حملہ کریں اور مدیانیوں سے خداوند کا انتقام لیں اور اسرائیل کے سب قبیلوں میں سے فی قبیلہ ایک ہزار آدمی لے کر جنگ کیلئے بھیجنا۔ سو ہزاروں ہزار بنی اسرائیل میں سے فی قبیلہ ایک ہزار کے حساب سے بارہ ہزار مسلح آدمی جنگ کیلئے چنے گئے۔ یوں موسیٰ نے ہر قبیلے سے ایک ہزار آدمیوں کو جنگ کیلئے بھیجا اور الیعزر کاہن کے بیٹے فینحاس کو بھی جنگ پر روانہ کیا اور مقدس کے ظروف اور بلند آوازے کے نرسنگے اُس کے ساتھ کر دیئے اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اُس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مَردوں کو قتل کیا اور انہوں نے ان کے مقتولوں کے سوا عوی اور رقم اور صور اور حور اور ربع کو بھی جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور اُن کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا اور انہوں نے سارا مالِ غنیمت اور سب اسیر کیا انسان اور کیا حیوان ساتھ لئے۔ (گنتی باب ۳۱ آیت ۱۱تا۱)

کتاب استثناء میں جنگ و تلوار کا تصور

کتاب استثناء میں ہے:۔

خداوند تمہارا خدا جو تمہارے آگے آگے چلتا ہے وہی تمہاری طرف سے جنگ کرے گا جیسے اُس نے تمہاری خاطر مصر میں تمہاری آنکھوں کے سامنے سب کچھ کیا۔ (استثناء باب ۱ آیت ۳۰)

اسی کتاب میں مزید آگے درج ہے:۔

سو اُٹھو اور وادی ارنون کے پار جاؤ۔ دیکھو میں نے حسبون کے بادشاہ سیحون کو جو اموری ہے اُس کے ملک سمیت تمہارے ہاتھ میں کر دیا ہے سو اس پر قبضہ کرنا شروع کرو اور اس سے جنگ چھیڑ دو۔ میں آج ہی سے تیرا خوف اور رعب ان قوموں کے دل میں ڈالنا شروع کروں گا جو روئے زمین پر رہتی ہیں وہ تیری خبر سنے گی اور کانپے گی اور تیرے سبب سے بیتاب ہو جائیں گی۔ (استثناء باب ۲ آیت ۲۵،۲۴)

مزید آگے درج ہے:۔

خداوند ایسا ہی اس پار ان سب سلطنتوں کا حال کرے گا جہاں تو جا رہا ہے تم ان سے نہ ڈرنا کیونکہ خداوند تمہارا خدا تمہاری طرف سے آپ جنگ کر رہا ہے۔ (ایضاً باب ۳ آیت ۲۱،۲۲)

کتاب استثناء میں درج ہے کہ خدا جنگ کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جب تو اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کو جائے اور گھوڑوں اور رتھوں اور اپنے سے بڑی فوج کو دیکھے تو ان سے ڈر نہ جانا کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تجھ کو ملک مصر سے نکال لایا تیرے ساتھ ہے۔ (استثناء باب ۲۰ آیت ۱)

آگے درج ہے:۔

کیونکہ خداوند تمہارا خدا تمہارے ساتھ چلتا ہے تا کہ تم کو بچانے کو تمہاری طرف سے تمہارے دشمنوں سے جنگ کرے۔ (استثناء باب ۲۰ آیت ۴)

اسی کتاب کے باب ۳۲ میں یوں درج ہے:۔

اس لئے اگر میں اپنی جھلکتی تلوار کو تیز کروں

اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں لے لوں

تو اپنے مخالفوں سے انتقام لوں گا

اور اپنے کینہ رکھنے والوں کو بدلہ دوں گا

اور میں اپنے تیروں کو خون پلا پلا کر مست کر دوں گا

اور میری تلوار گوشت کھائے گی وہ خون مقتولوں اور اسیروں کا

اور وہ گوشت دشمن کے سرداروں کے سر کا ہو گا

اے قومو! اس کے لوگوں کے ساتھ خوشی مناؤ

کیونکہ وہ اپنے بندوں کے خون کا انتقام لے گا

اور اپنے مخالفوں کو بدلہ دے گا۔ (کتاب استثناء باب ۳۲ آیت ۴۰ تا ۴۳)

کتاب یشوع میں جنگ و تلوار کا تصور

اور بنی روبن اور بنی جد اور منسی کے آدھے قبیلہ کے لوگ موسیٰ سے کہنے کے مطابق ہتھیار باندھے ہوئے بنی اسرائیل کے آگے پار ہو گئے یعنی قریب چالیس ہزار آدمی لڑائی کیلئے تیار اور مسلح خداوند کے حضور پار ہو کر یریجو کے میدانوں کیلئے تیار اور مسلح خداوند کے حضور پار ہو کر یریجو کے میدانوں میں پہنچے تا کہ جنگ کریں۔ (یشوع باب ۴ آیت ۱۲ تا ۱۳)

مزید آگے لکھا ہے:۔

اور خداوند نے ان کو بنی اسرائیل کے سامنے شکست دی اور اس نے ان کو جبعون میں بڑی خوں ریزی کے ساتھ قتل کیا۔ (یشوع باب ۱۰ آیت ۱۰)

اسی کتاب کے باب ۸ میں تلوار و قتل کا تذکرہ یوں ہے:۔

اور جب اسرائیلی عی کے سب باشندوں کو میدان میں اس بیابان کے درمیان جہاں انہوں نے ان کا پیچھا کیا تھا قتل کر چکے اور وہ سب تلوار سے مارے گئے یہاں تک کہ بالکل فنا ہو گئے تو سب اسرائیلی عی کو پھرے اور اسے تہ تیغ کر دیا چنانچہ جو اس دن مارے گئے مرد اور عورت ملا کر بارہ ہزار عی کے سب لوگ تھے۔ (یشوع، باب ۸ آیت ۲۵، ۲۴)

مزید آگے درج ہے:۔

اور ان شہروں کے تمام مالِ غنیمت اور چوپایوں کو بنی اسرائیل نے اپنے واسطے لوٹ میں لے لیا لیکن ہر ایک آدمی کو تلوار کی دھار سے قتل کیا یہاں تک کہ ان کو نابود کر دیا اور ایک متنفس کو بھی باقی نہ چھوڑا جیسا خداوند نے اپنے بندے موسیٰ کو حکم دیا تھا ویسا ہی موسیٰ نے یشوع کو حکم دیا اور یشوع نے ویسا ہی کیا اور جو حکم خداوند نے موسیٰ کو دیا تھا ان میں سے کسی کو اس نے بغیر پورا کئے نہیں چھوڑا۔ سو یشوع نے اس سارے ملک کو یعنی کوہستانی ملک اور سارے جنوبی قطعہ اور جشن کے سارے ملک اور نشیب کی زمین اور اسرائیلیوں کے کوہستانی ملک اور اسی کے نشیب کی زمین کوہ خلق سے لے کر جو سیعر کی طرف جاتا ہے بعل جد تک جو وادی لبنان میں کوہ حرمون کے نیچے ہے سب کو لے لیا اور ان کے سب بادشاہوں پر فتح حاصل کر کے اس نے ان کو مارا اور قتل کیا اور یشوع مدت تک ان بادشاہوں سے لڑتا رہا سوا حویوں کے جو جبعون کے باشندے تھے اور کسی شہر نے بنی اسرائیل سے صلح نہیں کی بلکہ سب کو انہوں نے لڑ کر فتح کیا کیونکہ خداوند ہی کی طرف سے تھا کہ وہ ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دے کہ وہ جنگ میں اسرائیلیوں کا مقابلہ کریں تا کہ وہ ان کو بالکل ہلاک کر ڈالے اور ان پر کچھ مہربانی نہ ہو بلکہ وہ ان کو نیست و نابود کر دے جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا۔ (باب ۱، آیت ۱۴ تا ۲۰)

یشوع نے ان کو ان کے شہروں سمیت بالکل ہلاک کر دیا۔ (ایضاً آیت ۲۱)

پیٹر اسی عبارت کے تناظر میں اپنی عصبیت کو یوں آشکارا کرتا ہے:۔

Peter had written his own treatise, which addressed the Muslim world gently and with affection: I approach you, as men often do with arms but with words; not with force but with reason ,not in hatred but in love ____ I love you, loving you, I write to you, writing to you I invite you to salvation.' but the title of this treatise was summary of the Whole Heresy of the Diabolic sect of the Saracen. Few real Muslim, even if they were able to read the Abbot of Cluny's Latin text, find such an approach Sympathetic. Even the kindly Abbot, who demonstrated his opposition to the fanaticism of his time on other occasion, showed sings of the schizophrenic mentality of Europe vis-224-vis Islam. When King Louis VII of France led the second Crusade to the Middle East in 1147, peter wrote to him saying that he hoped he would kill as many Muslims as Moses (sic) and Joshua had killed Amorites and Canaanites. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 30/31)

پیٹر Peter نے ایک رسالہ لکھا جس میں محبت اور نرمی کے ساتھ عالمِ اسلام سے اس طرح خطاب کیا گیا: 'میں دوسرے لوگوں کے برعکس ہتھیاروں کے ذریعے نہیں، الفاظ کی وساطت سے اور طاقت کے بجائے منطق اور استدلال سے، نفرت کے بجائے محبت سے تمہارے قریب آتا ہوں۔۔۔ میں تم سے پیار کرتا ہوں اور محبت آمیز جذبات کے ساتھ تمہیں اس خط کے ذریعے کفارۂ مسیح کے عقیدے کی طرف دعوت دیتا ہوں'۔

اس رسالے کا عنوان تھا Summary of the whole Heresy of the Diabolic of the saracens جو مسلمان لاطینی زبان میں لکھے گئے اس رسالے کے متن کو پڑھ سکتے تھے، ان میں سے صرف چند لوگ ہی اس ہمدردانہ نقطۂ نظر سے متاثر ہوئے۔ لیکن اس ہمدرد راہب نے بھی جس نے کئی موقعوں پر اپنے عہد میں پائے جانے والے مذہبی جنون کی مخالفت کی تھی، اسلام کے متعلق یورپ کی متعصبانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا اور جب فرانس کے بادشاہ لوئیس ہفتم نے مشرقِ وسطیٰ میں ۱۱۴۷ء میں دوسری صلیبی جنگ کی قیادت کی تو اسی پیٹر نے بادشاہ کے نام ایک خط میں یہ اُمید ظاہر کی کہ وہ اتنے ہی مسلمانوں کو تہ تیغ کرے گا جس قدر حموراہیوں اور کنعانیوں کو موسیٰ اور یوشع نے قتل کیا تھا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۴۸)

کتاب قضاۃ میں جنگ کا تذکرہ

کتاب قضاۃ میں درج ہے، اور یشوع کی موت کے بعد یوں ہوا کہ بنی اسرائیل نے خداوند سے پوچھا کہ ہماری طرف سے کنعانیوں سے جنگ کرنے کو پہلے کون چڑھائی کرے گا؟ خداوند نے کہا کہ یہوداہ چڑھائی کرے گا اور دیکھو میں نے یہ ملک اس کے ہاتھ کر دیا ہے۔ (قضاۃ باب ا آیت ا،۲)

کتاب تواریخ میں جنگ کا تذکرہ

کتاب تواریخ میں جنگ کا تذکرہ یوں درج ہے، انہوں نے لڑائی میں خدا سے دعا کی اور اُن کی دعا قبول ہوئی اس لئے کہ انہوں نے اس پر بھروسہ رکھا اور وہ ان کی مواشی لے گئے۔ ان کے اونٹوں میں سے پچاس ہزار اور بھیڑ بکریوں میں سے ڈھائی لاکھ اور گدھوں میں سے دو ہزار اور آدمیوں میں سے ایک لاکھ کیونکہ بہت سے لوگ قتل ہوئے اس لئے کہ جنگ خدا کی تھی اور وہ اسیری کے وقت میں ان کی جگہ بسے رہے۔ (ا تواریخ باب ۵ آیت ۲۰ تا ۲۳)

مزید ۲ تواریخ میں لکھا ہے، تم سب سنو خداوند تم کو یوں فرماتا کہ تم اس بڑے انبوہ کی وجہ سے نہ تو ڈرو اور نہ گھبراؤ کیونکہ یہ جنگ تمہاری نہیں بلکہ خدا کی ہے۔ (۲ تواریخ باب ۲۰ آیت ۱۵)

کتاب زبور میں جنگ کا تذکرہ

زبور میں جنگ کے حوالے سے درج ہے:

وہ میرے ہاتھوں کو جنگ کرنا سکھاتا ہے

یہاں تک کہ میرے بازو پیتل کی کمان جھکا دیتے ہیں۔ (زبور باب ۱۸ آیت ۳۴)

یہ جلال کا بادشاہ کون ہے:

خداوند جو قوی و قادر ہے

خداوند جو جنگ میں زور آور ہے۔ (زبور باب ۲۴ آیت ۸)

کتاب یسیعاہ میں جنگ و تلوار کا تذکرہ

کتاب یسیعاہ میں جنگ کا تذکرہ یوں درج ہے، رب الافواج جنگ کیلئے لشکر جمع کرتا ہے۔ (یسیعاہ باب ۱۳ آیت ۴)

باب ۳۴ میں یوں درج ہے، کیونکہ میری تلوار آسمان میں مست ہو گئی ہے دیکھو وہ ادوم پر اور ان لوگوں پر جن کو میں نے ملعون کیا ہے سزا دینے کو نازل ہو گی خداوند کی تلوار خون آلودہ ہے۔ (یسیعاہ، باب ۳۴ آیت ۵)

باب ۶۵ میں یوں لکھا ہوا ہے:۔

لیکن تم جو خداوند کو ترک کرتے اور اس کے کوہ مقدس کو فراموش کرتے اور مشتری کیلئے دستر خوان چنتے اور زہرہ کیلئے شراب ممزوج کا جام پُر کرتے ہو۔ میں تم کو گن گن کر تلوار کے حوالہ کروں گا اور تم سب ذبح کیلئے خم ہو گے کیونکہ جب میں نے بلایا تو تم نے جواب نہ دیا۔ جب میں نے کلام کیا تو تم نے نہ سنا بلکہ تم نے وہی کیا جو میری نظر میں برا تھا اور وہ چیز پسند کی جس سے میں خوش نہ تھا۔ (باب ۶۵ آیت ۱۱،۱۲)

کتاب یسیعاہ ہی میں درج ہے، آگ سے اور اپنی تلوار سے خداوند تمام بنی آدم کا مقابلہ کرے گا اور خداوند کے مقتول بہت ہوں گے۔ (باب ۶۶، آیت ۱۶)

کتاب یرمیاہ میں جنگ اور تلوار کا تذکرہ

کتاب یرمیاہ میں جنگ و تلوار کا تذکرہ یوں موجود ہے:۔

بیابان کے سب پہاڑوں پر غارت گر آ گئے ہیں کیونکہ خداوند کی تلوار ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نکل جاتی ہے اور کسی بشر کی سلامتی نہیں۔ (یرمیاہ باب ۱۲ آیت ۲۱)

باب ۱۸ میں درج ہے:۔

اس لئے ان کے بچوں کو کال کے حوالہ کر اور ان کو تلوار کی دھار کے سپرد کر ان کی بیویاں بے اولاد اور بیوہ ہوں اور ان کے مرد مارے جائیں ان کے جوان میدانِ جنگ میں تلوار سے قتل ہوں۔ (یرمیاہ باب ۱۸ آیت ۲۱)

کتاب حزقی ایل میں جنگ و تلوار کا تذکرہ

حزقی ایل میں درج ہے، اور میں اس کے آس پاس کے سب حمایت کرنے والوں کو اور اس کے سب غولوں کو تمام اطراف میں پراگندہ کروں گا اور میں تلوار کھینچ کر اُن کا پیچھا کروں گا اور جب میں ان کو اقوام میں پراگندہ اور ممالک میں تتر بتر کروں گا تب وہ جانیں گے میں خداوند ہوں۔ (حزقی ایل باب ۱۲ آیت ۱۵،۱۴)

باب ۲۱ میں درج ہے:۔

پھر خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد یروشلم کا رخ کر اور مقدس مکانوں سے مخاطب ہو کر ملک اسرائیل کے خلاف نبوت کر اور اس سے کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں تیرا مخالف ہوں اور اپنی تلوار میان سے نکال لوں گا اور تیرے صادقوں اور تیرے شریروں کو تیرے درمیان سے کاٹ ڈالوں گا پس چونکہ میں تیرے درمیان سے صادقوں اور شریروں کو کاٹ ڈالوں گا اس لئے میری تلوار اپنی میان سے نکل کر جنوب سے شمال تک تمام بشر پر چلے گی اور سب جانیں گے کہ میں خداوند نے اپنی تلوار میان سے کھینچی ہے وہ پھر اس میں نہ جائے گی۔

(حزقی ایل باب ۲۱ آیت ۱ تا ۶)

کتاب عاموس میں جنگ و تلوار کا تذکرہ

اور خداوند نے مجھے فرمایا کہ اے عاموس تو کیا دیکھتا ہے؟ میں نے عرض کی کہ ساہول تب خداوند نے فرمایا دیکھ میں اپنی قوم اسرائیل میں ساہول کو لٹکاؤں گا اور پھر میں ان سے درگزر نہ کروں گا اور اضحاق کے اونچے مقام برباد ہوں گے اور اسرائیل کے مقدس ویران ہو جائیں گے اور میں یربعام کے گھرانے کے خلاف تلوار لیکر اٹھوں گا۔

(عاموس باب ۷ آیت ۸،۹)

باب ۹ میں یوں درج ہے، میں نے خداوند کو مذبح کے پاس کھڑا دیکھا اور اس نے فرمایا ستونوں کے سر پر مار تا کہ آستانے ہل جائیں اور ان سب کے سروں پر ان کو پارہ پارہ کر دے اور انکے بقیہ کو میں تلوار سے قتل کرونگا ان میں سے ایک بھی بھاگ نہ سکے گا ان میں سے ایک بھی بچ نہ نکلے گا۔ اگر وہ پاتال میں گھس جائیں تو میرا ہاتھ وہاں سے ان کو کھینچ نکالے گا اور اگر آسمان پر چڑھ جائیں تو میں وہاں سے اُن کو اتار لاؤں گا اگر وہ کوہ کرمل کی چوٹی پر جا چھپیں تو میں ان کو وہاں سے ڈھونڈ نکالوں گا اور اگر سمندر کی تہہ میں میری نظروں سے غائب ہو جائیں تو میں وہاں سانپ کو حکم کروں گا اور وہ ان کو کاٹے گا اور اگر دشمن اُن کو اسیر کر کے لے جائیں تو وہاں تلوار کو حکم کرونگا اور وہ ان کو قتل کرے گی اور میں ان کی بھلائی کیلئے نہیں بلکہ برائی کیلئے ان پر نگاہ رکھوں گا۔ (عاموس باب ۹ آیت ۱ تا ۴)

انجیل میں تلوار کا تذکرہ

یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے کو آیا ہوں صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں کیونکہ میں اسلئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں۔ (متی باب ۱۰ آیت ۳۶-۳۴)

لوقا کی انجیل میں ہے:۔

جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے۔ (لوقا باب ۲۲ آیت ۳۶)

احباب من!

کیا بائبل ہمیں جنگ کے مقاصد سے آگاہ کرتی ہے؟

کیا بائبل کے تصورِ جنگ میں مظلوموں کی مدد کا مقصد شامل ہے؟

کیا بائبل غلبہ دین کیلئے جنگ کا حکم دیتی ہے؟

کیا فتنہ و فساد کی سرکوبی کیلئے جنگ کا حکم بائبل میں موجود ہے؟

کیا بائبل کا مقصد جنگ داخلی امن و استحکام کا حصول ہے؟

کیا بائبل جنگ میں لوٹ مار کی ممانعت کرتی؟

قیدیوں سے کیسا سلوک کرنا چاہئے، کیا بائبل ہمیں یہ بتاتی ہے؟

کیا بائبل جنگ میں انتقامی کاروائی سے منع کرتی ہے؟

کیا بائبل جنگ میں چادر اور چار دیواری کی حرمت کی پاسبانی کا حکم دیتی ہے؟

کیا بائبل اپنے ماننے والوں کو اذیتیں دے کر ہلاک کرنے سے منع کرتی ہے؟

کیا سفیروں سے حسن سلوک کے متعلق بائبل احکامات دیتی ہے؟

کیا بائبل مقتولوں کا مثلہ بنانے کی مذمت کرتی ہے؟

کیا جنگ میں بدعہدی، بدنظمی، انتشار کی ممانعت بائبل کی سطروں میں موجود ہے؟

اگر ان تمام سوالوں کا جواب نہیں میں ہے تو انسانیت کیلئے وہی مذہب درست ہے جہاں ان تمام سوالات کے جوابات ہاں میں ہوں۔

اسلام کا تصورِ جہاد

اسلام کا تصورِ جہاد اپنے لغوی اور شرعی معنوں کے اعتبار سے ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔

علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں، اسلام کے جہاد میں مقصدیت کے اعتبار سے چونکہ ملک گیری اور جہاں بانی کا کوئی تصور نہیں ہے اس لئے آج کی دنیا کو جہاد کا پاکیزہ مفہوم سمجھانا بہت مشکل ہے، اسلام کا مجاہد کسی بادشاہ کے مادّی اور شخصی اقتدار کیلئے نہیں لڑتا بلکہ وہ خدا کی زمین پر صرف خدا کے دین کی سربلندی اور آخرت کی فیروزمندی کیلئے لڑتا ہے اس لئے وہ دشمن کو قتل کرے جب بھی اور خود قتل ہو جائے جب بھی دونوں حالتوں میں سرفرازی اور فائز المرامی اس کا مقدر ہے۔۔۔ غازی بننا بھی موجب اجر و ثواب ہے اور شہید ہو جانا بھی بلندیٔ درجات کی ضمانت ہے۔

اور آسان اس لئے ہے کہ جہاد کا لفظ اپنے نام اور مقصد کے اعتبار سے اگرچہ بالکل نیا ہے لیکن جہاں زمین پر انسانوں کے خون کے بہنے اور بہانے کا تعلق ہے تو یہ چیز اتنی ہی پرانی ہے جتنا انسان پرانا ہے۔

دنیا میں وہ کون سا ملک ہے اور وہ کون سی قوم ہے جہاں لڑائیاں نہیں لڑی گئیں، جہاں دو فوجوں کا ٹکراؤ نہیں ہوا اور جہاں میدانِ جنگ کی سرزمین دو گروہوں کے خون سے سرخ نہیں ہوئی۔

فرق جو کچھ ہے وہ صرف مقصد اور طریقۂ جنگ کا ہے، کہیں عورت کیلئے جنگ لڑی گئی اور کہیں دولت کیلئے، کہیں ملک گیری اور مالِ غنیمت کیلئے جنگ لڑی گئی اور کہیں قومیت و وطنیت اور قبائلیت کی عصبیت کا جذبہ دو گروہوں کو میدان جنگ تک لے گیا۔

لیکن دنیا کی تاریخ میں صرف اسلام ہی وہ پاکیزہ اور عادلانہ نظام زندگی ہے جس کے مجاہدین نہ عورت کیلئے لڑے اور نہ دولت کیلئے، نہ ملک گیری کیلئے لڑے اور نہ مالِ غنیمت کیلئے، نہ قومیت و وطنیت اور رنگ و نسل کی عصبیت انہیں میدانِ جنگ کی طرف لے گئی بلکہ ان کی لڑائی خدا کی زمین پر صرف خدا کے دین کی حاکمیت کیلئے تھی، انسانوں پر انسانوں کی بالادستی کے خاتمے کیلئے تھی مظلوم انسانوں کو ضمیر کی آزادی دلانے اور انہیں تخلیق کے اعلیٰ مقاصد سے ہم کنار کرنے کیلئے تھی۔ (جام نور، دہلی انڈیا جہاد نمبر مضمون از علامہ ارشد القادری مئی ۲۰۰۴ء۔ صفحہ ۳۵)

احبابِ من ! اسلامی جہاد کا مقصد کسی ملک کو فتح کرنا اور اس ملک کے وسائل و دولت کو لوٹنا نہیں ہے۔۔۔ کسی عورت کا حصول یا اقوام عالم پر تسلط کیلئے بھی جہاد کا حکم نہیں دیتا۔۔۔ اسلام کا نظریۂ جہاد ذاتی غیظ و غضب کی آگ بجھانے کیلئے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی حاکمیت قائم کرنا، فتنہ و فساد ختم کرکے اس دھرتی کو امن و سکون اور عدل و انصاف کا گہوارہ بنانا ہے۔

مقاصدِ جہاد

جہاد کے مقاصد درج ذیل ہیں:۔

➢ قیامِ امن

جہاد کا مقصد جنگ و جدل نہیں کہ جو تلوار میان سے باہر آگئی اب واپس میان میں نہیں جائے گی جب تک کہ یہ تلوار دشمن کا خون نہ چاٹ لے بلکہ اسلام کا مقصد جہاد قیام امن ہے اگر دشمن صلح کی درخواست کرے تو اسے قبول کرنے کا حکم ہے:۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها و توكل على الله انه هو السميع العليم (سورہ انفال۔ آیت ۶۱)

اور اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہ خوب سننے جاننے والا ہے۔

ایک اور جگہ صلح کا حکم یوں دیا:۔

فان اعتزلوكم فلم يقاتلوكم و القوا اليكم السلم فما جعل الله لكم عليهم سبيلا (سورہ نساء:۹۰)

پس اگر وہ تم سے جدا ہو جائیں اور تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کوئی راستہ نہیں بنایا۔

اے امن و آشتی کے نگہبانو! اسلام کا تصورِ جہاد اپنے مقصد کو کتنی حقیقت پسندی کے ساتھ بیان کر رہا ہے کہ اس کا مقصد دشمنوں کا خون بہانا نہیں۔۔۔اسلام کا مقصدِ جہاد عورت کا حصول نہیں۔۔۔اسلام کا مقصدِ جہاد اقوام عالم پر تسلط ان کے وسائل پر قبضہ، ان کے نوجوانوں کا قتل، ان کے بچوں پر بمباری نہیں بلکہ فرمایا کہ اگر وہ آمادہ صلح ہوں تو جیو اور جینے دو کے آفاقی قانون مطابق صلح کر لو۔

غلبۂ دینِ حق کیلئے جہاد

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون (سورہ صف۔ آیت ۹)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا

تاکہ اس دینِ اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین اس کو ناپسند ہی کریں۔

اور پھر ہوا بھی یہی اسلام تمام دینوں پر غالب آگیا۔

ظلم کے خلاف جہاد

جہاد کے ان گنت مقاصد میں سے ایک مقصد بنی نوع انسان کو ظلم واستبداد کے پنجۂ خونیں سے نجات دلانا بھی ہے جیسا کہ فرمایا:۔

و ما لكم لا تقاتلون فی سبيل الله و المستضعفين من الرجال و النساء
و الولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها (سورہ نساء۔ آیت ۷۵)

اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی آزادی کیلئے جنگ نہیں کرتے جو فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا و ان الله على نصرهم لقدير الذين
اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله (سورہ حج۔ آیت ۳۹،۴۰)

ان مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بنا پر کہ ان پر ظلم کیا گیا
اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قادر ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے گھروں سے
ناحق نکالا گیا صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔

احباب من! ان آیات پر غور کیجئے۔

کیا جنگ کا حکم اس لئے دیا کہ یہ دوسرے مذہب کے ماننے والے تھے؟

کیا ان آیات میں یہ حکم دیا گیا کہ فلاں قوم سے جنگ کرو ان کے پاس زرخیز ملک ہے؟

کیا یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں سے جنگ کرو ان کے پاس تیل کے کنوئیں ہیں؟

کیا یہاں جنگ کی ترغیب اس لئے دی جارہی ہے کہ ان کے پاس قدرتی وسائل ہیں؟

کیا یہاں جنگ کی رغبت اس لئے دلائی گئی کہ ان کے پاس تجارتی منڈی ہے؟

نہیں ہرگز نہیں!

بلکہ یہاں ان کے جرم و ستم کو بیان کیا گیا کہ یہ ظلم کرتے ہیں لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں اور ان کا یہ ظلم و ستم کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ایک ہے۔

عہدِ جدید میں شاید کوئی بصارت و بصیرت سے عاری اور خوئے غلامی سے سرشار یہ کہہ دے کہ آج امریکہ، عراق و افغانستان میں جو جنگ لڑ رہا ہے وہ بھی وہاں کی مظلوم عوام کی مدد ہے، کیونکہ صدام حسین ایک ظالم و جابر فوجی افسر تھا جس نے اپنی ہی عوام کی نسل کشی کی۔ اس نے کئی دیہات منہدم کرادیئے، ہزاروں کردوں کو قتل کر دیا۔

لیکن پھر یہ بتایئے کہ اسے ماضی قریب میں پچاس ہزار ڈالر کی سبسڈی کیوں دی گئی؟

۱۹۸۹ء میں اسے سبسڈی کی مد میں مزید ایک ارب ڈالر کیوں دیئے گئے؟

اس کے علاوہ بھی صدام حسین اور اس کی حکومت کو پیکیجز دیئے گئے، آخر کیوں؟

یہ ظلم و ستم تو عراقی عوام پر پہلے بھی ہو رہے تھے اس وقت عراق پر حملہ کیوں نہیں کیا گیا؟

اس وقت امریکہ و برطانیہ صدام حسین کے دوست کیوں بنے ہوئے تھے؟

ارون دھتی رائے اپنے مضمون میں انکشاف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ جن دنوں صدام حسین بدترین مظالم ڈھا رہا تھا، ان دنوں امریکی اور برطانوی حکومتیں اس کی قریبی اتحادی تھیں۔ آج بھی ترکی کی وہ حکومت، جو انسانی حقوق کے حوالے سے انتہائی دہشت ناک اور ناگوار ترین ریکارڈ رکھتی ہے، امریکی حکومت کے قریب ترین اتحادیوں میں سے ایک ہے۔ ترکی کی عوام سال ہا سال سے کرد عوام کو دبا اور انہیں ہلاک کر رہی ہے۔ یہ حقیقت امریکی حکومت کو، ترکی کو بے تحاشا اسلحہ دینے اور ترقیاتی کاموں

کیلئے مالی تعاون کرنے سے نہ روک سکی لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ صدر بش کو کانگریس سے خطاب پر کر دعوام کے ساتھ ہمدردی نے آمادہ نہیں کیا تھا۔ (ایک عام آدمی کا تصورِ سلطنت، صفحہ ۳۱،۳۰)

پھر کیا وجہ تھی؟ ۔۔۔ یہ دوستی دشمنی میں کیوں بدل گئی؟ ۔۔۔ یہ پیار و محبت عداوت و نفرت کا بارود کیوں اُگلنے لگی؟

یہ تبدیلی رونما کیوں ہوئی؟

ارون دھتی رائے لکھتی ہیں:۔

اگست ۱۹۹۰ء میں صدام حسین نے کویت پر حملہ کر دیا اُس کا گناہ یہ نہیں تھا کہ اس نے ایک جنگی قدم اٹھایا بلکہ اس کا اصل جرم یہ تھا کہ اس نے یہ قدم اپنے آقاؤں سے احکامات لئے بغیر اٹھایا۔ آزادی کا یہ آزادانہ اظہار، خلیج میں طاقت کے توازن کو بگاڑنے کیلئے کافی تھا لہٰذا فیصلہ کر لیا گیا کہ صدام حسین کو ختم کر دیا جائے۔ ایک ایسے پالتو جانور کی طرح جس کیلئے اس کے مالک کی شفقت ختم ہو چکی ہو۔ (ایک عام آدمی کا تصورِ سلطنت، صفحہ ۳۱)

افغانستان میں جنگ کیلئے اسامہ بن لادن کی تلاش تو صرف ایک بہانہ تھی عقلِ عیار نے ایک نیا بہانہ تراشا کہ افغانستان میں حقوقِ نسواں کو پامال کیا جارہا تھا، اس بہانے کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے ارون دھتی رائے لکھتی ہیں:۔

اب کہا جارہا ہے کہ جنگ کا بڑا اور اصل مقصد طالبان کی حکومت کو گرانا اور افغان خواتین کو برقعے سے نجات دلانا تھا ہمیں اس بات کو سچ مان لینے پر مجبور کیا جارہا ہے کہ امریکی فوج کا اصل مقصد حقوقِ نسواں کی بحالی تھا (اگر ایسا ہے تو کیا امریکیوں کا اگلا ہدف سعودی عرب ہونا چاہئے جو اس کا فوجی اتحادی ہے؟) آپ ذرا اس انداز میں سوچیے۔ بھارت میں اچھوتوں، عیسائیوں اور مسلمانوں اور عورتوں سے قابلِ ملامت سماجی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ پاکستان اور بنگلا دیش میں اقلیتوں اور عورتوں کے ساتھ اس سے بھی برا سلوک کیا جاتا ہے۔ کیا ان ممالک پر بموں کی بارش کر دی جائے؟ کیا دہلی، اسلام آباد اور ڈھاکہ کو تاراج کر دیا جائے؟ کیا بھارت میں ہٹ دھرمی اور کٹرپن کو بموں کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے؟ کیا ہم بموں کی مدد سے کسی ملک کو حقوقِ نسواں کے حوالے سے جنگ میں تبدیل کر سکتے ہیں؟ کیا امریکہ میں عورتوں نے ووٹ کا حق اسی طرح حاصل کیا تھا؟ (ایک عام آدمی کا تصورِ سلطنت صفحہ ۲۰)

اگر امریکہ کا عراق و افغانستان پر جنگ کا مقصد وہاں کے مظلوم عوام ہی کی مدد تھا یا ظلم کا انسداد تھا تو پھر نتائج بھی اچھے نکلنے چاہئے تھے۔

مگر نتائج کیا نکلے؟

بھیانک اور ہولناک اور ظلم کا انسداد امریکہ بہادر نے کس طرح کیا؟ ارون دھتی رائے لکھتی ہیں:۔

اتحادیوں نے عراق پر پہلا حملہ جنوری ۱۹۹۱ء میں کیا دنیا بھر نے ٹی وی اسکرین پر اس پرائم ٹائم جنگ کا مشاہدہ کیا (ان دنوں بھارت میں سی این این کے پروگرام دیکھنے کیلئے کسی فائیو اسٹار ہوٹل کی لابی میں جانا پڑتا تھا) ایک ماہ پر محیط تباہ کن بمباری نے ہزاروں لوگوں کو ہلاک کر دیا جس حقیقت کا بہت سے لوگوں کو علم نہیں وہ یہ تھی کہ اس کے بعد جنگ بند نہیں ہوئی۔ ویتنام کی جنگ کے بعد عراق پہلا ملک تھا، جس پر ابتدائی اشتعال کے بعد، مسلسل فضائی حملے کئے جاتے رہے۔ گذشتہ ایک عشرے کے دوران طویل عرصے تک، امریکی و برطانوی فوجوں نے عراق پر ہزاروں میزائل اور بم برسائے۔ عراق کے کھیت اور میدان تین سوٹن یورونیم سے بھر گئے۔ بمباری کے دوران، اتحادیوں نے پانی صاف کرنے کے پلانٹوں کو اپنا ہدف بنایا حالانکہ انہیں اس حقیقت کا علم تھا کہ غیر ملکی تعاون کے بغیر ان کی مرمت ناممکن ہو گی۔ جنوبی عراق میں بچوں کے اندر کینسر کی شرح میں چار گنا تک اضافہ ہو گیا۔ جنگ کے بعد معاشی پابندیوں کے عشرے کے دوران عراقی عوام کو بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، ادویات، ہسپتالوں کی سہولیات میسر نہ آسکیں۔ پابندیوں کے دوران کم و بیش پانچ لاکھ عراقی بچے موت کے منہ میں چلے گئے۔ (ایک عام آدمی کا تصورِ سلطنت، صفحہ ۳۱، ۳۲)

امریکہ نے ظلم کا انسداد کس طرح کیا؟ سابق اٹارنی جنرل امریکہ، رمزے کلارک لکھتے ہیں:۔

امریکہ نے شہری حیات، تجارتی اور کاروباری علاقوں، اسکولوں، ہسپتالوں، مسجدوں، گرجا گھروں، پناہ گاہوں، رہائشی علاقوں تفریحی مقامات، نجی گاڑیوں اور شہری حکومت کے دفاتر پر ارادتاً بمباری کی۔

سویلین تنصیبات کی تباہی کی وجہ سے تمام تر غیر فوجی آبادی حرارت، خوراک تیار کرنے کے ایندھن، ریفریجریشن، پینے کے قابل پانی، ٹیلی فون، ریڈیو اور ٹی وی چلانے کیلئے بجلی، پبلک ٹرانسپورٹ اور نجی گاڑیوں کیلئے ایندھن سے محروم ہو گئی ہیں۔ اس تباہی کی وجہ سے خوراک کی رسد محدود، اسکول بند، بے روزگاری عام، معاشی سرگرمی انتہائی محدود، ہسپتال اور طبی خدمات بند ہو گئی ہیں۔ مزید بر آں ہر بڑے شہر کے رہائشی علاقوں اور بیشتر قصبوں اور بستیوں کو ہدف بنایا اور تباہ کر دیا گیا۔ بدوؤں کے الگ تھلگ خیموں پر بھی امریکی جہازوں نے حملے کئے۔ لوگوں کو ہلاک اور زخمی ہونے کے علاوہ دس سے بیس ہزار تک مکان، اپارٹمنٹ اور دیگر رہائش گاہیں تباہ ہو گئیں۔

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

اس بمباری کا مقصد پورے ملک کو دہشت زدہ کرنا، لوگوں کو قتل کرنا، املاک کو تباہ کرنا، نقل و حرکت کو روکنا، لوگوں کو بے حوصلہ اور حکومت کا تختہ اُلٹنے پر مجبور کرنا تھا۔ (عراق میں امریکہ کے جنگی جرائم از رمزے کلارک صفحہ ۳۴۔ مترجم احسن بٹ مطبوعہ جمہوری پبلی کیشنز لاہور جولائی ۲۰۰۴ء)

احبابِ من! ان جنگوں کا مقصد انسدادِ ظلم نہیں بلکہ تیل کے کنوؤں پر ٹپکتی رال ہے۔

ارون دھتی رائے لکھتی ہیں:۔

جنگیں انسانی فلاح و بہبود یا ایثار پسندی کیلئے کبھی نہیں بلکہ تسلط جمانے اور کاروبار کے طور پر لڑی جاتی ہیں۔ بلاشبہ جنگ کا ایک کاروبار ہے دنیا بھر کے تیل کو اپنے تصرف یا قبضے میں لے لینا، امریکی خارجہ پالیسی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ (ایک عام آدمی کا تصورِ سلطنت، صفحہ ۳۴)

مسلمانوں پر ہر جگہ ظلم کے پہاڑ توڑے گئے کیونکہ وہ اسلام کو اپنا دین اللہ کو اپنا رب اور پیغمبر اسلام کو اپنا نبی کہتے تھے بوسنیا میں مسلمانوں کے ساتھ کتنا ظلم وستم ہوا ہیلری کلنٹن اپنی کتاب میں یہ لکھے بغیر نہ رہ سکیں۔

انہی دنوں جب کہ بل کلنٹن اپنی صدارت کے سو دن مکمل کر چکے تو سابق یوگوسلاویہ میں بوسنیائی سرب مسلمانوں کا محاصرہ کر رہے تھے اور وہاں سے شہری آبادی کے قتل عام کی بھیانک خبریں اور تصاویر جاری ہو رہی تھیں۔ شہریوں کی اموات میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ ہمیں اقوام متحدہ کی ناکامی پر خاصی بیزاری کا احساس ہونے لگا۔ اقوام متحدہ کو یا تو اس معاملے میں فوری مداخلت کرنی چاہیئے تھی یا پھر اسے وہاں مسلم آبادی کے تحفظ کا انتظام کرنا چاہیئے تھا۔

انہی دنوں جب امریکہ کے دَورے پر آئے ہوئے بارہ صدور اور وزرائے اعظم کو وائٹ ہاؤس مدعو کیا۔ ان میں سے بعض رہنماؤں کا اصرار تھا کہ امریکہ کو چاہیئے کہ وہ بوسنیا میں مسلمانوں کا قتلِ عام رکوانے کیلئے اقوام متحدہ کی مدد کرے۔ (زندہ تاریخ صفحہ ۹۰)

مزید آگے لکھتی ہیں کہ ایک یہودی نوبل انعام یافتہ نے مسلمانوں کے قتل پر کیا کہا۔

نوبل انعام یافتہ ایک یہودی نے بل کلنٹن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

جناب صدر! میں سابق یوگوسلاویہ میں رہ چکا ہوں اور میں نازیوں کے ڈیتھ کیمپ میں بھی رہ چکا ہوں، مگر اب میں نے یوگوسلاویہ میں جو کچھ دیکھا ہے اسکے بعد میں رات کو سو نہیں سکتا۔ میں نے اس ملک میں بڑا قتل عام دیکھا اور ایک یہودی ہونے کے ناطے میں یہ کہتا ہوں کہ ہمیں وہاں خون خرابہ فوری طور پر رکوانا پڑے گا۔ (زندہ تاریخ صفحہ ۹۱)

جناب والا! یہ ہے اہلِ صلیب کا اصل چہرہ

اس صلیبی کتھا کو سنانے کیلئے یہ چند اقتباسات یقیناً ناکافی ہیں۔ صلیبی ظلم و ستم کی روداد تو کئی دفتروں میں بھی سمانہ پائے گی۔

➢ استیصالِ فتنہ کیلئے جہاد

فتنہ قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ فرمایا:۔

والفتنة اشد من القتل (پ۲ سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۱)

اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

اور مسلمانوں کو حکم دیا:۔

و قاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین لله (پ۲ سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۳)

اور لڑتے رہو ان (فتنہ پردازوں) سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور ہو جائے دین صرف اللہ کیلئے۔

اگر فتنہ وفساد کے خلاف نہ لڑا گیا تو کیا ہوگا؟

الا تفعلوه تکن فتنة فی الارض و فساد کبیر (سور انفال۔ آیت ۷۳)

(اے مسلمانو!) اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا۔

ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں، عالمی تناظر میں سامراجی طاقتوں کے طرز عمل کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ غریب اقوام کا ہر سطح پر استحصال جاری ہے۔ ان کے اقتدار اعلیٰ کو ہی نہیں اُن کی سیاسی اور اقتصادی آزادیوں کو بھی زبردست خطرات لاحق ہیں۔ عالمی سامراج طاقت کے نشے میں سرشار اپنے افکار و نظریات مقروض ممالک پر تھوپ رہا ہے اپنی ثقافت ان کے سروں پر تھوپ رہا ہے۔ نئے عالمی نظام کی آڑ لیکر ان کے وسائل پر قبضہ جمانے کی فکر میں طاغوتی طاقتیں، ترقی پذیر ممالک ذہن جدید پر اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر بنا رہی ہے۔ سامراج چاہتا ہے کہ عریانی و فحاشی کی افیون دیکر ان کی تخلیقی اور تحقیقی صلاحیتوں کو بے کار بنا دیا جائے تا کہ وہ ہمیشہ نام نہاد ترقی یافتہ اقوام کے دست نگر رہیں اور سر اُٹھا کر چلنے کا تصور بھی بھول کر اپنے دل میں نہ لائیں۔ اسلام ان استحصالی طاقتوں کے راستے میں بڑی رکاوٹ ہے اس لئے ہر جگہ اسلامی تحریکوں کا راستہ روکا جا رہا ہے۔ (سیرۃ الرسول جلد ہفتم صفحہ ۲۸۷)

➢ دفاع مملکت کیلئے جہاد

مخالفین اسلام نے ہر زمانے میں اسلامی حکومتوں کے خلاف سازشیں کیں اپنے عوام کو جنگی جنون میں مبتلا رکھا۔ عہدِ رسالت میں مشرکین یہود و نصاریٰ نے اسلام کو مٹانے کی کوشش کی۔ ان کیلئے ارشاد فرمایا:۔

و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۹۰)

اور اللہ کے راستے میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو
اور بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اے سفیرانِ حق و صداقت!

اسلام کے مقاصدِ جنگ تو بنی نوع انسان کیلئے اپنے دامن میں رحمت و راحت کے پھول بکھیرے ہوئے ہیں ظالموں کا استیصال، ظلم و ستم کا خاتمہ، امن و آشتی کی فضا کو قائم کئے ہوئے ہے۔ ہم نے یہاں خوفِ طوالت کے باعث چند مقاصدِ جنگ بیان کئے تفصیل کیلئے ڈاکٹر طاہر القادری کی کتاب 'سیرۃ الرسول' جلد ہفتم و ہشتم کا مطالعہ فرمائیں۔

تصورِ جنگ اور مقصدِ جہاد

اسلام نے جس زمانے میں تصورِ جہاد پیش کیا اور اسکے جو مقاصد ان اقوام کے سامنے رکھے وہ ان عظیم مقاصد سے نا آشنا تھے۔ اُن کے اذہان میں بس یہ تھا کہ اگر جنگ مال و دولت کے حصول کیلئے نہ کی جائے ۔۔۔ ملک و زمین کیلئے نہ ہو۔۔۔ شہرت و ناموری بھی مقصود نہ ہو۔۔۔ حمیت و عصبیت بھی محرکات میں شامل نہ ہو۔۔۔ زن، زر، زمین بھی مقصودِ جنگ نہ ہو تو پھر جنگ کا مقصد کیا ہے؟ جو اس کیلئے جان جوکھوں میں ڈالی جائے۔

ان اقوام عالم کے اذہان میں کسی ایسی جنگ کا تصور نہیں تھا جو خود غرضی و نفسانی خواہشات سے پاک ہو۔

احبابِ من ! جنگیں اپنے مفادات کیلئے لڑی جاتی ہیں ۔۔۔ دشمن کی فوجوں کا مثلہ بنایا جاتا ہے ۔۔۔ قیدیوں کو شیروں کے پنجروں میں ڈال کر سفاکیت کی تسکین کا سامان فراہم کیا جاتا ہے ۔۔۔ دشمن کی دوشیزاؤں کو ہوس کے درندوں کے سامنے پھینک کر درندگی کے شیطانی کھیل سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے ۔۔۔ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے کا نعرہ بلند کر کے ہر ضابطے و اصول کی دھجیاں بکھیر دی جاتیں ہیں اور شرفِ انسانی کو تار تار کر دیا جاتا ہے۔

اسلام سے قبل اور آج کی طاغوتی قوتوں کا مقصد جنگ اس سے مختلف نہیں۔ لیکن اسلام کا مقصود یہ نہیں اسلام اپنے ماننے والوں کو جب جہاد کی تعلیم دیتا ہے تو وہ اس کے قواعد و ضوابط پر عمل کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔

◊ اسلام غفلت میں حملہ کرنے سے منع کرتا ہے ◊ اسلام شب خون مارنے کو پسند نہیں کرتا ◊ اسلام دشمن کو آگ میں جلانے کی ممانعت کرتا ہے ◊ اسلام کا تصورِ جہاد دشمن کو ہاتھ پاؤں باندھ کر مارنے سے روکتا ہے ◊ اسلام کا تصورِ جہاد لوٹ مار کی ممانعت کرتا ہے ◊ اسلام کا تصورِ جہاد تباہ کاری کی مخالفت کرتا ہے ◊ اسلام کا تصورِ جہاد دشمن کی لاشوں کا مثلہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا ◊ اسلام کا تصورِ جہاد قیدیوں کو قتل کرنے سے روکتا ہے ◊ اسلام کا تصورِ جہاد سفیروں کی حرمت کو قائم رکھتا ہے ◊ اسلام کا تصورِ جہاد بد عہدی کی ممانعت کرتا ہے ◊ اسلام کا تصورِ جہاد انتشار و فتنہ کو پسند نہیں کرتا ◊ اسلام کا تصورِ جہاد شور و ہنگامہ کی مخالفت کرتا ہے ◊ اسلام کا تصورِ جہاد، صرف ان لوگوں سے لڑتا ہے جو ان کے خلاف تلوار اُٹھاتے ہیں ◊ اسلام کا تصورِ جہاد عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور امن پسند لوگوں سے تعرض نہیں کرتا ◊ اسلام کا تصورِ جہاد گرجوں اور مذہبی معبدوں کو نہیں ڈھاتا ◊ اسلام کا تصورِ جہاد کھیتوں اور کھلیانوں کو آگ نہیں لگاتا ◊ اسلام کا تصورِ جہاد آبادیوں کو ویران نہیں کرتا ◊ اسلام کا تصورِ جہاد تباہ کاری و بربادی کی اجازت نہیں دیتا ◊ اسلام کا تصورِ جہاد اپنے دامن میں انسانیت کیلئے رحمت و راحت کا پیغام لیکر آیا ہے۔ یہ اسلام ہی ہے

جس نے دنیا کو مہذب قوانین جنگ دیئے، یہ اسلام کا احسان ہے اقوام عالم پر، بنی نوع انسان پر جس نے انسانیت کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھا۔

خود کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

The Qu'ran was beginning to evolve a theology of the just war: it might sometime be necessary to fight to preserve decent values. Unless religious people had sometime been ready to ward off attack, all their places of worship) for example) would have been destroyed. God will give the Muslims victory only if they 'perform the prayer, and pay the alms', make just and honourable laws and create an equitable society. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 169)

قرآن کریم نے انصاف کی خاطر جنگ لڑنے کے عقیدے کی بنیاد رکھی جس کی وجہ یہ تھی کہ اعلیٰ اقدار کے تحفظ کیلئے بعض اوقات جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔ اگر مذہب پرکاربند لوگ جنگ کیلئے نہ نکلتے تو ان کی عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا جاتا۔ اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں صرف اسی صورت میں نصرت عطا کرے گا جب وہ نماز ادا کریں گے، خدا کی راہ میں خرچ کریں گے، انصاف اور وقار پر مبنی قوانین نافذ کریں گے اور مساوات و برابری کے اصولوں کی بنیاد پر استحصال سے پاک معاشرہ تشکیل دیں گے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۲۲۹)

کیرن آرمسٹرانگ صاحبہ اس حوالے سے لکھتی ہیں:۔

'Overnight Muhammad had become the enemy.' **(Muhammad Prophet for our Time by Karen Armstrong Page 75)**

حضرت محمد راتوں رات اُن کے دشمن بن گئے۔ **(پیغمبر امن، صفحہ ۵۲)**

آگے لکھتی ہیں:۔

It must have been vary difficult indeed for the Muslims, brought up in the jahili spirit, to practice hilm and turm the other cheek. Even Muhammad sometime had to struggle to maintain his composure. **(Muhammad, Prophet for Our Time Page 81)**

جاہلی روایات کے مطابق پرورش یافتہ مسلمانوں کیلئے حلم سے کام لینا اور طمانچے کیلئے دوسرا گال آگے کر دینا یقیناً بہت مشکل رہا ہوگا حتیٰ کہ حضرت محمد کو بھی کبھی صبر کا دامن تھامے رکھنے میں مشکل پیش آئی۔ **(ایضاً، ص ۵۷)**

مزید آگے ایک اور جھوٹ ببانگ دہل اس طرح بولتی ہیں:۔

Quran shows that some of the Emigrants found the very idea of fighting distasteful But Muhammad was not discouraged. **(Muhammad Prophet for Our Time Page 127)**

قرآن دکھاتا ہے کہ کچھ مہاجرین نے لڑائی کے خیال کو ناپسند کیا لیکن آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمت نہیں ہاری۔ **(پیغمبر امن، صفحہ ۹۲)**

یعنی کئی مسلمان یہ چاہتے تھے کہ لڑائی نہ ہو مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لڑائی کرنے کیلئے بے تاب تھے۔

آگے یہی متعصب مستشرقہ لکھتی ہیں:۔

But Muhammad had embarked upon a dangerous course. He was living in a chronically violent society and he saw these raids not simply as a means of bringing in much - needed income, but as a way of resolving his quarrel with the Quraysh.

لیکن حضرت محمد ایک خطرناک راہ پر نکل کھڑے ہوئے تھے وہ ایک نہایت متشدد معاشرے میں رہتے تھے اور آپ کی نظر میں یہ حملے محض حصولِ آمدنی کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ قریش کے ساتھ جھگڑا چکانے کا طریقہ بھی تھے۔

(پیغمبر امن، صفحہ ۹۳)

مزید آگے اپنے قلبی بغض کا اظہار یوں کرتی ہیں:۔

Muhammad was not a pacifist. (Muhammad Prophet for Our Time Page 137)

حضرت محمد امن کا پرچار نہیں کر رہے تھے۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۹۹)

آگے لکھتی ہیں:۔

He had wanted to cut the cycle of violence and dispossession, not continue it.' (Muhammad Prophet for Our Time Page 151)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشدد اور بے دخلی کا سلسلہ جاری رکھنے کے بجائے ختم کرنا چاہتے تھے۔ (ایضاً، ص ۱۱۰)

یعنی تشدد اور بے دخلی کا سلسلہ جاری تھا۔ کیرن صاحبہ یہ تو بتایئے کہ نضیر اور قینقاع کے علاوہ کس کو مدینہ سے بے دخل کیا گیا۔ وہ بھی ان دونوں کی اسلام دشمنی اور عہد شکنی کے سبب ایسا کیا گیا جس کے یہ دونوں قبیلے خود ذمے دار ہیں اور یہ اعتراف تو مس کیرن آپ بھی کرتی ہیں جیسا کہ آپ نے خود لکھا:۔

Even in Muhammad's own time, smaller Jewish groups remained in Medina after 627 and were allowed to live in peace with no further reprisals. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 209)

خود رسول اللہ کے زمانے میں یہودیوں کے چھوٹے گروپ ۶۲۷ء کے بعد مدینہ میں بدستور موجود رہے، انہیں امن و سکون کے ساتھ رہنے کی اجازت تھی اور ان کے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہ کی گئی۔ (ایضاً، ص ۲۸۱)

مزید آگے مسلمانوں کی رواداری کے بارے میں لکھتی ہیں:۔

In the Islamic empire Jews like Christians had full religious liberty; the Jews lived there in peace until the creation of the State of Israel in our own century .The Jews of Islam never suffered like the Jews of Christendom. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 209)

اسلامی سلطنت میں عیسائیوں کی طرح یہودیوں کو بھی مکمل آزادی حاصل تھی اور ہماری موجودہ صدی میں اسرائیل کی ریاست کے قیام تک وہ امن و آشتی کے ساتھ رہتے رہے ہیں۔ اسلامی عہد میں یہودیوں کو وہ مصیبتیں نہیں اٹھانا پڑی جن کا سامنا انہیں عیسائیت کے دور میں کرنا پڑا تھا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۲۸۱)

کیرن آرم اسٹرانگ پیغمبر اسلام کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

It was nearly time to make good on Abu Sufiya's parting shot after Uhud:' 'Next year at Badar!' but Muhammad was playing a very dangerous game. He had to make a show of strength. (Muhammad Prophet for Our Time Page 151)

اب جنگِ اُحد کے بعد ابوسفیان کی لگائی ہوئی پکار کا جواب دینے کا وقت آگیا تھا۔ اگلے سال بدر میں لیکن محمد نہایت خطرناک کھیل کھیل رہے تھے۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا۔ (پیغمبر امن، صفحہ ۱۱۱)

بنو قریظہ کے حوالے سے جس کا جواب ہم گذشتہ صفحے پر دے چکے ہیں، کے بارے میں لکھتی ہیں:۔

He had staged a defiant show of strength, which, it was hoped, would bring the conflict to an end. Change was coming to this desperate ,primitive society, but for the time being, violence and killing on this scale were the norm. (Muhammad Prophet for Our Time Page 162)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طاقتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا جو (امید تھی کہ) جھگڑے کو ختم کردے گا۔ اس بے چین قدیمی معاشرے میں تبدیلی آرہی تھی لیکن فی الحال اس وسیع پیمانے پر قتل غارت گری مقبولِ عام دستور تھی۔ (ص۱۱۹)

جب عقل و خرد کو عصبیت کی پھپھوندی لگ جائے اور قلب و جگر آتش حسد کا گہوارہ بن جائے تو قلم پر جہل کے دورے اسی طرح پڑا کرتے ہیں۔ افسوس تو تب ہوتا ہے کہ آنکھیں دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتیں اور عقل سمجھتے ہوئے بھی بصیرت سے انکار کردیتی ہے۔

کیرن صاحبہ کے یہ بدگمان تخیلات کسی تحقیق کا نتیجہ نہیں بلکہ عداوتِ اسلام کا شاخسانہ ہیں۔ اگر ان الزامات و بہتانات میں ذرّہ برابر بھی سچائی ہوتی تو ان کو اس وقت منظر عام پر آنا چاہئے تھا جب قیصر و کسریٰ کے ظلم و ستم کا قلع قمع ہو رہا تھا۔ جب فرزندانِ اسلام کی فتوحات نے کرۂ انسانی پر تہلکہ مچایا ہوا تھا۔ اس وقت یہ الزامات شاید دنیا کو اس ڈھب پر شبہ کا موقع دیتے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کے یہ اقدامات، یہ فتوحات جس نے عقل و خرد اور قلب سلیم کو ان فرزندانِ اسلام کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا کردیا کسی خوں ریز تعلیم کا نتیجہ ہیں۔

مگر عجیب وغریب بات تو یہ ہے کہ بدگمان تخیلات کی گندے جوہڑ سے ان بہتانات کی افزائش اس وقت منظر عام پر آتی ہے۔ جب آفتاب عروجِ اسلام کو غروب ہوئے عرصۂ دراز بیت چکا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب اس بہتان کے موجدین یورپ وصلیب کی تلوار بے گناہوں کے خون سے سرخ ہو رہی تھی۔

اے نشینانِ مسندِ انصاف!

قصرِ انصاف کی زنجیروں میں شور بپا ہوا جاتا ہے کہ جن کی تلواروں نے خود زمین کو بے گناہوں کے خون سے سرخ کر دیا ہو۔۔۔ جنھوں نے عداوتِ اسلام میں اندھے ہو کر امن وامان کو تار تار کر دیا ہو۔۔۔ دوسری قوموں کے وسائل نگلنے کیلئے انسانی قبا میں چھپے ہوئے اژدھے سرِ عام باہر آ گئے ہوں۔

آخر انہیں کیا حق ہے کہ اسلام پر وہ الزامات وبہتانات عائد کریں جن کی فردِ جرم خود ان پر عائد ہوتی ہے۔

پیغمبر اسلام اور امن عالم

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی وہ ہستی ہے جنہوں نے کرۂ انسانی کو امن و آشتی کے حقیقی مفہوم سے آشنا فرمایا، جن کا کردار بنی نوع انسان کیلئے نمونہ تقلید قرار پایا۔

اقوام ملت کی تاریخ سے آگاہ مؤرخو! تم نے تاریخ کے ابواب میں قوموں کے عروج وزوال کو بھی پڑھا ہو گا۔۔۔ تمہاری نگاہوں نے اقوام عالم میں جنگوں اور امن کے ادوار بھی ملاحظہ کئے ہوں گے۔ تمہاری بصارت میں ملت عالم کی فتوحات وشکست کے ہزارہا مناظر بھی ہوں گے۔

اور تم نے فاتحین کے غضب وجلال کو بھی دیکھا ہو گا۔۔۔ فتح و مسرت کے شادیانے بھی تمہاری سماعتِ تخیل سے دور نہ ہوئے ہوں گے یقیناً تم نے فاتحین کی خود سری وغرور و تکبر میں ڈوبی ہوئی بڑکیں بھی سنی ہوں گی۔

یقیناً تمہاری آنکھوں کے تخیل نے تاریخ کے ابواب میں فاتحین کی مسرت و شادمانی اور مفتوحین کیلئے ان کی آنکھوں اور دماغوں میں وحشت وخونخواری کے شعلے بھی ملاحظہ کئے ہوں گے۔

کیونکہ یہ سب تاریخ کا حصہ ہیں۔ فاتحین جب کسی قوم، کسی ملت، کسی ملک کو فتح کرتے ہیں بزورِ طاقت، بزور شمشیر تو ان کی آنکھوں میں فرعونیت رقص کرتی نظر آتی ہے۔۔۔ یہ کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرتے ہیں۔۔۔ املاک کو نذرِ آتش اور کھیتوں کھلیانوں کو برباد کرنا ان کا وطیرہ ہوتا ہے۔۔۔ دشمن کی بیٹیوں کی عصمت دری، بچوں کو نیزوں پر اُچھالنا ان کا کھیل قرار پاتا ہے۔۔۔ اور دشمن کے اسیر سپاہیوں کی گردنوں سے بلند ہوتی ہوئی خون کی دھاریں انکی جذبۂ سفاکیت کی تسکین کا سامان ہوتی ہیں۔۔۔ ان کے دماغوں میں غیظ وغضب کے شعلے اور ان کے نفس درندگی کا گھناؤنا کھیل کھیلنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔۔۔ ان کے فاتحین کا سرخ قالین بچھا کر استقبال کیا جاتا ہے۔۔۔ شراب وشباب کے دور چلتے ہیں۔۔۔ ان کو توپوں سے سلامی اور خراجِ عقیدت پیش کئے جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف جب ہم اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں درج مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صادق وامین کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو چکے ہیں۔۔۔ جو لوگ آپ کے اخلاقِ حمیدہ کی تعریف کیا کرتے تھے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بد خلقی کی انتہا برپا کر رہے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماننے والوں پر ظلم و تشدد کی انتہاؤں کو برپا کیا جارہا ہے۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حالتِ نماز میں آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالی جارہی ہے۔۔۔ آپ کی گردن میں چادر ڈال کر گھسیٹا جارہا ہے۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اور آپ کے ماننے والوں کو ابی طالب کی گھاٹی میں تین سال محصور رکھا گیا اور آپ پر پانی و اناج کو بند کر دیا گیا۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عالمِ کفر کا ہر قبیلہ آپ کے خون کا پیاسا ہو چکا ہے، دشمن کے قبیلوں سے نوجوانوں کا ٹولہ ننگی تلواریں، آپ کے خون سے بجھانے کیلئے بے قرار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں بدر و اُحد کے میدانوں کو دشمن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی جان لینے کیلئے سر تا پا لوہے میں غرق ہو چکا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں احزاب کے منظر کو۔۔۔ حدیبیہ کی دفعات کو۔۔۔ حرم شریف میں داخلے کی ممانعت کو۔۔۔ پیارے چچا کی لاش کا مثلہ کرنے کو۔۔۔ دشمن کی سفاکی ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں۔۔۔ ظلم و ستم کے دل دادہ وحشی درندوں کی کوئی بھی درندگی تو تاریخ دانوں کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔

پھر جب فاتحِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو کیا فاتح کی حیثیت سے ایسا کوئی قدم اُٹھایا جو انسانی تاریخ میں فاتحین نے اٹھایا؟

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحیثیت فاتحِ اعظم کیا کیا؟

کیرن صاحبہ خود لکھتی ہیں:۔

Finally Muhammad issued a general amnesty. Only about ten people were put on the black List. They included Ikrimah (but not Safwan, for some reason ,(people who had spread anti-Muslims propaganda and people who had injured the prophet's family. But any of these people who asked forgiveness seem to have been spared. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 244)

آخر میں حضور نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ صرف دس افراد کو قتل کرنے کا حکم دیا اُن میں عکرمہ بھی شامل تھا، صفوان کو کسی وجہ سے شامل نہیں کیا گیا۔ ان میں وہ لوگ شامل تھے جو اسلام کے خلاف کرتے رہے تھے یا جنہوں نے آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اہلِ خانہ کو ایذائیں پہنچائی تھیں لیکن جن لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے معافی مانگی، انہیں معاف کر دیا گیا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۳۲۵)

اے نقیبانِ امن و آشتی!

کن لوگوں کو معاف کر دیا گیا؟ ☼ جنہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کذّاب کہا۔۔۔ شاعر کہا۔۔۔ مجنوں کہا۔۔۔ ساحر کہا۔۔۔ جنہوں نے شعب ابی طالب میں تین سال محصور رکھا، معاشی بائیکاٹ کیا۔

کن لوگوں کو معاف کر دیا گیا؟ ☼ جنہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی۔۔۔

کن لوگوں کو معاف کر دیا گیا؟ ☼ جنہوں نے آپ کو جبراً جلاوطن کیا۔۔۔

کن لوگوں کو معاف کر دیا گیا؟ ☼ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کی جائیداد کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ضبط کر لیا گیا۔

کن لوگوں کو معاف کر دیا گیا؟ ☼ جنہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عزیز و محبوب چچا کی لاش کا مثلہ کیا اور اُن کے ناک، کان، کاٹ کر ہار بنا کر پہنے۔۔۔

کن لوگوں کو معاف کر دیا گیا؟ ☼ جنہوں نے مدینے کی بستی پر بارہا حملہ کئے تاکہ مسلمانوں کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔۔۔

اے بزم افکار کے رفیقو!

یہ خوش خبری کب سنائی گئی؟ ☼ یہ معافی کب دی گئی؟ ☼ یہ مژدۂ جاں فزا کب سنایا گیا؟

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکمل فتح حاصل کر چکے تھے اور مکہ کی فضاؤں میں توحید کے نغمے دوبارہ گونج رہے تھے لا الہ الا اللّٰہ کی صداؤں سے لات و ہبل اوندھے پڑے ہوئے تھے۔

کیا شورشوں کے استشراقی مبلغ ماضی میں ایسی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں؟

کیا ماضی میں کسی فاتح یا کسی بادشاہ نے یا کسی فاتح جرنیل نے ایسی کوئی مثال قائم کی ہے؟

یہ پیغمبر امن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی ذات تھی جس نے انسانیت کو عملی طور پر عفو در گزر کا درس دیا۔

یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات تھی جس نے عالی ظرفی کا مظاہرہ کر کے رہتی دنیا تک امن و آشتی کی صدائیں بلند کر دیں۔

صرف دس افراد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اُن دس افراد میں سے بھی صرف تین ہی قتل ہوئے۔

جیسا کہ ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں، رحمت للعالمین کے عفوو در گزر کا یہ عالم تھا کہ ان دس مجرموں میں سے بھی اکثر کو معاف کر دیا۔ اُن دس مجرموں میں سے صرف تین مجرم قتل ہوئے، اُن میں سے بھی ایک عبد اللہ ابن خطل تھا اس نے اسلامی لشکر کے مکہ میں داخلہ کے وقت مقابلہ کیا، دوسرے وہ مرتد ہو گیا تھا اس لئے وہ پہلے ہی واجب القتل تھا تیسرے اُس نے ایک بے گناہ مسلمان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے کے جرم کا ارتکاب کیا تھا، لہٰذا اُسے اس مسلمان کے قصاص میں قتل کیا گیا جو عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ دوسرا قتل الحویرث ابن نقیذ بن وہب کا تھا۔ یہ شخص اگر چہ ایذاء رسانی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف زہر افشانی کرنے میں سب سے آگے تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خون کے پیاسوں کو بھی معاف فرمادیا تھا۔ اگر اس کو بھی قتل کیا گیا تو اس کی کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے، وہ کسی سنگین جرم میں ملوث ہو گا، ذاتی انتقام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو تا یقیناً اس سے کوئی غیر انسانی جرم سر زد ہوا ہو گا جس کی سزا موت سے کم نہیں ہو گی۔ کسی قصاص میں اُس کا قتل روا رکھا گیا۔ تیسرا قتل مقیس بن صبابہ کا تھا جسے صفا اور مروہ کے درمیان قتل کیا گیا۔ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا تھا اور پھر مرتد ہو گیا تھا اس لئے وہ بھی واجب القتل تھا۔ باقی سات افراد معافی کے خواستگار ہوئے تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرمادیا۔ (سیرۃ الرسول جلد ہشتم صفحہ ۶۷۳)

یہ وہ نازک موقع تھا کہ جب ہر شخص کو یقین تھا کہ اب اہل شہر کی خیر نہیں لیکن ایک شخص بھی قتل نہیں ہوا۔۔۔ کسی دشمن کی بیٹی کی عصمت نہیں لُٹی۔۔۔ کسی دشمن کے بچے کو نیزے پر نہیں اُچھالا۔۔۔ ابو جہل جس نے عداوتِ رسول کی تاریخ رقم کی اُس کے بیٹے عکرمہ کو بھی معاف فرمادیا۔ جو خود عداوتِ رسول میں اپنے باپ کے نقشِ قدم پر تھا۔ وحشی جس نے آپ کے چچا کو قتل کیا ہر شخص کو یقین تھا کہ آج وحشی بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خون بھی معاف فرمادیا۔

ہندہ جس نے آپ کے عزیز چچا کی لاش کا مثلہ کیا، اُسے بھی معاف فرمادیا بلکہ اہل مکہ کی ستم ظریفیوں کے جواب میں فرمایا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے، جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے لے، یا جو کعبہ میں پناہ لے لے اُسے امان ہے۔

عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ جس نے بعثت سے قبل ایک دفعہ پیغمبر اسلام کیلئے کعبہ کا دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا فتح مکہ کے موقع پر اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں، (عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ) ہجرتِ مکہ سے پہلے ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ میں نے کہا یا محمد؟ آپ کیسی عجیب وغریب باتیں کررہے ہیں؟ آپ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ مَیں آپ کا پیروکار بن جاؤں حالانکہ آپ نے اپنی قوم کے دین کو ترک کردیا ہے اور ایک نیا دین لے آئے ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ عہدِ جاہلیت میں ہمارا یہ دستور تھا کہ ہم زائرین کیلئے سوموار اور جمعرات کو کعبہ شریف کا دروازہ کھولا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور تشریف لائے تاکہ دوسرے لوگوں کی معیت میں کعبہ میں داخل ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ بڑی بد خلقی کا مظاہرہ کیا اور نہایت ناشائستہ انداز میں گفتگو کی لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی برہمی کا اظہار نہ کیا بلکہ بڑے حلم اور بُردباری سے میری بدکلامی کو برداشت کیا، البتہ بڑی نرمی سے فرمایا:

اے عثمان! یاد رکھو ایک دن آنے والا ہے جب تو دیکھے گا کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔

میں یہ سن کر بوکھلا گیا اور میں نے کہا، کیا اُس روز قریش کی عزت و آبرو خاک میں مل چکی ہوگی، تب ہی یہ انقلاب رونما ہوسکتا ہے؟ حضور نے فرمایا، اے عثمان! جس دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اُس روز قریش ذلیل وخوار نہیں ہونگے بلکہ اُن کی عزت وشوکت کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہوگا۔

عثمان کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد میری لوحِ قلب پر نقش ہوگیا مجھے یقین ہوگیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اُن کی زبانِ پاک سے جو بات نکلتی ہے وہ لامحالہ ہوکر رہتی ہے۔ میں نے سوچا کہ میں مسلمان ہوجاؤں لیکن میری قوم کو میرے اس ارادے کی بھنک پڑگئی۔ انہوں نے مجھے سختی سے جھڑکا، اس لئے میں نے ایمان لانے کا ارادہ ترک کردیا۔

جس روز مکہ فتح ہوا تو حضور نے مجھے حکم دیا کہ کعبہ کی کلید پیش کرو۔ میری کیا مجال تھی کہ انکار کرتا فوراً گھر سے چابی لے آیا اور بصد ادب بارگاہِ رسالت میں پیش کردی۔ حضور نے فرمایا عثمان! تمھیں وہ دن یاد ہے جب مَیں نے تمھیں کہا تھا کہ ایک روز یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔ مَیں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شک آپ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ چابی مجھے عطا فرمائی ساتھ ہی فرمایا، یہ چابی لے لو اور میں تمھیں ابد تک کیلئے دے رہا ہوں اور جو تم سے یہ کلید چھیننے گا وہ ظالم ہوگا۔ (ضیاء النبی جلد چہارم صفحہ ۴۶۹،۴۷۹)

اگرچہ اس کلیدِ کعبہ کے حصول کے خواہش مند حضرت علی اور حضرت عباس بھی تھے مگر آپ نے لطف وکرم کی انتہا کر دی اور انتقام کو پسند نہ فرمایا۔

احبابِ من! صرف یہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امن و آشتی کے ان دریاؤں کو جاری کیا جن سے بنی نوع انسان رہتی دنیا تک سیراب ہوتے رہیں گے۔۔۔ امن وامان کا آفتاب جو عرصۂ دراز سے ظلم وستم کے دھوئیں میں چھپا ہوا تھا مزید نکھر کر کرۂ انسانی کو امن وسلامتی کی کرنوں سے روشن کرنے لگا۔

حقیقت اور سچ کی تلاش میں سرگرداں اے مسافرانِ حق!

سیرت النبی کے جس پہلو کا بھی مطالعہ کروگے امن امان، سلامتی تمہیں اپنے عروج پر نظر آئے گی اور طالبانِ حق سے ہم صرف اتنا کہیں گے کہ پوری سیرت کے سنہرے نقوش تو تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر دیں گے، صرف فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امن وامان اور انسانیت کیلئے جس سلامتی کا مظاہرہ فرمایا اسی کی چند کرنیں ان پر حق کو عیاں کر دیں گی۔

بنو قریظہ

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین مشہور قبائل موجود تھے بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قینقاع کو ان کی عہد شکنی کے سبب پہلے ہی جلاوطن کیا جاچکا تھا۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر جب کفر کے لشکر نے جس میں بنو نضیر، بنو قینقاع بھی شامل تھے بلکہ ان کے برانگیختہ کرنے پر کفارِ مکہ لشکرِ جرار لے کر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کیلئے آئے تھے۔

حیٔ بن اخطب جو بنی نضیر کا سردار تھا بنو قریظہ کے سردار کعب کے پاس آیا اور اس سے درخواست کی کہ آج وہ موقع ہے کہ پھر کبھی میسر نہیں آئے گا لہٰذا تم پشت پر سے حملہ کردو اور ہم سامنے سے حملہ کردیتے ہیں۔

بنو قریظہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا مگر حیٔ کے بھڑکانے اور اکسانے پر اُس نے پیغمبر اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی پیٹھ میں عین لڑائی کے دوران خنجر گھونپنے کا ارادہ کرلیا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنو قریظہ کی عہد شکنی کی خبر جیسے ہی پہنچی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو اور خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ کو چند خاص آدمیوں کیساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ فرمایا انہوں نے بنو قریظہ کو سمجھایا کہ اس موقع پر عہد شکنی درست نہیں عین لڑائی کے وقت تم عہد توڑ رہے ہو مگر بنو قریظہ نے اس نازک موقع پر عہد شکنی کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے لہٰذا یہ احباب واپس آگئے۔

اب صورت حال یہ ہوگئی کہ سامنے لشکرِ کفار اور پشت پر بنو قریظہ کے غدار، جائیں تو کہاں جائیں نہ جائے رفتن نہ پائے رفتن۔ پیغمبر اسلام کی جنگی حکمتِ عملی کے سبب لشکرِ کفار میں پھوٹ پڑگئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے جنگی مجرموں کو سزا دینے کیلئے اُن کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔

ان جنگی مجرموں کی سینہ زوری ملاحظہ فرمایئے کہ اب بھی بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے نمائندے نباش بن قیس کو بھیج رہے ہیں اور سونے پر سہاگہ جنہیں جنگی جرم میں قتل ہونا چاہیے وہ ڈھٹائی کے ساتھ شرائط پیش کررہے ہیں کہ جن شرائط پر بنو نضیر کو مدینے سے جانے دیا گیا تھا انہی شرائط پر ہمیں بھی جانے کی اجازت دیدی جائے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا ہمارا مال و اسباب رکھ لیا جائے اور جان بخش دی جائے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے متعلق میرا فیصلہ ماننے کو تیار ہو تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی بات چیت کی جاسکتی ہے مگر یہود نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

اور کہا کہ ہم سعد بن معاذ کو حکم مقرر کرتے ہیں (حضرت سعد بن معاذ بنو قریظہ کے حلیف تھے) حضرت سعد نے ان جنگی مجرموں پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے حکم دیا کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے بالغوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اوران کے مال وجائیدادیں مہاجرین وانصار میں تقسیم کر دی جائیں۔

لہٰذا اسی فیصلے کے مطابق عمل درآمد ہوا۔ اس واقعے کے متعلق کیرن آر مسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

The tragedy of Qurayzah may have seemed expedient to the Arabs of Muhammad's time, but is not acceptable to us today .Nor was it what Muhammad had set out to do. His original aim had been to end the violence of jahiliyyah, but he was now behaving like an ordinary Arab chieftain .
(Muhammad, Page 163)

بنو قریظہ کا المناک انجام عہد پیغمبر کے عربوں کو ناگزیر معلوم ہوا ہو گا لیکن آج یہ ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ مسلمانوں کا اصل مقصد جاہلیہ کا خاتمہ کرنا نہیں لیکن اب وہ کسی عام عرب سردار کی طرح ہی رویہ اپنائے ہوئے تھے۔

(پیغمبر امن، صفحہ ۱۲۰)

مس کیرن آر مسٹرانگ کا یہ کہنا کہ یہ ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ جو نتیجہ یہود، کفارِ مکّہ اور اسلام دشمن قوتیں دیکھنا چاہتی تھیں وہ تو ہو ہی نہیں سکا۔ کیونکہ اگر یہ پانسہ یوں نہ پلٹتا تو مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا۔۔۔ کیا مسلمان نام کی قوم آج موجود بھی ہوتی۔ مسلمانوں اور اُن کے بیوی بچوں پر کیا گزرتی، یہود و نصاریٰ کی خون آشامی کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔

اس واقعے کی مخالفت کرنے والے ذرا یہ تو بتائیں کہ عین لڑائی کے وقت معاہدہ توڑ دینا کیا دغا دینے اور جنگی جرم کے مترادف نہیں۔

بنو قریظہ اپنی تلواروں کی دھار کو تیز کر رہے تھے تاکہ مسلمانوں کا قتلِ عام کیا جاسکے۔ ایسے جنگی مجرموں کو آج عہدِ جدید میں کیا سزا دی جاتی، کیرن صاحبہ خود فیصلہ کرلیں۔ اُن کیلئے پھر یہ سب کچھ قابلِ قبول ہو جائے گا۔

ہم مس کیرن اور استشراقی دنیا کے شہسواروں سے چند سوالات پوچھنا چاہیں گے:۔

- کیا بنو قریظہ اور بنو نضیر نے جو بد عہدی کی تھی ان سے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ یہ دوبارہ کوئی بد عہدی نہیں کرینگے؟
- کیا اُن سے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ یہ کسی اور نازک موقع پر معاہدہ نہیں توڑیں گے؟
- کیا بنو قریظہ کو جلاوطن کرنا ایک درست قدم ہوتا؟ کیونکہ اس سے قبل بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا تو نہ صرف وہ مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو جمع کرلائے بلکہ بنو قریظہ کو بھی عہد شکنی پر آمادہ کرکے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپا۔
- بنو قریظہ کی بابت فیصلہ بھی پیغمبر اسلام نے نہیں بلکہ حضرت سعد نے فرمایا اور وہ بھی عین ان کی مذہبی کتاب تورات کے مطابق۔

آج بھی موجودہ توریت میں اس ضمن میں درج ذیل احکامات موجود ہیں۔

بنو قریظہ کا انجام از روئے قانونِ توریت

بنو قریظہ کا انجام سے متعلق ذیل قوانین وضاحت کے ساتھ توریت میں موجود ہیں:۔

تب انہوں نے کہا آؤ ہم یرمیاہ کی مخالفت میں منصوبے باندھیں کیونکہ شریعت کاہن سے جاتی نہ رہے گی اور مشورت و مشیر سے اور نہ کلام نبی سے آؤ ہم اسے زبان سے ماریں اور اس کی کسی بات پر توجہ نہ کریں۔

اے خداوند تو مجھ پر توجہ کر اور مجھ سے جھگڑنے والوں کی آواز سن، کیا نیکی کے بدلے بدی کی جائے گی کیونکہ انہوں نے میری جان کیلئے گڑھا کھودا۔ یاد کر کہ میں تیرے حضور کھڑا ہوا کہ ان کی شفاعت کروں اور تیرا قہر ان پر سے ٹلا دوں۔ اس لئے ان کے بچے کال کے حوالے کر اور ان کو تلوار کی دھار کے سپرد کر، ان کی بیویاں بے اولاد اور بیوہ ہوں اور ان کے مرد مارے جائیں۔ اُن کے جوان میدانِ جنگ میں تلوار سے قتل ہوں جب تو اچانک ان پر فوج چڑھالائے گا۔ اُن کے گھروں سے ماتم کی صدا نکلے کیونکہ انہوں نے مجھے پھنسانے کو گڑھا کھودا اور میرے پاؤں کیلئے پھندے لگائے پر اے خداوند تو ان کی سب سازشوں کو جو انہوں نے میرے قتل پر کیں جانتا ہے۔ ان کی بدکرداری کو معاف نہ کر اور ان کے گناہ کو اپنی نظر سے دور نہ کر بلکہ وہ تیرے حضور پست ہوں اپنے قہر کے وقت تو ان سے یونہی کر۔

(یرمیاہ، باب ۱۸ آیت ۱۸ تا ۲۳)

اس کی تفسیر میں پادری میتھیور قم طراز ہیں:۔

یہاں نبی اپنے معاملات کا ذکر کرتا ہے۔ تاکہ ہم سیکھیں۔۔۔

یرمیاہ کے ستانے والوں، دشمنوں کا عام طریقہ کار

وہ سر جوڑ کر بیٹھے تاکہ اس کے خلاف مشورہ کریں تاکہ ایک تو اُس نے جو کچھ کہا تھا اُس کا بدلہ لیں۔ دوسرے آئندہ کیلئے اسے چپ کرادیں۔ 'انہوں نے کہا آؤ ہم یرمیاہ کی مخالفت میں منصوبے باندھیں'۔ نہ صرف اس کی ذات کے خلاف بلکہ اس کلام کے خلاف بھی جو وہ سناتا تھا۔

اس معاملے میں وہ کلیسیا کے حق میں بڑی غیرت وجوش وخروش کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ وہ کہتے تھے کہ اگر یرمیاہ کو اسی طرح منادی کرنے دی گئی تو کلیسیا کو سخت خطرہ ہے۔ وہ کہتے ہیں 'آؤ' اسے خاموش کرادیں اور کچل دیں کیونکہ شریعت کاہن سے جاتی نہ رہے گی۔ (تفسیر الکتاب، جلد دوم صفحہ ۸۶۲)

مزید آگے لکھتے ہیں:۔

اسے موثر طور سے خاموش کرنے کیلئے وہ اسے جان سے مارے دینے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ 'خداوند تو ان کی سب سازشوں کو جو انہوں نے میرے قتل پر کیں جانتا ہے' وہ اس کی قیمتی جان کو شکار کرتے ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۸۶۳)

مزید آگے لکھتے ہیں کہ یرمیاہ نبی نے کس طرح دعا کی؟ کس طرح اپنے ربّ کو پکارا؟

اس نے اپنا مقدمہ خدا کے سامنے پیش کیا کہ وہی دیکھے۔ وہ اس کی کسی بات کا لحاظ نہیں کرتے تھے، اُس کی شکایت نہیں سنتے تھے اور نہ اس کے کسی دکھ پر توجہ دیتے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ 'اے خداوند! تو مجھ پر توجہ کر'۔ مجھ سے جھگڑنے والوں کی آواز سُن کیسا ہنگامہ اور شور کرتے ہیں۔ اُن کی ساری باتیں کسی کینہ اور بغض سے بھری ہیں۔ وہ اپنے ہی منہ سے قصور وار ٹھہریں اُن کی زبانیں انہی پر آپڑیں۔

وہ خدا سے اُن کے ناشکرے پن کی شکایت کرتا ہے "کیا نیکی کے بدلے بدی کی جائے گی اور اسے سزا نہ ملے گی؟ ان کی بدی کے عوض کیا تو مجھ سے نیکی نہیں کرے گا؟" انہوں نے میری جان کیلئے گڑھا کھودا۔ وہ بزدلانہ سازش کرکے اس کی جان لینا چاہتے تھے انہوں نے اس کیلئے گڑھے کھودے جن سے بچاؤ کی کوئی صورت تھی۔ (ایضاً)

یرمیاہ نبی نے کیا دعا کی اور کیوں کی پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

وہ دعا مانگتا ہے کہ خدا اُن پر سزائیں نازل کرے وہ انتقام کی روح سے ایسا نہیں کرتا بلکہ ان کی بدی پر ناراض ہو کر ایسا کرتا ہے۔

وہ دعا مانگتا ہے کہ

- ان کے خاندان کو روٹی نہ ملے اور وہ بھوکوں مر جائیں۔
- وہ جنگی تلوار سے کاٹ ڈالیں جائیں۔
- جنگ کی دہشت اور تباہی انہیں ناگہاں اور اچانک آدبائے تاکہ سزا ان کے گناہ کے مطابق ہو۔
- اُن سے گناہ کے مطابق سلوک کیا جائے کیونکہ ان کیلئے کوئی عذر نہیں۔ انہیں سزا ملے۔
- اُن کے خلاف خدا کا قہر اُن کو تباہ و برباد کر دے 'وہ تیرے حضور پست ہوں'۔ (ایضاً صفحہ ۸۶۳)

کتاب گنتی میں درج ہے:۔

اور بسن کا بادشاہ عوج اپنے سارے لشکر کو لے کر نکلا تاکہ اورعی میں اُن سے جنگ کرے اور خداوند نے موسیٰ سے کہا اس سے مت ڈر کیونکہ مَیں نے اسے اور اس کے پورے لشکر کو اور اس کے ملک کو تیرے حوالہ کر دیا ہے سو جیسا تو نے اموریوں کے بادشاہ سیحون کے ساتھ حسبون میں رہتا تھا، کیا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ بھی کرنا چنانچے انہوں نے اس کو اور اس کے بیٹوں اور سب لوگوں کو یہاں تک مارا کہ اس کا کوئی باقی نہ رہا اور اس کے ملک کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ (گنتی، باب ۲۱ آیت ۳۳، ۳۴، ۳۵)

اسی کتاب میں آگے درج ہے:۔

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا مدیانیوں سے بنی اسرائیل کا انتقام لے۔ اس کے بعد تو اپنے لوگوں میں جا ملے گا۔ تب موسیٰ نے لوگوں سے کہا اپنے میں سے جنگ کیلئے آدمیوں کو مسلح کرو تاکہ وہ مدیانیوں پر حملہ کریں اور مدیانیوں سے خداوند کا انتقام لیں اور اسرائیل کے سب قبیلوں میں سے فی قبیلہ ایک ہزار آدمی لے کر جنگ کیلئے بھیجنا سو ہزاروں ہزار بنی اسرائیل میں سے فی قبیلہ ایک ہزار کے حساب سے بارہ ہزار مسلح آدمی جنگ کیلئے چنے گئے یوں موسیٰ نے ہر قبیلے سے ایک ہزار آدمیوں کو جنگ کیلئے بھیجا اور الیعزر کاہن کے بیٹے فینحاس کو بھی جنگ پر روانہ کیا اور مقدس کے ظروف اور بلند آواز کے نرسنگے اسکے ساتھ کر دیئے اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا اور انہوں نے ان کے مقتولوں کے سوا عوی اور رقم اور صور اور حور اور ربع کو بھی

جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا اور بعور کے بیٹے با عام کو بھی تلوار سے قتل کیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال واسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا اور انہوں نے سارا مالِ غنیمت اور سب اسیر کیا۔ انسان اور کیا حیوان ساتھ لئے اور ان اسیروں اور مالِ غنیمت کو موسیٰ اور الیعزر کاہن اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت میں اس لشکر گاہ میں پاس لے آئے۔ (گنتی، باب ۳۱ آیت ۶ تا ۱۲)

کتاب استثناء میں لکھا ہوا ہے:۔

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گذار بن کر تیری خدمت کریں اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا۔ (استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰ تا ۱۴)

یشوع کی کتاب میں درج ہے:۔

اور ان شہروں کے تمام مالِ غنیمت اور چوپایوں کو بنی اسرائیل نے اپنے واسطے لوٹ میں لے لیا لیکن ہر ایک آدمی کو تلوار کی دھار سے قتل کیا یہاں تک کہ ان کو نابود کر دیا اور ایک متنفس کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ (یشوع باب ۱۱ آیت ۱۴)

کتاب قضاۃ میں لکھا ہے:۔

اس وقت انہوں نے مواب کے دس ہزار مرد کے قریب جو سب کے سب موٹے تازہ اور بہادر تھے، قتل کئے اور ان میں سے ایک بھی نہیں بچا۔ سو موآب اس دن اسرائیلیوں کے ہاتھ کے نیچے دب گیا اور اس ملک میں اسی برس چین رہا۔ (قضاۃ باب ۳ آیت ۲۹، ۳۰)

اسی کتاب میں درج ہے:۔

اس نے فنوایل کا برج ڈھا کر اس شہر کے لوگوں کو قتل کیا۔ (قضاۃ باب ۳ آیت ۲۹، ۳۰)

اس آیت کی تفسیر میں پادری میتھیو لکھتے ہیں:-

اس نے اس شہر کے لوگوں کو قتل کیا کیونکہ وہ نہایت بدتمیز اور بدزبان تھے تاکہ باقی لوگوں پر دہشت بیٹھ جائے اس طرح جرعون نے فنوایل کے لوگوں کو سبق سکھایا۔ (تفسیر الکتاب، جلد اوّل صفحہ ۵۹۶)

اسموئیل باب ۱۱ میں ہے، اور دوسری صبح ساؤل نے لوگوں کے تین غول کئے اور وہ رات کے پچھلے پہر لشکر میں گھس کر عمونیوں کو قتل کرنے لگے یہاں تک کہ دن بہت چڑھ گیا اور جو بچ کر نکلے سو ایسے تتر بتر ہوگئے کہ دو آدمی بھی کہیں ایک ساتھ نہ رہے۔ (اسموئیل باب ۱۱ آیت ۱۱)

۲ تواریخ میں لکھا ہے، اور کوئی کیا چھوٹا کیا بڑا، کیا مرد کیا عورت خداوند اسرائیل کے خدا کا طالب نہ ہو وہ قتل کیا جائے۔ (۲ تواریخ باب ۱۵ آیت ۱۳)

کتاب یسعیاہ میں ہے، اس کے فرزندوں کیلئے ان کے باپ دادا کے گناہوں کے سبب سے قتل کے سامان تیار کرو تاکہ وہ پھر اٹھ کر ملک کے مالک نہ ہو جائیں۔ (یسعیاہ باب ۱۴ آیت ۲۱)

اس کی تفسیر میں پادری صاحب لکھتے ہیں، خدا ہمارے خیال سے کہیں زیادہ قوموں کے مفاد کو عزیز رکھتا ہے اس لئے بعض ایسے افراد کو کاٹ ڈالتا ہے کہ جو جیتے رہتے تو شرارت ہی کرتے۔ (تفسیر الکتاب، جلد دوم صفحہ ۵۹۸)

پادری صاحب کی تفسیر کی روشنی میں اگر مدینہ منورہ کے یہودیوں بالخصوص بنو نضیر اور بنو قریظہ کا جائزہ لیجئے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے گی کہ وہ جب تک زندہ رہتے فتنہ و فساد پر ہی آمادہ رہتے۔

اور جو لوگ فتنہ و فساد پر آمادہ نظر نہیں آتے وہ امن امان کے ساتھ زندہ رہتے جیسا کہ کیرن صاحبہ خود لکھتی ہیں:

Even in Muhammad's own time, smaller Jewish groups remained in Medina after 627 and were allowed to live in peace with no further reprisals. **(Muhammad a Biography of the Prophet, Page 209)**

خود رسول اللہ کے زمانے میں یہودیوں کے چھوٹے گروپ ۶۲۷ء کے بعد مدینہ میں بدستور موجود رہے، انہیں امن و سکون کے ساتھ رہنے کی اجازت تھی اور ان کے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہ کی گئی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۲۸۱)

مزید آگے اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

اسلامی سلطنت میں عیسائیوں کی طرح یہودیوں کو بھی مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اور ہماری موجودہ صدی میں اسرائیل کی ریاست کے قیام تک وہ امن و آشتی کے ساتھ رہتے رہے ہیں۔ اسلامی عہد میں یہودیوں کو وہ مصیبتیں نہیں اُٹھانا پڑی تھیں جن کا سامنا انہیں عیسائیت کے دور میں کرنا پڑا تھا۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۲۸۱)

اگر ان بد عہدیوں کو چھوڑ دیا جائے تو آئندہ کے حالات کے بارے میں پیشن گوئی کرتے ہوئے خود کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:۔

The Muslim umma had narrowly escaped extermination at the siege and emotions were naturally running high. Qurayzah had nearly destroyed Medina. If Muhammad had let them go they would at once have swelled the Jewish opposition at Khaybar and have organized another offensive against Medina: the next time the Muslims might not be so lucky. (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 208)

محاصرے کے دوران امتِ مسلمہ تباہ ہونے سے بمشکل بچی تھی اس لئے اس وقت مسلمان فطری طور پر بہت جذباتی تھے۔ بنو قریظہ نے مدینے کو تقریباً برباد کر دیا تھا اگر رسول اللہ ان یہودیوں کو چھوڑ دیتے تو وہ فرا خیبر جاکر دوسرے اسلام دشمن یہودیوں کے ساتھ مل جاتے اور مدینے پر ایک اور حملے کی تیاریاں کرنے لگتے، ممکن تھا کہ اگلی مرتبہ قسمت مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیتی۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۲۸۰)

عزیزان گرامی! گزشتہ صفحات پر پیش کی گئی بائبل کی آیات یقیناً کیرن صاحبہ نے اپنے دورِ رہبانیت میں ضرور مطالعہ کی ہوں گی۔ غالباً اسی لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

The massacre of Qurayzah is a reminder of the desperate condition of Arabia during Muhammad's lifetime. Of course we are right to condemn it without reserve, but it was not as great a crime as it would be today. Muhammad was not working within a world empire which imposed widespread order nor within one of the established religious traditions. He had nothing like the Ten Commandments (though even Moses is said to have commanded the Israelites to massacre the entire population of Canaan shortly after he had told them; 'Thou shalt not kill.' (Muhammad a Biography of the Prophet, Page 208)

بنو قریظہ کے قتل عام سے حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے عہد میں پائے جانے والے مایوس کن حالات کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ المناک واقعہ تھا لیکن اس دور میں اس کارروائی کو اتنا بڑا جرم نہیں سمجھا جاتا تھا جس قدر آج تصور کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ کسی ایسے زمانے میں ایک عالمی سلطنت کے اندر مصروفِ عمل نہیں تھے جس میں بین الاقوامی امن کا دور دورہ ہو، نہ ہی اس وقت کوئی مسلمہ مذہبی روایات موجود تھیں۔ آپ کے پاس وہ دس احکام الٰہی بھی موجود نہیں تھے جن میں کہا گیا تھا کہ 'تم قتل نہیں کروگے'، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حکم پہنچانے کے بعد خود کیا کیا؟ انہوں نے اسرائیلیوں کو حکم دیا کہ وہ کنعان کی پوری آبادی کو تہ تیغ کردیں۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات صفحہ ۲۸۰)

بنو قریظہ کے واقعہ کے حوالے سے ایک اور جگہ لکھتی ہیں:۔

This is a grim and horrible story and hideous overtones for most of us today. **(Muhammad a Biography of the Prophet, Page 206)**

یہ ایک مہیب اور وحشت ناک قصہ ہے اور آج ہم میں سے بیشتر لوگ اسے بھیانک واقعہ قرار دیں گے۔ (ایضاً، ص ۲۷۷)

کیرن صاحبہ کے اس بیان سے درج ذیل الزامات پیغمبر اسلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عائد ہوتے ہیں:۔

- یہ المناک، مہیب، وحشت ناک واقعہ تھا۔
- اس جرم کو اتنا بڑا جرم نہیں سمجھا جاتا تھا جس قدر آج سمجھا جاتا ہے۔
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی ایسے زمانے میں مصروفِ عمل نہیں تھے جس میں بین الاقوامی امن کا دور دورہ ہو۔
- اور نہ ہی کوئی مسلمہ مذہبی روایات موجود تھیں۔
- آپ کے پاس وہ دس احکام بھی موجود نہیں تھے جس میں کہا گیا تھا کہ تم قتل نہیں کروگے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے ان احکام پر عمل نہیں کیا۔

کیرن صاحبہ! المناک واقعہ یہ نہیں بلکہ المناک واقعہ تو عہد شکنی تھی اور واقعہ المناک، مہیب اور وحشت ناک وہ ہوتا جب بنو قریظہ اپنے مہیب اور وحشت ناک مقصد اور ہولناک مشن میں کامیاب ہو جاتے۔

کھوپڑیوں کی بنیادوں پر تعمیر ہونے والی سلطنت برطانیہ میں مقیم شہزادی کیرن صاحبہ جنگی مجرموں کو سزا دینا جرم سمجھتی ہیں۔۱۶ویں صدی کی نیم تہذیب یافتہ قوم کی اس راہبہ کے نزدیک کیا قاتل کو سولی پر لٹکانا جرم ہے؟

اے عقل و دانش کے معمارو!

کیا آج کی اس جدید دنیا میں ہم کسی سرجن کو جو لوگوں کے پیٹ چاک کرکے ان کا آپریشن کرتا ہو، پیٹ پھاڑنے کے جرم میں جیل کی سیر کرا دیں؟

کیا کسی قاتل کو پھانسی دینے کے جرم میں جج پر فردِ جرم عائد کر دیں؟

اگر کسی قاتل کو پھانسی دینا جرم نہیں۔

اگر کسی سرجن کا مریض کا پیٹ چاک کرنا جرم نہیں تو جنگی مجرموں کو جرم بغاوت میں سزائے قتل سنانا بھی جرم نہیں۔

اور رہا سوال یہ کہ یہ اُس زمانے میں جرم سمجھا جاتا تھا یا نہیں؟

اُس زمانے میں جنگی مجرموں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا تھا یا نہیں؟

تو آپ خود ہی لکھتی ہیں:۔

He knew that Muhammad would be well within his rights, according to the convention of Arabia, to massacre the whole tribe. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 184)

وہ (عبداللہ بن اُبی) جانتا تھا کہ اگر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عرب روایات کے مطابق یہودیوں کے پورے قبیلے کو قتل کر دیتے تو وہ حق پر ہوتے۔ (پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، صفحہ ۲۴۹)

مزید آگے لکھتی ہیں:۔

Knowing that they were lucky to have escaped with their lives. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 185)

انہیں (بنو قینقاع کو) معلوم تھا کہ وہ خوش قسمت ہیں کہ اپنی جانیں بچا کر جا رہے ہیں۔ (ایضاً، صفحہ ۲۴۹)

پھر بنو نضیر کو بھی پیغمبر اسلام نے جانے دیا مگر انہوں نے وہاں جا کر اس احسان کا بدلہ کیسے دیا کیرن صاحبہ لکھتی ہیں:

Nadir had proved to be even more dangerous to the umma after it had left medina. (Muhammad a Biography of the Prophet Page 206)

بنو نضیر مدینے سے چلے جانے کے بعد مسلم اُمّہ کیلئے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے تھے۔ (ایضاً، صفحہ ۲۷۸)

رہا سوال یہ کہ کیا آج یہ جرم سمجھا جاتا ہے؟

کیرن صاحبہ! شیشے کے گھر میں بیٹھ کر اس طرح پتھر مارنے کی حماقت درست نہیں۔ آج کا دور جہاں جرم کو جرم ہی نہیں سمجھا جاتا۔۔۔ جہاں قتل کو قتل نہیں کہا جاتا۔۔۔ جہاں دوسری قوموں کے وسائل پر ڈاکے کو ڈاکہ شمار نہیں کیا جاتا۔۔۔ جہاں استیصال کو U.S AID نام دیا جاتا ہے۔ جہاں عراق وافغانستان اور ویت نام پر لاکھوں ٹن بارود برسادیا جاتا ہے یہ دیکھے بغیر کہ اس کی زد میں عسکری لوگ آ رہے ہیں یا عورتیں اور بچے۔ ان بموں سے تباہی چھاؤنیوں، ہوائی اڈوں پر ہو رہی ہے یا ہسپتالوں اور اسکولوں پر۔ بمباری اس محفوظ دنیا میں جرم نہیں سمجھی جاتی۔ دوسروں کی آنکھ میں تنکا نہ ہوتے ہوئے بھی آپ کو نظر آ گیا مگر اپنی آنکھ کا شہتیر آپ کو نظر نہیں آیا۔

آج کی قدرے محفوظ دنیا کے جرم کے بارے میں ارون دھتی رائے لکھتی ہیں:۔

Most of the essays in Chomsky's For Reasons of State are about U.S. aggression in South Vietnam ,North Vietnam, Laos, and Cambodia. It was a war that lasted more than 12 years .Fifty-eight thousand Americans and approximately two million Vietnamese ,Cambodians, and Laotians lost their lives. The U.S. deployed half a million ground troops, dropped more than six million tons of bombs. (www.countercurrents.org/us-roy240803.htm)

چومسکی کی کتاب For Reasons of State میں شامل اکثر مضامین کا تعلق جنوبی ویت نام، لاؤس اور کمبوڈیا میں امریکی جارحیت سے ہے۔ یہ جنگ بارہ سال سے زیادہ عرصہ جاری رہی۔ اٹھاون ہزار امریکی اور جنوبی ویت نام، شمالی ویت نام، لاؤس اور کمبوڈیا کے تقریباً بیس لاکھ باسی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ امریکا نے تقریباً پانچ لاکھ زمینی فوج جنگ میں جھونک دی، ساٹھ لاکھ ٹن سے زیادہ بم برسائے۔ (ایک عام آدمی کا تصورِ سلطنت، صفحہ ۵۲)

بلکہ آج کی محفوظ دنیا کے بارے میں جہاں جنگ مجرموں کو سزا دینا جرم سمجھا جاتا ہے کہ بارے میں لکھتی ہیں:۔

آج ہمیں معلوم ہے کہ جنگ عراق میں تیزی لانے کیلئے پیش کی جانے والی ہر دلیل ایک جھوٹ ہے اور مضحکہ خیز ترین جھوٹ یہ ہے کہ امریکی حکومت، عراق میں جمہوریت لانے کا تہیہ کئے بیٹھی ہے۔

آمریت سے بچانے کیلئے کسی ملک کی عوام کو ہلاک کرنا یا نظریاتی بد عنوانی، امریکی حکومت کا ایک پرانا پسندیدہ کھیل ہے۔

ہاں لاطینی امریکا میں، آپ اس حقیقت سے کئی لوگوں کی نسبت زیادہ بہتر طور پر باخبر ہیں۔

اس بات پر کسی کو کوئی شک نہیں کہ صدام حسین ایک ظالم آمر اور ایک قاتل ہے (جس کی بدترین زیادتیوں کو امریکا اور برطانیہ کی حکومتوں کی حمایت حاصل رہی) اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عراق کے عوام، صدام سے جان چھڑا کر سکھ کا سانس لیں گے لیکن مسٹر بش سے جان چھڑا کر تو پوری دنیا سکھ کا سانس لے گی۔

تو کیا بش کو بم گرا کر وائٹ ہاؤس سے نکال دینا چاہئے ؟ (ایضا ۶۸،۶۹)

بہت کچھ کہنے کو ہے کیرن صاحبہ مگر صفحات کم پڑ جائیں گے اور صفحات میسر آ بھی جائیں تو اہل صلیب کی روسیاہی لکھنے کیلئے سیاہی کہاں سے لاؤں گا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بین الاقوامی امن کے پیامبر

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دنیا کو امن وامان کے وہ سنہری اصول دیے جو اقوام متحدہ کے چارٹر میں شامل ہیں ورنہ اس سے قبل کسی قوم، کسی قائد نے ایسے رہنما اصول نہیں دیئے تھے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف امن وامان کے اصول ہی نہیں دیے بلکہ ان راستوں کو بھی مسدود کیا جن کے سبب امن وامان کی صورت حال بگڑتی ہے۔

بنی نوع انسان کو اخلاقیات کے ان سنہرے اصولوں سے آشنا کیا جو امن وامان کیلئے فیول کا کام دیتے ہیں۔ معلوم کر لیجئے کسی بھی ماہر سماجیات سے اتحاد واتفاق کا عنصر امن وامان کیلئے کیا حیثیت رکھتا ہے۔

پوچھ لیجئے کسی ماہر عمرانیات سے احسان وسلوک۔۔۔ اخوت ومحبت۔۔۔ اعتدال و میانہ روی۔۔۔ قناعت و فاقہ کشی۔۔۔ عدل وانصاف۔۔۔ ایثار وکرم۔۔۔ بہبود وفلاح۔۔۔ تواضع وخاکساری۔۔۔ حسنِ معاملہ۔۔۔ برائی کا بدلہ بھلائی۔۔۔ حوصلہ مندی۔۔۔ شرم وحیا۔۔۔ خشیتِ الٰہی۔۔۔ خوش خلقی وخوش مزاجی۔۔۔ رحم وکرم۔۔۔ لطف وکرم۔۔۔ سادگی و عفوودرگزر۔۔۔ غریب نوازی۔۔۔ ہمسائے سے حسنِ سلوک۔۔۔ یتیموں سے برتاؤ۔۔۔ خودداری و عزتِ نفس۔۔۔ جیسے ان گنت سماجی فلک پر چمکنے والے اخلاقی قدروں کے تابناک ستارے کرۂ انسانی پر روشنی کیلئے کتنے ناگزیر ہیں۔

اور معلوم کر لیجئے دنیا بھر کے تمام ماہرین سماجیات وعمرانیات سے، ماہرینِ نفسیات سے کہ استہزا وتمسخر۔۔۔ افشائے راز۔۔۔ اقتدار کی حرص۔۔۔ بخل۔۔۔ بددیانتی۔۔۔ بدکاری۔۔۔ بدگمانی۔۔۔ بدگوئی۔۔۔ بغض و کینہ۔۔۔ بہتان وحسد۔۔۔ افترا بازی۔۔۔ بے حیائی وبے صبری۔۔۔ فسق وفجور۔۔۔ تعصب وجاہلیت۔۔۔ تفرقہ بازی۔۔۔ دوسروں کے عیبوں کی تلاش۔۔۔ جدل وبے جا بحث۔۔۔ جھوٹ۔۔۔ جھوٹی گواہی۔۔۔ چغل خوری۔۔۔ ناانصافی۔۔۔ چوری۔۔۔ حبِ دنیا۔۔۔ خیانت۔۔۔ دجل۔۔۔ دھوکہ بازی۔۔۔ دو رنگی۔۔۔ دو رُخا پن۔۔۔ ذخیرہ اندوزی۔۔۔ رشوت۔۔۔ ریاکاری۔۔۔ زناکاری۔۔۔ زیادتی۔۔۔ سود خوری۔۔۔ شراب خوری۔۔۔ طعنہ زنی۔۔۔ طمع ولالچ۔۔۔ ظلم کی اعانت۔۔۔ عریانیت۔۔۔ عناد۔۔۔ عیب جوئی۔۔۔ غاصبانہ قبضہ۔۔۔ غداری وعہد شکنی۔۔۔ غصہ واشتعال انگیزی۔۔۔ مالِ حرام۔۔۔ غیظ وغضب۔۔۔ فحاشی وفحش گوئی۔۔۔ فخر وغرور اور گھمنڈ۔۔۔ گالی گلوچ۔۔۔ قتل وغارت گری۔۔۔ قطع تعلق۔۔۔ مال کی حرص۔۔۔ ناانصافی۔۔۔ ناپ تول میں کمی۔۔۔ نسل پرستی۔۔۔ ہوس۔۔۔ حرص وغیرہ وغیرہ امن وامان کیلئے کیسے زہر ہیں۔

پیغمبر اسلام نے امن و امان کے ایسے سنہرے اُصول دیئے اور دہشت گردی و فتنہ و فساد کے سدِّ باب کیلئے ایسے قوانین دیئے جن کا اگر میں تفصیل سے تذکرہ کروں تو صفحات قرآن وحدیث کے حوالوں سے بھر جائیں گے یہ وہ اصول ہیں، یہ وہ قوانین ہیں جن پر اگر عمل کیا جائے تو دنیا امن وامان سے بھر جائے، جیسا عہدِ خلفائے راشدین میں تھا۔ جب دنیا کی زمامِ امامت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور آج جب عروج اہلِ صلیب کے حصے میں آیا تو دنیا آگ اور خون سے بھر گئی۔

۴۔ رہا سوال یہ کہ کوئی مسلمہ مذہبی روایت موجود تھی یا نہیں؟ تو ہم گزشتہ صفحات پر توریت کے حوالوں سے جنگی مجرموں کی سزا ثابت کر چکے ہیں۔

پیغمبر اسلام اور انسانی جان کی حرمت

پیغمبر اسلام پر پانچواں الزام یہ عائد کیا گیا کہ پیغمبر اسلام کے پاس وہ دس احکام جن میں قتل کی ممانعت شامل تھی، نہیں تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے لیکن انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔

انسانی جان کی حرمت اور اسلام:۔

اسلام انسانی جان کی حرمت پر بے انتہا زور دیتا ہے۔ حتیٰ کہ حالتِ جنگ میں بھی وہ ان لوگوں سے تعرض نہیں کرتا جو غیر مسلح اور غیر محارب ہوتے ہیں۔

اسلام نے عام آدمی کے قتل کی مذمت اور انسانی جان کی حرمت کو ادیانِ عالم میں سب سے پہلے مفصلاً بیان فرمایا۔

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلایسرف فی القتل انہ کان منصورا (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل۔ آیت ۳۳)

اور نہ قتل کر اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہو مگر حق کے ساتھ اور جو قتل کیا جائے ناحق تو ہم نے مقتول کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) حق دیدیا ہے پس اسے چاہئے کہ قتل میں اسراف نہ کرے ضرور اس کی مدد کی جائے گی۔

آیت پر غور کیجئے فرمایا:۔

فلا یسرف فی القتل

پس اسے چاہئے قتل میں اسراف نہ کرے۔

اور قصاص کا حکم اسلئے دیا تا کہ دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور اس جرم کو کرنے سے بچیں، قصاص میں حیات ہے ورنہ تو دنیا میں قتل عام ہو جائے گا۔ اس لئے فرمایا:۔

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون (پ۲ سورہ بقرہ آیت ۱۷۹)

اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو! تا کہ تم (قتل کرنے سے) پرہیز کرنے لگو۔

اب ذرا غور کیجئے! فرمایا:۔

فلا یسرف فی القتل

پس اسے چاہئے قتل میں اسراف نہ کرے۔

قتل میں اسراف نہ کرو۔ کیا مقصد؟

اگر کسی نے قتل کیا ہے تو اسی کو قتل کیا جائے اس کے غلام کو قتل نہیں کیا جائے گا یا اگر کسی قبیلے سے یا کسی قوم سے تعلق رکھتا ہے تو اس مجرم کے جرم کی پاداش میں اس قوم یا اس قبیلے کے لوگوں کو تہ تیغ نہیں کیا جائے۔

پھر قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے مگر اس کی لاش کو بگاڑنا یا خون بہالینے کے بعد قاتل کو قتل کر دینا جائز نہ ہوگا۔

بلکہ ایک اور جگہ قانونِ قصاص کو یوں بیان فرمایا:۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمة (پ۲ سورہ بقرہ۔ آیت ۱۷۸)

اے ایمان والو! فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص جو (ناحق) مارے جائیں آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پس جس کو معاف کر جائے اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ چیز تو چاہئے کہ طلب کرے (مقتول کا وارث) خون بہا دستور کے مطابق اور (قاتل کو چاہئے) کہ اسے ادا کرے اچھی طرح یہ رعایت ہے تمہارے ربّ کی طرف سے اور رحمت ہے۔

قتل کے بارے میں ایک اور جگہ فرمایا:۔

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزآؤہ جهنم خالدا فیها وغضب الله علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما (پ۵ سورہ نساء۔ آیت ۹۳)

اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ اس میں رہے گا اور غضب ناک ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اور اپنی رحمت سے دور کر دے گا اسے اور تیار کر رکھا ہے اس نے اس کیلئے عذابِ عظیم۔

قرآن انسانی جان کی قدروقیمت وحرمت کو یوں بیان فرماتا ہے:۔

من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انه من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و من احیاہا فکانما احیا الناس جمیعا (سورہ مائدہ۔ آیت ۳۲)

اسی وجہ سے (حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچالیا کسی جان کو تو گویا بچایا اس نے تمام لوگوں کو۔

ایک اور مقام پر اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاما

اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ

اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) سزا۔ (سورہ فرقان۔ آیت ۶۸)

ایک اور جگہ قتلِ انسانی کی حرمت یوں بیان فرمائی:۔

و لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (سورہ انعام۔ آیت ۱۵۱)

اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہو اللہ نے سوائے حق کے۔

احبابِ من! اسلام کا اسلوبِ قانون ملاحظہ فرمایئے:۔

و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ الا بالحق کا کلمہ حق بھی موجود ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کسی جان کو کبھی قتل نہ کرو حالات کتنے ہی دِگرگوں کیوں نہ ہو جائیں۔ ایک انسان اگر ساری انسانیت کی جان لینے پر تل جائے تب بھی اس دشمنِ انسانیت پر رحم کرو اگر یہ کہا جاتا تو یہ تعلیم کا نقص ہوتا اور کلام الٰہی میں نقص ہو نہیں سکتا۔

مسیحیت در حقیقت پولوسیت میں ایسا نقص ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مذہب بنی نوع انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ فساد کو ختم کرنے کیلئے تلوار کی ضرورت نہیں بلکہ کہتا ہے کہ خود فساد کو بھی فرد کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ یہ مذہب یہ نہیں کہتا کہ شرارت کا استیصال بغیر جنگ کے بھی ہو سکتا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ سرے سے اس کے استیصال ہی کی فکر فضول ہے۔ اس سے پنجہ آزما ہونے کے بجائے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔

یہ مذہب یہ نہیں کہتا کہ مجرموں کو تشدد کے بغیر بھی سزادی جاسکتی ہے اور مظلوموں کا قصاص قوت کے بغیر بھی لیا جاسکتا ہے۔ بلکہ وہ ایک عجیب و غریب اور غیر فطری نظریئے کو پیش کرتا ہے کہ تم سزا اور قصاص کا تصور ہی چھوڑ دو۔ کوئی کتنا ہی ظلم وستم کیوں نہ کرے کوئی جبر و تشدد کی کتنی ہی ہولناک تاریخ ہی کیوں نہ رقم کرے، تم اسے معاف کرتے رہو۔

یہ پولوسیت کا تصور ہے اور بنی نوع انسان کے تمام دانشوروں، ماہرین سماجیات و نفسیات، ماہرین قانون و عقلیات سب کو جمع کر لیجئے سب بیک زبان مسیحیت کے اس ناقص قانون کی مذمت کئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

اسلام اور شریعتِ اسلامیہ کسی بھی فرد کو ظلم وستم پھیلانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ وہ کرۂ انسانی کو آگ و خون کے سمندر میں نہیں دھکیل سکتی اس لئے فرمایا الا بــــالحق ظالم کو اُس کے ظلم کی سزا دی جائے، قاتل سے قصاص لیا جائے تاکہ دائمی امن قائم ہو سکے۔ تاکہ حیرہ سے تنہا ایک عورت حجاز روانہ ہو تو اسکی طرف کوئی میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔

قتلِ حق اور قتل بالحق کا تصور

قتل، خواہشاتِ نفس کی تسکین کا ذریعہ ہوتا ہے۔ مال و جاہ، نام و نمود وغیرہ جیسے محرکات ہی کسی کے قتل کے اسباب ہوسکتے ہیں۔ نفسانی جذبات کی تسکین، حلق سے نکلتے ہوئے خون کے فوارے، رقصِ بسمل کے تماشے، عقوبت خانوں میں گونجتی ہوئی چیخیں۔۔۔ خواہشات کی راہ میں رکاوٹ فرد کا قتل اور زندہ و بے جان بتوں کی بھینٹ چڑھتے ہوئے انسانی لاشے۔

اور دوسری جانب ظلم و ستم سے آنکھوں کو چرائے، فتنہ و فساد سے دامن بچائے، بدامنی و خوں ریزی سے عقل و خرد کو چھپائے، معافی و درگزر کے راگ سناتے ہوئے یہ کہنا کہ حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں کسی بھی قیمت پر خون نہ گرایا جائے، یہ تعلیمات کا نقص ہے۔

اسلام اس افراط و تفریط کو پسند نہیں کرتا اس نے ان دونوں خیالات کی تردید کی۔

اسلام نے بتایا کہ انسانی جان کی حرمت ماں، بہن، بیٹی یا کعبہ کی طرح اَبدی نہیں ہے کہ کسی طرح اس کی حلّت تبدیل ہی نہ ہوسکے اور نہ ہی اس قدر کم کہ انسان کی جان، انسانوں کی نفسانی خواہش کی تسکین کا ذریعہ بن جائے۔ اسلامی تعلیمات نے بنی نوع انسان کو بتایا کہ جب تک وہ دوسرے کی جان کی حرمت کو رَوا رکھے گا اُس کا خون بھی واجب الاحترام رہے گا اور جب وہ۔۔۔۔

دوسرے کی جان لے لے گا تو وہ اپنے خون کی قیمت خود ہی کھودے گا پھر اس کے خون کی قیمت اتنی بھی نہیں رہتی جتنی پانی کی ہوتی ہے۔